# ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئے



مؤلف
محمد انور میمن

التجا
الحدیث
اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بندہ وہ ہے جو
اللہ کے بندوں کی فکر میں لگا رہتا ہے۔
جن احباب کو اس کتاب
سے نفع ہو وہ میرے مرحوم بھائی
حافظ محمد اکبر
عمر ۲۶
کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں
اور
ہو سکے تو فی الفور ایک درود شریف میرے بھائی
کو ھدیہ کر دیں
جو ہو گا مہربان اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

نام کتاب: ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں؟

مولف: محمد انور بن اختر

سن اشاعت: مئی ۲۰۰۳

باہتمام: ارسلان بن اختر     قیمت: 175 روپے

ناشر: مکتبہ ارسلان اسٹوڈنٹ بازار فرسٹ فلور دکان نمبر F9، اردو بازار، کراچی Ph: 0333-2103655

اسٹاکسٹ

نفیس اکیڈمی (پبلشرز اینڈ پرنٹرز) قصر مریم، کوالی لین نمبر 3، نزد مسجد مقدس، اردو بازار کراچی۔ فون: #7722080 (021)

E-mail: nafeesacademy@hotmail.com.

## ملنے کا پتہ

**کراچی**
1) مکتبہ بخاری لیاری کراچی
2) دار الاشاعت اردو بازار کراچی
3) نور محمد کارخانہ کتب آرام باغ
4) علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی
5) فضلی سنز اردو بازار کراچی
6) اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن
7) مکتبہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی
8) اقبال بک سینٹر (اقبال نعمانی) صدر
9) کتب خانہ مظہری گلشن اقبال
10) قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

**لاہور**
11) مکتبہ رحمانیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور
12) ادارہ اسلامیات انارکلی بازار لاہور
13) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
14) شمع بک ایجنسی اردو بازار
15) حذیفہ اکیڈمی اردو بازار

**راولپنڈی**
16) فیصل بک لینڈ سٹی پلازہ راولپنڈی
17) کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی

**حیدر آباد**
18) حاجی امداد اللہ اکیڈمی جیل روڈ
19) قاضی بک سینٹر اردو بازار

**ملتان**
20) ادارہ تالیفات اشرفیہ منزل

**پشاور**
21) مکتبہ بیت القرآن صدف پلازہ

**کوئٹہ**
22) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

# پیش لفظ

محترم قارئین مسلمان ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے مقابلہ میں دنیا جہاں کی تمام نعمتیں ہیچ اور بے حیثیت ہیں۔ اسلام کتنی عظیم نعمت ہے اس کا احساس مجھے اور زیادہ بڑھ گیا جب بندہ نے مختلف رسائل میں یہودیت اور عیسائیت سے اسلام لانے والوں کے حالات کو پڑھا اس وقت بندہ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان نومسلموں کے ایمان افروز اور سحر انگیز حالات کو کتابی شکل دی جائے۔

تا کہ لوگوں میں ان حالات کو پڑھ کر اللہ کے شکر کا داعیہ پیدا ہو اور لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے دین اسلام میں کفار کس تیزی سے داخل ہو رہے ہیں، اس وقت اسلام دنیا میں سب تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے جس کے سائے میں دنیا بھر کے مسلم جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔

حال ہی میں امریکی سفیر نے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، امریکہ میں اسلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے وہاں ہر سال ایک لاکھ پینتیس ہزار غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں۔ اس وقت صرف امریکہ کی جیلوں میں اسلام کو قبول کرنے والوں کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے اور اس وقت امریکہ میں دو ہزار سے زائد مساجد ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں عیسائیت دم توڑ رہی ہے اس کے پیروکار دن بدن گھٹ رہے ہیں، اتوار کے دن گرجا گھروں میں عبادات میں دن بدن کمی ہو رہی ہے، نئی نسل عبادات سے کوسوں دور نظر آتی ہے اس وجہ سے کئی گرجا گھر ویران ہو چکے ہیں اور ان میں سے بعض مسجد بننے کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور بعض تجارتی اسٹوروں میں تبدیل ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

اب رہا یہ سوال لوگ جوق در جوق اسلام میں کیوں داخل ہو رہے ہیں؟ تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب باطلہ ہیں ان میں آپس میں تضاد ہے، ان کی کتابوں تک میں تحریف کر دی گئی ہے۔ ان مذاہب

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکون قلب صرف دین اسلام میں رکھا ہے۔ اوراس کا اعتراف مغربی دانشور بھی کرتے ہیں۔ ایک امریکن نے اسلام قبول کرنے کی یہ وجہ بتلائی کہ امریکہ میں سکون حاصل کرنے کے لئے میں نے ہر طرح کی عیاشیوں کو اختیار کیا حالانکہ میرے پاس ڈالر کی فراوانی تھی لیکن مجھے حقیقی سکون ملا تو صرف اور صرف اسلام سے ملا۔ اسی طرح ایک جرمنی کے نومسلم نے لکھا ہے کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں مجھے مسلمانوں کی عبادات میں نماز کا پتا چلا تو میں نے نماز پڑھی تو مجھے نماز میں بے حد سکون اور آرام ملا، اسی سکون کی خاطر میں دو گھنٹے تک نماز پڑھتا رہا۔

اسی طرح کچھ مرد وعورتوں کو دین اسلام کے داعیوں نے قرآن مجید دیا اور انہوں نے اس کے ترجمے کو پڑھا جس کو پڑھ کر ان کے دل میں اسلام کی حقانیت اتر گئی۔ اور بعض لوگ تو پادریوں کے اعمال، ان کے آپس کے اختلافات اور ان کے جنسی کرتوت کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوئے۔ بعض لوگ مسلمانوں کے کردار، اخلاق اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور اعمال صالحہ کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔

لہذا میری تمام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام جیسی نعمت عطا کی ہے تو اس نعمت کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کریں اور زبانی شکر کے ساتھ ساتھ ''بدنی شکر'' بھی ادا کریں۔ بدنی شکر یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں ہماری چال، رہن سہن، اوڑھنا بچھونا، کاروبار ہر چیز سنت کے مطابق ہوگی تو اسلام جیسی نعمت کا حقیقی شکر ہوگا اور پھر انشاء اللہ لوگ ہمیں دیکھ کر اسلام کے سائے میں آتے چلے جائیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ یہ کتاب تاریکی میں روشن چراغ ثابت ہوگی۔

جن حضرات کو اس کتاب سے نفع ہو ان سے میری گذارش ہے کہ احقر راقم الحروف اور معاونین کتاب کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔

محمد انور بن اختر

کان اللہ لہ عوضاً عن کل شئ

1/5/2001

# فہرست

# اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے بعد دنیا بھر میں سب سے زیادہ سنائی دینے والی آواز

دسمبر ۱۹۳۵ء کی آخری تاریخیں تھیں اور میرا قیام علمی تحقیقات کے باعث کلکتے میں تھا دن کا زیادہ حصہ امپیریل لائبریری میں مخطوطات کی ورق گردانی میں اور پھر خان بہادر اسد اللہ خان ناظم کتب خانہ کے ساتھ مذہب پر گرما گرم بحث میں صرف ہوتا تھا مرحوم کے دل میں اسلام کے لئے جو لگن تھی اس کا اندازہ صرف اس امر سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ہندو گردی کے خلاف احتجاجاً تین مرتبہ استعفٰی سرکار کو پیش کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کبھی منظور نہ ہوا سہ پہر کو مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاں محفل جمی رہتی تھی جو اس زمانے میں کلام پاک کی تفسیر لکھ رہے تھے اور کسی ایک موضوع کے لے کر خود بھی بولتے اور دوسروں کو بھی اظہار خیال کا موقع دیتے تھے۔

برصغیر میں کلکتہ یونیورسٹی نے شعبہ اسلامیات کی ابتدا اسی سال کی تھی، سابق وزیراعظم پاکستان حسین شہید سہروردی کے چچا حسان سہروردی وائس چانسلر تھے اور ایک یہودی عالم ڈاکٹر ذاکرایا (زکریا) شعبے کا صدر منتخب ہوا تھا۔ ہر اتوار کی صبح ان کے ساتھ مذاہب کے بنیادی اصولوں پر مباحثہ بھی خاصا دلچسپ اور بصیرت افروز ہوا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ایک محققانہ اسلامی ماحول پیدا ہوگیا تھا جس کا بعد میں عشر عشیر بھی میسر نہ آسکا۔

روز و شب کی پرسکون کروٹیں اسی طرح جاری تھیں کہ یکایک اخبارات میں مانو یا نہ مانو کے شہرۂ آفاق خالق رپلے کی کلکتہ آمد کا اعلان کیا اور پھر ایک روز وہ خود ہی اس سوال کے سلسلے میں امپیریل لائبریری میں آ گیا نوادرات اور عجائبات کے متلاشی تو ہر جگہ مل جائیں گے لیکن رپلے وہ منفرد شخص تھا جو صرف علمی یا معاشی عجوبوں سے دلچسپی رکھتا۔ لندن اور امریکہ کے اخبارات میں اس کے چند ہی چٹکلے شائع ہوئے تھے لوگوں نے اس پر آوازیں کسنا شروع کردیں، کسی نے اس کو دنیا کا سب سے بڑا دروغ گو قرار

دیا تو کسی نے اسے ابلہ فریب گردانا، وہ بات ہی ایسی کہتا تھا کہ عقل باور کرنے سے سراسر انکار کردیتی تھی لیکن جب تحقیقات کی جاتی تو سو فیصد درست ثابت ہوتیں۔ برصغیر میں ہفتہ وار ٹائمز آف انڈیا نے بھی اس کے ان مضامین کی خوب اشاعت کی تھی۔

اس لئے وہ ہمارے نزدیک جانی پہچانی شخصیت تھی۔ اس نے اپنی ڈائری میں ہندوؤں کی چند مذہبی کتابوں کے نام لکھ رکھے تھے جن کا وہ اپنی تحقیق کے سلسلے میں مطالعہ کرنا چاہتا تھا لیکن ساتھ ہی کسی ایسے عالم کا بھی متلاشی تھا جو اسے اس خاص موضوع پر ضروری معلومات فراہم کر سکے، چنانچہ ایک پنڈت چٹوپادھیائے کو جو سنسکرت سیکشن کے متجر عالم تھے بلایا گیا لیکن رپلے کے پہلے ہی سوال پر ان کا بھرم کھل گیا اور وہ بغلیں جھانکنے لگے، اس نے اپنی ڈائری کا ایک ورق کھول کر دریافت کیا ہندوستان میں مندروں کی تعداد کتنی ہے، اوران میں عبادت کے اوقات کیا ہیں جب پنڈت جی سراسیما نظر آئے تو اس نے نہایت ملائمت سے کہا خیر یہ تو میں دوسرے طریقوں سے بھی معلوم کرلوں گا آپ مجھے صرف اپنی عبادت کے طریقے سمجھا دیجئے پنڈت جی کے بیان پر جس طرح اس کی پیشانی پر بل پڑ رہے تھے انہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ ہوسکتا تھا کہ اس کی مایوسیاں بڑھتی جارہی ہیں اور وہ اپنی منزل سے دور ہوتا جارہا ہے، دو گھنٹے کے بعد اس کے چہرے پر اضمحلال کی ایسی گھٹائیں چھا گئیں کہ اس نے ڈائری بند کردی اور ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔

کہنے لگا میں اس ٹوہ میں نکلا ہوں کہ دنیا میں کونسی آواز سب سے زیادہ سنائی دیتی ہے، پہلے جانوروں کی بولیوں کا جائزہ لیا لیکن ان میں ہم آہنگی بہت کم دیکھی پھر انسان کی طرف توجہ کی تو وہاں بھی بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دیں، ریلوے انجن کی سیٹی کا تجزیہ کیا تو امریکی، یورپی اور افریقی سیٹیوں میں بین بین فرق نظر آیا اب صرف ایک امر باقی رہ گیا کہ دنیا کے مذاہب کو دیکھا جائے ان میں شاید کوئی مناجات یا حمد مل جائے جو بین الاقوامی حیثیت سے عام ہو دنیا میں چار بڑے مذاہب ہیں، اسلام، عیسائیت، ہندو دھرم اور بدھ مت۔ آج کل میں ان کا جائزہ لے رہا ہوں عیسائی ممالک نے مجھے ہر قسم کی معلومات فراہم کیں۔

پھر جب وہ امریکہ واپس پہنچا تو اس نے مانو یا نہ مانو کی دوسری جلد لکھنی شروع

کی تو ابتدا میں اس عنوان کے تحت کے دنیا میں کونسی آواز سب سے زیادہ سنائی دیتی ہے جوب دیا کہ وہ مسلمانوں کی اذان ہے جس کی کوئی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور ثبوت کے طور پر وہ تمام اعداد و شمار شائع کر دیئے جو علامہ عبدالرزاق نے مرتب کئے تھے۔ ایک صبح میں نے الم نشرح کی تلاوت کی تھی اور اس کے مطالب پر غور کر رہا تھا اور اس آیت **ورفعنا لک ذکرک** ﴿القرآن﴾ (اور اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کے واسطے ذکر کو بلند کر دیا) دماغ کو بری طرح جھنجوڑ رہی تھی۔

یہ مکہ میں نازل ہونے والی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستار مسلمان انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے، مکہ سے باہر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک سنا تھا اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہو سللم کے مشن سے واقف تھا اس قت خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنی دور اس پیشن گوئی کا حامل کیوں نہ ہو لیکن بادی النظر میں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اس وقت کس نے اس پر غور کیا ہوگا کس نے اس کی اہمیت کو سمجھا ہوگا، لیکن قرآن صرف پہلی صدی ہجری کی کتاب تو نہیں اس کو تو تا قیامت سلامت رہنا ہے۔ خیالات کی رو سے اسی طرح رواں تھا کہ یکا یک مجھے ۱۹۴۵ء کے اس واقعے کی یاد آئی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور ذہن اسی طرف منتقل ہوا کہ یہ سب کچھ اس آیت ہی کی تفسیر ہے مؤذن مسجد کے مینار پر چڑھ کر با آواز بلند پکارتا ہے۔

**اشهد ان محمداً رسول الله**

**اشهدان محمد اًرسول الله**

اور اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ہر مسجد میں کم از کم بیس مرتبہ پکارا جاتا ہے دس مرتبہ اذانوں میں اور دس مرتبہ تکبیروں میں پھر ہر دو رکعت کے بعد نمازی جو عمل سے خالی ہے، پر طاہرانہ نظر ڈالی جائی تو معلوم ہوگا کہ اس میں بھی عہد سے لحد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ بچہ پیدا ہونے پر اس کے دونوں کانوں میں اذان دی جاتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی تکرار ہوتی ہے، عقیقہ اور ختنہ کے موقع پر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور نکاح کا تو نام ہی عرف عام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور قاضی اس موقع پر جو خطبہ پڑھتا ہے اس میں اس کی تصریح کرتا ہے میت کو غسل

دیتے وقت اور جنازے کے ہمراہ جانے والے تمام راستے باآواز اور بیٹھ کر درود شریف پڑھتے ہیں جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ہوتی ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد امام درود شریف کا ورد کرتا ہے اور اکثر مقتدی بھی اسے دہراتے ہیں اس طرح ہر مسجد میں آپ صلی علیہ وسلم کا ذکر مبارک سینکڑوں مرتبہ ہو جاتا ہے۔

عبادت گزار بندوں سے قطع نظر جو دن رات تسبیح اور درود میں منہمک رہتے ہیں ایک عام دنیا دار مسلمان کی زندگی بلند کلمۂ شہادت کا ورد کرتے ہوئے گزرتی ہے۔ سوئم، دہم، چہلم اور برسی کے موقع پر فاتحہ خوانی ہوتی ہے اس کا اختتام درود شریف پر ہوتا ہے اسی طرح مواعظ اور خطبات میں بھی جو مسلمان کی مذہبی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حقانیت کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی جاتی ہے۔ ان سے بھی بڑھ کر میلاد شریف کی مجالس ہیں جن کا شمار بقول مشہور صوفی وراث شاہؒ کے ہر دور میں ناممکن رہا ہے۔ ربیع الاول کا پورا مہینہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ہجرت اور وفات ہوئی ان محافل کے واسطے مخصوص ہے۔ پبلک جلسوں کے علاوہ جن میں شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے جمع ہو کر درود وسلام پڑھتے ہیں، گھروں کے اندر بھی زنانہ مجالس ہوتی ہیں اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ **الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ** پڑھتے ہیں لیکن **ورفعنا لک ذکرک** کا ایک تیسرا پہلو بھی ہے جو ان سب سے بڑھ کر ارفع و اعلیٰ ہے اور جس کی مثال نہ کسی دوسرے مذہب میں نظر آتی ہے نہ کسی اور پیغمبر کے متعلق اس قسم کا ارشاد ربانی کسی آسمانی کتاب میں نظر آتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

**ان اللہ وملٓئکتہ یصلون علی النبی یآایھا الذین**

**امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما ۰** ﴿القرآن﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ (خود) اور (اس کے تمام فرشتے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجتے رہو۔''

اس دنیائے آب وگل میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا کچھ ذکر اوپر کی سطور میں آ چکا ہے لیکن یہ آیت مبارک سے آپ کو اس رفعت کا اندازہ ہوگا جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ملائے اعلیٰ ہی میں نہیں بلکہ عرش معلی تک پر حاصل ہے، اور جو چودہ سو برس ہی نہیں بلکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ کب سے ہو رہا ہے اور کب تک ہوتا رہے گا۔

# عورتیں اسلام کیوں قبول کرتی ہیں؟

امریکہ میں گزشتہ دس سال میں آبادی میں ۱۳۷ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ عیسائیت میں صرف ۴۶ فیصد اضافہ ہوا۔ اس کے مقابلے میں اسلام میں اضافہ ۲۳۵ فیصد تھا۔ ایک تازہ ترین جائزے کے مطابق سالانہ ایک لاکھ افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔ جبکہ ایک مرد کے مقابلے میں اسلام قبول کرنے والی عورتوں کی تعداد چار ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ بات واضح ہے کہ عیسائی تیزی کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ کرسچن سائنس دانوں کی ایک نمایاں تعداد نے یہ اقرار کیا ہے کہ قرآن الہامی کتاب ہے۔ ایسے عیسائی سائنس دانوں سے انٹرنیٹ پر اس پتہ پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

*http:/wings.bufflo.edu/sa.muslim/library/jesus-say/ch13.htm!*

اسی طرح کرسچین بشپ اور پادری اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بائبل میں تضادات اور کھنچاؤ پایا جاتا ہے۔

*http:/wings.bufflo.edu/sa.muslim/library/jesus-say/ch2.1.htm!*

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا تھے۔

*http:/www.geocities.com/Athens/Agora/4229/jam.htm!*

یہ سوال اب بھی اپنی جگہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ تعداد میں اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے انہیں عیسائیت کے مقابلے میں مردوں کے مساوی درجہ دیا ہے، جبکہ بائبل میں عورتوں کے بارے میں نہایت خراب تصورات پیش کئے گئے ہیں جس کی مثالیں یہ ہیں:

۱۔ بائبل نے عورتوں کو حقیقی گناہ گار قرار دیا ہے۔ (اماں) حوا نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا۔ (Genesis 2 : 4-3 : 24) قرآن مجید نے اس کی وضاحت اس طرح کی کہ اماں حوا کے بجائے حضرت آدم کو ذمہ دار قرار دیا۔ (قرآن ۲۵۔۱۹:۷)

۲:...... بائبل میں کہا گیا ہے کہ ''بیٹی کی پیدائش سراسر خسارہ ہے'' (Ecclesiasticus 22 :3) جبکہ قرآن مجید نے بیٹے اور بیٹی کی پیدائش کو یکساں اللہ کی رحمت قرار دیا ہے۔

۳:...... بائبل میں عورتوں پر گرجا گھر میں بولنے پر پابندی عائد کی ہے۔ (I-corinthians 14 : 34-35) جبکہ قرآن کہتا ہے کہ خواتین پیغمبر اسلام سے بھی بحث کرسکتی ہیں۔ (58:1)

۴:...... بائبل میں طلاق یافتہ عورت کو فاحشہ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ مرد کو نہیں۔ (Matthew 5:31-33) جبکہ قرآن میں ایسا کوئی دہرا معیار اختیار نہیں کیا گیا۔ (30:21 القرآن)

۵:...... بائبل میں بیواؤں اور بہنوں کو مرد کی وارثت کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ وراثت صرف مردوں کو منتقل ہوتی ہے۔ (Numbers 27:1-11) جبکہ قرآن نے اسے ختم کردیا۔ (4:22 القرآن) اور سب کے حقوق کا تحفظ کیا۔

۶:...... بائبل کے مطابق مردوں کو بے شمار بیویاں رکھنے کا حق حاصل ہے۔ (King 11:3) جبکہ قرآن نے (خصوصی حالات میں) بیویوں کی تعداد 4 تک محدود کردی۔ (4:3 القرآن) قرآن نے عورتوں کو یہ حق بھی دیا کہ وہ شادی کی پسند و ناپسند کے بارے میں اپنی رائے دے سکتی ہیں۔

۷:...... بائبل کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کنواری لڑکی کی عصمت دری کرتا ہے تو انکشاف ہوجانے پر لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس سکے ادا کرے۔ اسے لڑکی سے شادی کرنا ہوگی جس کی اس نے عزت لوٹی۔ اور وہ اس لڑکی کو مرتے دم تک طلاق نہیں دے سکے گا۔ (Deuter onemy 22 : 28 - 30)

# مغربی خواتین کا قبول اسلام اور امریکی ذرائع ابلاغ کی معاندانہ روش

اخلاقی اور نفسیاتی لحاظ سے امریکی معاشرہ میں سکون و قرار اور دلجمعی کا سخت فقدان ہے۔ نیز خاندانی روابط و تعلقات اور عائلی زندگی کی حالت بہت خراب ہوچکی

ہے۔ زیادہ تر امریکی جوڑے باہمی چپقلش کا شکار ہیں۔ امریکہ میں عورتوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔ عزتوں پر حملے اور پرس چھین لینے کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے جیسا کہ امریکی عدالتوں کے جاری کردہ اعداد وشمار میں بیان کیا گیا ہے۔

ریڈرز ڈائجسٹ نے اپنی ایک اشاعت میں بتایا ہے کہ آج کل امریکہ میں ۱۹ سال سے کم عمر کی غیر شادی لڑکیوں میں سے ۶۴.۴ فیصد بااولاد ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں ۱۹۶۵ء میں صرف ۶۷.۱فیصد کنواری مائیں موجود تھیں۔

کنواری ماؤں کی نصف سے زیادہ تعداد اپنے بچوں کے باپوں کے پاس نہیں رہ رہی۔ ان میں سے ۲۵ فیصد سے زیادہ کبھی بھی اپنے بچوں کے باپوں کے پاس نہیں رہیں۔ غیر شادی شدہ ماؤں میں سے صرف ۲۰ فیصد کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے عمدہ مالی امداد مل رہی ہے۔ کنواری ماؤں کی نصف سے بھی کم تعداد، آئندہ برسوں میں شادی کرے گی، جب کہ ان میں سے تقریباً نصف تعداد کو آئندہ پانچ برسوں میں طلاق ہو جائے گی۔ ۲۰ فیصد سے زائد نوجوان امریکی لڑکیوں کو اسقاط حمل کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔ امریکی معاشرے کے بارے میں یہ خوفناک حقائق اس بڑے خلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اس معاشرے کی بنیادوں کو متزلزل کر رہا ہے۔ اس کا شکار عورت کو ہی بننا پڑتا ہے۔ جو زیادہ تر اٹھارہ برس کی عمر میں ہی معرکہ حیات میں حصہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے تا کہ وہ اپنے لئے مناسب آمدنی کا بندوبست کر سکے۔

## امریکی عورتوں کی اسلام میں دلچسپی

اخلاقی اور نفسیاتی لحاظ سے امریکی معاشرہ میں سکون وقرار اور دلجمعی کا سخت فقدان ہے۔ نیز خاندانی روابط وتعلقات اور عائلی زندگی کی حالت بہت خراب ہو چکی

ہے۔ زیادہ تر امریکی جوڑے باہمی چپقلش کا شکار ہیں۔ امریکہ میں عورتوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔ عزتوں پر حملے اور پرس چھین لینے کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے جیسا کہ امریکی عدالتوں کے جاری کردہ اعداد وشمار میں بیان کیا گیا ہے۔

ریڈرز ڈائجسٹ نے اپنی ایک اشاعت میں بتایا ہے کہ آج کل امریکہ میں ۱۹ سال سے کم عمر کی غیر شادی لڑکیوں میں سے ۶۴.۴ فیصد بالا ولاد ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں ۱۹۶۵ء میں صرف ۶۷.۱ فیصد کنواری مائیں موجود تھیں۔

کنواری ماؤں کی نصف سے زیادہ تعداد اپنے بچوں کے باپوں کے پاس نہیں رہ رہیں۔ ان میں سے ۲۵ فیصد سے زیادہ کبھی بھی اپنے بچوں کے باپوں کے پاس نہیں رہیں۔ غیر شادی شدہ ماؤں میں سے صرف ۲۰ فیصد کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے عمر ہمادی امداد مل رہی ہے۔ کنواری ماؤں کی نصف سے بھی کم تعداد، آئندہ برسوں میں شادی کرے گی، جب کہ ان میں سے تقریباً نصف تعداد کو آئندہ پانچ برسوں میں طلاق ہوجائے گی۔ ۲۰ فیصد سے زائد نوجوان امریکی لڑکیوں کو اسقاط حمل کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔ امریکی معاشرے کے بارے میں یہ خوفناک حقائق اس بڑے خلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اس معاشرے کی بنیادوں کو متزلزل کررہا ہے۔ اس کا شکار عورت کو ہی بننا پڑتا ہے۔ جو زیادہ تر اٹھارہ برس کی عمر میں ہی معرکہ حیات میں حصہ لینے پر مجبور ہوجاتی ہے تا کہ وہ اپنے لئے مناسب آمدنی کا بندوبست کر سکے۔

امریکی سوسائٹی کی اس دگرگوں اخلاقی اور سماجی حالت کی بناء پر بہت سی امریکی عورتیں، دین اسلام میں دیئے گئے عورت کے مقام، عزت واحترام کو بہت حیرت سے دیکھتی ہیں۔ وہ اسلام کے اس پہلو سے خاص طور پر بہت متاثر ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان عورت کتنے آرام وسکون اور عزت ووقار سے زندگی گزارتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی عورتیں اسلام کی طرف راغب ہورہی ہیں۔ کیونکہ وہ قبول اسلام کو امریکی معاشرے میں اپنی تمام سماجی مشکلات کا حل سمجھتی ہیں۔ امریکہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ اسلام قبول کررہی ہیں۔

امریکہ کی ایک نومسلم خواتین ''امینہ السلمی'' ہیں، جن کا تعلق ''کولوراڈو'' امریکی ریاست سے ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں سعودی عرب کے طالب علم کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ محترمہ اس وقت امریکہ میں ''عالمی اتحاد برائے مسلم خواتین'' کی سربراہ ہیں۔ دعوت وتبلیغ کا کام تسلسل کے ساتھ کررہی ہیں۔ امریکیوں کو مختلف اسلامی موضوعات پر لیکچر دینے کے لئے ہر وقت متحرک رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محترمہ کو موثر اسلوب خطابت سے نوازا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ انہیں

۳۰۰۰ ہزار اشخاص کے ذاتی خطوط موصول ہو چکے ہیں جن میں ان افراد نے ان کی تبلیغ کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا ہے۔

ایک اور خاتون سلمیٰ فرید مان نے قبول اسلام کے بعد ''ڈائیلاگ سوسائٹی فار ینگ مسلم جنریشن'' بنائی ہے۔ ریاست ورجینا اور دیگر ریاستوں میں جدید مسلم نسل کے ساتھ ان کا خصوصی رابطہ ہے۔

واشنگٹن کی امریکی یونیورسٹی کی ایک طالبہ نیکولا بالیوان ہیں۔ جنہوں نے قبول اسلام کے بعد جنوبی امریکہ کی لاطینی الاصل امریکی مسلم خواتین کے ساتھ مل کر ''لاطینی امریکی مسلم خواتین سوسائٹی'' قائم کی ہے۔ یہ سوسائٹی بنیادی طور پر ہسپانوی زبان بولنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کرتی ہے۔ یاد رہے کہ ہسپانوی زبان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی دوسری بڑی زبان ہے۔ امریکہ میں متعدد ایسی خواتین ہیں جنہوں نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی زندگیاں دعوت وتبلیغ اسلام کے لئے وقت کر دی ہیں اور امریکہ میں اسلام کے پھیلانے کے لئے مصروف عمل رہتی ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۶ء میں ایک لیکچر میں مسلم مبلغ وداعی (سابق امریکی اداکارہ) روفیل نابریز اور امینہ السلمی نے شرکت کی۔ اس لیکچر کا موضوع تھا ''تعداد ازواج'' محترمہ امینہ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا ''اسلام میں تعداد کا نظام مرد کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ عورت کے مفاد میں ہے۔ عام حالات مین ایک مرد کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شادی کے بغیر رہے تو اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اسی طرح بیوہ ہونے کی صورت میں عورت کے لئے اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کا فریضہ تنہا ادا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے، بلکہ خود اپنی گزر بسر کے لئے بھی وہ دوسروں کی دست نگر ہوتی ہے۔ اسے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اسلام نے دوسری شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔ گویا ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کا فائدہ عورتوں کو ہے۔'' روفیل نابریز نے اپنے لیکچر میں کہا۔ ''میں نے قرآن کریم میں جب غور وفکر کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے لئے ایک ہی بیوی بنائی تھی، لہذا شادی میں اصلی مثالی صورت یہی ہے کہ ایک خاوند کے لئے ایک بیوی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر یعنی عورتوں

# یورپ نے عورت کو کیا مقام دیا

آیئے تاریخی پس منظر میں دیکھتے ہیں کہ یورپ نے عورت کو کیا مقام دیا ہے۔
آج کی شہوت راں قوم یورپ کی عیاشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ''جاہلیۃ اولیٰ'' بھی اس سے شرما کر زیر زمین چھپ گئی۔ یورپ میں عورت پر کوئی پابندی نہیں، بلا روک ٹوک عریاں لباس میں سڑکوں، گلیوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں جاتی ہے، اپنی دلربا چال ڈھال سے راہ گیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، نوجوان لڑکوں، لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی جاتی ہے، نوجوانوں میں سیکس کی تعلیم عام ہے، تاکہ انہیں وقت سے پہلے آگاہی ہو جائے، کنواری لڑکیاں اپنے لئے بہت سے دوست بنا لیتی ہیں اور شادی شدہ خواتین اپنے خاوند کے حریف پیدا کر لیتی ہیں، تعلیم کے علاوہ دفاتر اور کاروباری امور میں ہاتھ بٹانے کے لئے خوبصورت لڑکیوں کو ملازمت دی جاتی ہے تاکہ نوجوانوں کا دل بہلتا رہے، یورپ کے چند حیا سوز حقائق ملاحظہ فرمائیں۔

یورپ میں جن ماؤں کو ناجائز بچوں کو جننے میں دشواریاں پیش آتی ہیں اس سلسلے کے ایک مشن کی ایک رپورٹ کے حوالہ سے نیویارک کا رسالہ ''میڈیکل کرانیک اینڈ گائیڈ وسی'' ۱۹۲۸ء میں لکھتا ہے کہ جس کا اقتباس ''فارورڈ'' کلکتہ میں شائع ہوا۔

## نوعمر طالبات زچہ خانوں میں

''آج سے بیس سال قبل ان زچہ خانوں کی آبادی پختہ عمر عورتوں سے قائم تھی جو ہر طرح سوچ سمجھ کر بدکاری کرتی تھیں لیکن اب صورتحال بدل گئی ہے اب ان زچہ خانوں میں بڑی تعداد میں نوعمر طالبات اور ان کم سن لڑکیوں کی آنے لگی ہے جن کے دن ماں بننے کے بجائے اسکول میں حاضری دینے کے ہوتے ہیں آخری اعداد کے بموجب ان کی تعداد ۴۲ فیصد ہے۔ ان لڑکیوں کی اوسط عمر ۱۶ سال ہے۔''

**گلف نیوز** ۴ اگست ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں برطانیہ کی وزیر زراعت *Atti* **IIA نامی کُتے** نے اپنا منہ منوا رہی ہے، کیا اسلام ایسی اجازت دیتا ہے ہرگز ہرگز نہیں

یورپ کا کلچر ہی ایسی بے ہودہ حرکات کرسکتا ہے، یورپ کی عورت چاہے کسی غیر مرد سے منہ چٹوائے یا کسی کتے سے یہ اس کی مرضی ہے۔ اس کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے، افسوس کہ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنا کر عزت دی مگر یورپ نے شمع محفل بنا کر غیر مردوں اور کتوں کے سامنے پیش کر دیا۔

ایک میم صاحبہ لکھتی ہیں ''۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک تین سال کے اندر لندن میں عصمت فروشی میں بیس ہزار عورتیں گرفتار ہوئی۔ یہ وہ احمق عورتیں جنھوں نے پولیس کو گرفتاری کا موقع دیا۔ ورنہ لاکھوں ایسی بھی ہیں جن کی عمریں اسی شغل میں گزر گئیں اور پولیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔'' انقلاب یکم جولائی ۱۹۲۸ء رسالہ ''محشر خیال'' جون ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں لندن کی باضابطہ لائسنس لے کر اعلانیہ بدکاری کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار شائع ہوئی ہے۔ گلاسکو شہر کے کالج میں پڑھنے والے طلباء کی اعانت کے لئے وہاں کی دوشیزاؤں نے اعلان کیا کہ ہم شاہراؤں اور سڑکوں پر چھ شلنگ میں اپنے بوسہ کو فروخت کریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سینکڑوں پونڈ ان نازنینوں کے بوس و کنار سے حاصل ہوئے۔

## ۲۸ گھنٹے کا بوسہ

اسی سال ۱۹۹۹ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یورپ میں ''ویلنٹائن ڈے'' کے موقع پر ایک مرد عورت نے ۲۸ گھنٹے مسلسل بوسے لے کر ریکارڈ قائم کیا۔ مسٹر جارج ایلن اینڈ الون اپنی کتاب ''تمدن'' میں لکھتا ہے ''عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لئے وقف ہیں۔''

## کیا یہ عورت کا مقام ہے؟

آج یورپ میں بین الاقوامی ''مقابلہ حسن'' منعقد ہوتے ہیں جس میں عریاں لباس (لباس کیا کپڑے کے چند چیتھڑے جنھوں نے بمشکل خاص مقامات کو چھپا رکھا ہوتا ہے) پہن کر جسم کی نمائش کی جاتی ہے، نوجوان خوبصورت لڑکیوں کو ماڈل بنا کر پیش کیا جاتا ہے، پھر ''ملکہ حسن'' کا انتخاب عمل میں آتا ہے، جس کی تعریف میں دنیا بھر کے

اخبارات شہ سرخیاں لگاتے ہیں، کیا یہ عورت کا مقام ہے؟ اس کی عزت خاک ہے؟ عورت کی غیرت وحمیت اور عزت وعصمت کی بولی لگائی جاتی ہے۔ یہ ہے یورپ کا کلچر کہ جس نے عورت کو مقام تو دیا لیکن صرف ٹشو پیپر جتنا، جسے استعمال کیا اور پھینک دیا۔

## عیاش عورت

ہمارے ایک دوست نے واقعہ بتایا کہ ایک جوان بڑا خوبصورت صحت مند توانا اور چہرے پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت سیاہ رنگ کی داڑھی جو کہ چہرے کی چمک کے ساتھ بہت ہی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ ایک سپر مارکیٹ گیا تو وہاں ایک کنواری عیاش طبع عورت ان کے پیچھے پڑگئی کہ مجھے آپ سے ایک بچہ چاہیئے، وہ حیران ہوئے کہ کیونکر ایسی بات کر رہی ہے یہ حال ہے یورپ کی خواتین کا کہ جن میں عزت وناموس کی کوئی شے نہیں ہے۔ اور آج کا احمق امریکی پروفیسر کہتا ہے کہ عورت کو مقام یورپ نے دیا اسلام نے نہیں۔ چراغ تلے اندھیرے والی بات ہے، اپنے دعویٰ ہم میں ثابت کر سکتے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے جو مقام اور عزت عورت کو عطاء کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اس کا ثانی نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کی عزت افزائی کا حکم دیا ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن مائی شیماں رضی اللہ عنہا اور حاتم طائی کی بیٹی کا واقعہ تفاسیر میں موجود ہے، ازدواجی زندگی میں عورت کو مہر کی ادائیگی کے بغیر مرد ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتا۔ اسلام نے عورت کو مارنے سے خاوند کو منع کیا ہے، کہ ایسی مار نہ مارو جس سے بظاہر کوئی زخم یا نشان پڑ جائے یا ہڈی ٹوٹ جائے عورت کی عزت کا محافظ و علمبردار صرف اسلام ہی ہے۔

## چراغ تلے اندھیرے

عورت کو اپنا بدن ڈھانپ کر اور دوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" ﴿القرآن سورۃ نور﴾ اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مار لیں۔ عورت نے اگر زیور پہن رکھا ہے تو اس کا مطلب نمود ونمائش نہیں کہ لوگوں کو دکھایا جائے، بلکہ اس زیور کو چھپانے کا حکم ہے،

تا کہ وہ فتنہ کا سبب نہ بن جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن"**

**﴿سورۃ نور﴾**

اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ اسلام نے عورت کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے، تا کہ کسی غیر محرم کی نظر سے نظر نہ مل جائے جس سے برائیاں جنم لے سکتی ہیں اور عورت کی عزت خاک میں مل سکتی ہے۔ عورت کی عزت کی حفاظت کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے "**وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن**" ﴿القرآن سورہ نور﴾ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اسلام نے عورت کی حفاظت کے لئے بے شمار قوانین بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر عورت دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں حاصل کر سکتی ہے۔ اسلام نے مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ کما کر لائے اور بیوی بچوں کو کھلائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے۔ عورت پر ذمہ داری صرف گھر کی ہے، گھر کو سنبھالنا، بچوں کی نگہداشت، خاوند کی فرمانبرداری اور اسلامی احکامات کی پابندی بھی شامل ہے۔ عورت کے خصوصی ایام میں یہود اپنی عورتوں کو گھر سے نکال دیتے ان کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے، لیکن اسلام نے عورت کو عزت دی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پورے احکامات نازل فرمائے۔ یہ تمام سہولتیں اگر اسے حاصل ہیں تو اسلام ہی کی بدولت ہیں اسلام نے عورت کو بازار کی نہیں بلکہ گھر کی زینت بنایا ہے۔ عورت کے لغوی معنی ہی پردہ کے ہیں (چھپی ہوئی) جب عورت پردہ نہیں کرے گی تو عورت عورت کہلانے کی حقدار نہیں ہے۔ پردہ ڈھال ہے گناہوں سے، ڈھال ہے برے لوگوں کی بری نظروں سے، ڈھال ہے شر پسندوں کی شرارتوں سے اور پردہ ڈھال ہے گندی ذہنیت والے (یورپ کے پروردہ) افراد سے۔ اسلام نے عورت کو پردہ نشین بنایا ہے۔ بہر حال پردہ کا مسئلہ جس طرح اپنی تحقیقی جہت میں مکمل اور مدلل ہے ایسے ہی اپنی الزامی اور دفاعی جہت میں مضبوط اور مستحکم ہے۔

# یورپ کے عیاش معاشرہ کی ایک جھلک

عورتوں کے سلسلے میں شریعت کا واضح اصول یہ ہے کہ بیوی کو نان ونفقہ دیں، اس کا حق زوجیت ادا کریں، بلاوجہ نہ ماریں نہ پیٹیں، نہ ڈانٹیں اور نہ جھڑکیں اگر کبھی اس سے کوئی فروگذاشت ہو جائے تو اس کو معاف کر دیں، ہمیشہ محبت اور پیار کی فضاء میں نفع ونقصان کو سمجھائیں ضابطے کی حد سے گزر کر رابطہ اتنا گہرا ہو کہ ایک جان دو قالب بن جائیں یکتائی اتنی ہو کہ معاملات میں دوری کا تصور نہ کر سکے۔

تا کس نہ گوید دیگرے من دیگرم تو دیگری

اولاد کے سامنے بیوی کا ایسا احترام کریں کہ اولاد اس سے احترام والدین کا درس حاصل کرے اسی احترام کے صلہ میں وہ اہلیہ محترمہ کے لقب سے سرفراز ہوئی۔ بیویوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی عزت کسی کے سامنے پیش نہ کریں اپنے مقام آرائش پر کسی کی نظر نہ پڑنے دیں شوہر کی جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت کریں اور اس کی خدمت میں دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

ایک دو اولاد کے بعد یہ رابطہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اہلیہ کے بغیر کسی کروٹ چین نہیں آتا، بازار میں سبزی خریدنے جاتا ہے تو میاں کی نظر انتخاب اسی سبزی پر پڑتی ہے جو بیوی کی من پسند ہے بچوں کے لئے وہ کپڑا خریدتا ہے جو اہلیہ چاہتی ہے، اولاد کی شادی وہیں ہوگی جہاں وہ پسند کرے گی۔ اس پر اتنا اعتماد ہو جاتا ہے کہ گھر سے باہر تو مرد کو اپنی جیب پر نظر رکھنی پڑتی ہے، مگر دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی اس کو قمیض ہی کا ہوش نہیں رہتا اہلیہ ہی روپے نکالتی ہے وہی حفاظت سے رکھتی ہے اور میاں کے باہر جاتے وقت وہی فخر سے روپے نکال کر دیتی ہے بینک اکاؤنٹ میں صرف مرد کا نام ہوتا ہے، لیکن بیوی کے اعتماد کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کو اپنی رقم سمجھتی ہے، اور کسی آن ووئی کا خطرہ نہیں گزرتا بہت کم سنا ہوگا کہ بیوی والد کی مالداری سے مالدار ہے البتہ یہ واقعہ ہے کہ وہ شوہر کی غریبی سے غریب اور اس کی مالداری سے اپنے آپ کو مالدار تصور کرتی ہے گھر کا پورا انتظام بچوں کی پرورش پر شادی بیاہ سے لے کر شوہر کے قیام وطعام تک کی

منتظمہ بیوی ہوتی ہے، اسی لئے اس کو گھر کی ملکہ کہتے ہیں یہ معزز نام شریعت ہی عورت کو عنایت کرتی ہے یورپ کی فضاء اس سے خالی ہے۔

شوہر کی محبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گھر والی کی طبیعت ناساز ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے، آہ و بکا کرتا ہے اور اس کی جدائی میں دنیا سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے، پھر وہ تیز تیز زندگی کا سفر طے کرنے لگتا ہے سن رسیدگی کے بعد اکثر دوسری شادی بھی نہیں کرتے اسی کے غم میں گھلتا ہے اور اسی کی تلاش میں قبر تک پہنچ جاتا ہے۔

## عورت کی آزادی کی آواز لگانے والے لوگ

مطلق آزادی کے پرستار اس سہانے رشتے کو عورتوں پر پابندی کا یا تشدد و سختی کا نام دیں تو ان کی مرضی ہے لیکن حقیقت میں میاں بیوی کے درمیان حاکم و محکوم کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں اور الفت و محبت کے اتھاہ سمندر میں ڈوب کر ایک دوسرے کے ہمدم و ہمراز بن جاتے ہیں اس مقام پر ایک بیوی کو جو اقتدار اور آزادی میسر ہوتی ہے شاید یورپ کی آزاد عورتیں اس کا تصور بھی نہیں کر پائیں گی۔

## یورپ میں آزادی کب اور کیسے؟

بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ پہلے انگلینڈ کی عورتیں شرمیلی اور پردہ پوش ہوا کرتی تھیں، وہ گھر کی چار دیواری میں رہ کر شوہر کی خدمت کرتیں اور اولاد کی پرورش کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں ممکن ہے بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا لفظ ڈکشنری میں ہو لیکن مستورات معاشرہ اس سے یکسر خالی تھے۔

جب جنگ عظیم ثانی میں بہت مرد مارے گئے اور کارخانے فیکٹریاں اور دوکانیں مردوں سے خالی ہو گئے تو حکومت نے خاتون کو اس کی جگہ سنبھالنے کی دعوت دی۔ عورتوں میں دینی پردہ نہیں تھا صرف رسمی اور رواجی پردہ تھا اس لئے پیسے کمانے کی ہوس اور خدمت وطن کے جذبے میں کام کو لبیک کہا اور یوں ہر جگہ عورتوں کی بھیڑ جمع ہو گئی بظاہر یہ اقدام بڑا قابل تحسین تھا کہ عورتوں نے وطن عزیز کو چار چاند لگانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور اس کے طفیل میں وہ خود کفیل بھی ہو گئیں اس طریقہ کار

سے مساوات کے پلڑے میں مکمل بیلنس بھی آ گیا۔ تجارت و ملازمت، فوج و پولیس، جہاز رانی اور شہسواری جس نقطہ پر چاہیں خاتون کوفٹ کر کے دادو تحسین حاصل کرلیں لیکن اس مساوات اور آزادی کے پردے میں کتنی خرافات پنہاں تھیں جو بعد میں عیاں ہوئیں اس کے چند نمونے پیش نظر ہیں۔

## عریانیت:

فیکٹریوں اور کارخانوں میں چستی کے ساتھ کام انجام دینے کے لئے عورتوں کو نیم آستین، چست اور چمکدار لباس پہننے کا حکم دیا جو اسکرٹ کبھی ٹخنے تک دراز ہوا کرتا تھا اس کو قطع برید کر کے گھٹنے تک لے آئے، اوڑھنی کو یہ کہہ کر اتروا دیا کہ اس کو بار بار سنبھالنے میں کام میں ہرج ہوتا ہے بال اس لئے سر سے کٹوا دیئے کہ اس میں کنگھی کرنے اور اس کے جوڑے باندھنے میں وقت ضائع ہوتا ہے، بال چھوٹے ہوں گے تو راستے میں کنگھی کرتے کرتے آفس میں حاضری ہو جائے گی۔ اس طرح بنت حوا کو اتنا ننگا کیا گیا کہ صرف ایک اسکرٹ میں اس کو سر بازار کھڑا کر دیا، شرم و حیا کی آمد پر آنکھوں پر رکھنے کیلئے ایک رومال بھی ہاتھ میں نہ چھوڑا۔ عورتوں نے بھی منتخب ہونے نظر انتخاب پڑنے یا منظور نظر ہونے کے لئے عجیب عجیب انداز میں جسم کی نمائش کی اور ایسی شوخ اداؤں سے ناظرین کا استقبال کیا کہ اہل خرد کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں اس وقت یہ عالم ہے کہ سردی کے تند جھونکوں میں ٹھٹرتی رہتی ہیں لیکن سر، بازو اور ٹانگوں پہ کپڑا نہیں لیتیں کہ لوگ اس سے کیا اثر لیں گے، لوگ برا سمجھیں گے۔

دیکھ رندان خوش انفاس کہاں تک پہنچے

## نافرمانی:

عورتیں پونڈ کما کر خود کفیل ہوئیں اب ان کو شوہر سے نان ونفقہ کی حاجت نہ رہی بلکہ بسا اوقات مردوں کو نان ونفقہ دینے لگیں اس لئے قدرتی طور پر مردوں کا رعب ودبدبہ ختم ہو گیا۔ اب وہ بارعب نہیں مرعوب ہیں، آمر نہیں مامور ہیں مرد عورت کے شکنجے میں پھنسے ہوئے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہے ہیں اب بیوی چستی اور تندہی سے شوہر کی خدمت نہیں کرتی بلکہ انداز گفتگو کا معیار یہ ہوتا ہے کہ میں آپ کی پارٹنر اور چند دنوں

کی مہمان ہوں، ضابطے کی خلاف ورزی پر کسی وقت بھی آپ کو الوداع کہہ سکتی ہوں۔ وہ ایسا کہتی ہی نہیں بلکہ ذرا سی انا کو کافی طول دیتی ہے اور معاملہ کورٹ تک پہنچا کر دم لیتی ہے شوہر کے لئے بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں (یورپ) کا کورٹ علیحدگی کے بعد ایسی عورت کو تمام بچے بھی حوالہ کرتا ہے اور عورت کو شوہر کی آدھی جائیداد کا بھی مالک بنا دیتا ہے، اس لئے عورت کتنی سرکش و نافرمان ہوتی ہے اور کس طرح زخموں کو کرید کرید کر انتقام لیتی ہے، یہ تو کسی مبتلا بہ شوہر ہی سے دریافت کریں، جامہ الفاظ اس کے لئے ناکافی ہیں۔

## فحاشی:

اگر معاشرہ کے حمام خانے میں ہر شخص ننگا ہو، عورت پر شوہر یا والدین کا کوئی رعب نہ ہو، پھر عورت نان ونفقہ میں بھی مردوں سے بے نیاز ہو تو بے حیائی اور فحاشی کا جو مظاہرہ ہوتا ہے اس سے اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ یہ اشرف المخلوقات کی اولاد ہیں یا کسی بے حیا جانور کے خمیر سے وجود میں آئی ہیں۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود دوستوں کی بانہوں میں جھولنا، بوسہ بازی کرنا اور اگر کچھ ڈرایا یا دھمکایا جائے تو ہتک عزت کا مجرم قرار دے کر جیل کی ہوا کھلا دینا یہاں کا معمول ہے مساوات کے علمبرداروں نے یہاں قانون پاس کروا رکھا ہے کہ لطف اندوزی خاتون کا ذاتی حق ہے اس لئے وہ جب چاہے اور جس پر چاہے خود کو نچھاور کردے شوہر کے لئے اس پر منع یا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

## بے اعتمادی:

مرد کی فطرت یہ ہے کہ جب تک اپنی بیوی کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ زندگی کی آخری سانس تک میرے ساتھ رہے گی میری عزت وآبرو، مال واولاد کی دل وجان سے حفاظت کرے گی، میری فرمانبرداری کرے گی اوران تمام سے بڑھ کر یہ کہ میرے حق زوجیت پر کسی کی دست درازی کو قبول نہ کرے گی اور اس پر کوئی آنچ آنے

نہیں دے گی، اس وقت تک وہ بیوی پر پورا اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اپنا مال ومتاع اس کے سپرد کرتا ہے، یورپ کی عورتیں گلی کے ہر موڑ کی شناسا ہوتی ہیں شرم وحیاء کے تو نام سی عبث ہے شادی سے پہلے ہی کتنے ہنی مون رچا چکی ہوتی ہیں، اس لئے ان عورتوں پر شوہر کیسے اعتماد کرسکتا ہے کہ یہ عزت وآبرو کی محافظ ہوں گی یا کسی وقت بے سہارا چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں گی۔ اس لئے یہاں کے جوڑوں میں کوئی اعتماد نہیں ہوتا۔ بیوی کا بینک اکاؤنٹ الگ ہوتا ہے اور شوہر کا الگ اور ایک دوسرے کی رقم کی خبر بھی نہیں ہوتی، یہ اپنی چائے الگ بناتی ہے اور وہ اپنی چائے الگ بناتا ہے، ٹرین کے لئے اپنے پیسے سے ٹکٹ خریدتی ہے اور وہ اپنی رقم سے ٹکٹ لیتا ہے، پھر بیوی اپنے محبوب کے ساتھ الگ بیٹھتی ہے اور شوہر اپنی معشوقہ کے ساتھ الگ گپ لڑاتا ہے (زوجین کے درمیان بلا کا یہ ربط وتعلق، خدا کی پناہ) زندگی میں بیوی بھی ہمدم وہمراز باوفا اور قابل اعتماد نہ ہو تو زندگی انتہائی بے کیف اور بدمزا ہو جاتی ہے جس کا تجربہ بارہا اس ملک میں ہوتا ہے۔

## کثرت طلاق:

اس ملک میں شادی سے پہلے مرد وعورت سالوں ایک دوسرے کو آزماتے ہیں، اس کے ساتھ ہنی مون مناتے ہیں، پھر رسمی شادی کرتے ہیں، لیکن آزادی کی گونا گوں بے راہ روی کی وجہ سے ہر چوتھی شادی طلاق کی زد میں ہوتی ہے۔ کثرت طلاق سے عاجز آکر لوگ شادی سے منہ موڑنے لگتے ہیں اور عموماً کسی گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز سے کام چلانے لگتے ہیں اور یہ بے حیائی یورپ میں کوئی معیوب نہیں ہے بلکہ کچھ لوگ تو اس خباثت کو تحسین نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔

## گھر کی ویرانی:

آپس کی بے اعتمادی اور کثرت طلاق کی وجہ سے ہر ایک گھر ویران ہو رہا ہے اولاد تو سترہ سال بعد بھاگ جاتی ہے اور والدین سے کبھی ملنے نہیں آتی، کبھی کسی تہوار پر ملنے آگئی تو یہ اس کی اخلاق مندی اور احسان مندی کا اعلیٰ نشان ہوگا۔ اس لئے گھر میں صرف میاں بیوی یا عاشق ومعشوق ہوتے ہیں بسا اوقات تنہا مرد یا تنہا عورت پوری بلڈنگ میں ہوتے ہیں اور عالم تنہائی میں سسکتی رہتی ہیں متعدد بار ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ

صاحب یا میم صاحب اللہ کے یہاں پہنچ گئے اور دو روز بعد لوگوں کو خبر ہوئی کہ ان کی لاش میں بدبو آ چکی ہے اس لئے اس بے کسی سے بچنے کے لئے عمر رسیدہ لوگ نرسنگ ہوم (بوڑھوں کے لئے تیمار داری کا گھر) میں پناہ لیتے ہیں جو ان کی خدمت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور وہیں ان کی لاش کو قبرستان تک پہنچا دیتے ہیں۔

## فیکٹریاں بھی بند ہو گئیں:

ان سارے خرافات کو اس لئے جنم دیا گیا کہ عورتیں مساوات کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کر سکیں، دونوں میاں بیوی کارخانوں میں کام کریں گے تو ان کی معاشی حالت بہتر سے بہتر ہو جائے گی گھر آباد ہو گا اور سکون وچین کے مزے لوٹیں گے لیکن عملی میدان میں معاملہ برعکس ہو گیا بینک کے سودی قرض تلے دب کر بہت سی فیکٹریاں اور دوکانیں بند ہو گئیں جو باقی رہیں ان میں مثلاً ایک ہزار مزدور کی کھپت تھی تو پانچ سو عورتوں نے ان جگہوں پر قبضہ کر لیا اور یہ پانچ سو امیدوار دم دبا کر گھر میں بیٹھ گئے۔ پہلے ہی بہت سے مردوں کو کام نہیں مل رہا تھا عورتوں کی پیش رفت نے اور بھی مردوں کو گھر پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ جن فیکٹریوں کو چلانے کے لئے عورتوں کو گھر سے نکالا تھا اور عریانیت، فحاشی اور بے اعتمادی اور گھر کی ویرانی کو جنم دیا تھا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انگلینڈ کی وہی فیکٹریاں آج بند ہو گئیں اور معاشی ترقی کے خواب دیکھنے والے بے کار ہو کر حکومت کے دست نگر بن گئے عورتیں بھی بے مہار ہوئیں گھر کا سکون بھی گیا اور کام و وسائل سے بھی محروم ہو گئے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

## عورتیں مردوں سے زیادہ پریشان ہیں:

تمام متاع عزیز کی قربانیوں کے بعد اور اس آزادی کے حصول کے بعد اگر عورتوں کو سکون نصیب ہو جاتا تب بھی کچھ نہ کچھ مکافات ہو جاتی لیکن بدقسمتی سے یہاں کی عورتیں مردوں سے زیادہ پریشان ہیں، کیونکہ اکثر انہیں کوئی قابل بھروسہ مرد نہیں ملتا، اس ماحول میں بہت کم شیر جگر مرد پیدا ہوتا ہے جو اس کی نازک ہتھیلی کو زندگی بھر کے لئے

سہارا دے راہ چلتے ان کے ساتھ عشق و دیوانگی کا مظاہرہ تو کر لیتے ہیں پھر ناک صاف کئے جانے والے کپڑوں کی طرح جب وہ گندا ہو جائے تو کسی کونے میں اس کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتے ہیں، عورت شریف ہو یا ذلیل، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل تقریباً ہر طبقے کا یہ حال ہے کہ وہ صبح اٹھتی ہے اور کاروبار زندگی کے ساتھ کسی ہمدم کی تلاش میں مردوں کا منہ تکتی رہتی ہے کہ شاید کسی موڑ پر کوئی قابل بھروسہ شریک زندگی مل جائے لیکن بہت کم خوش نصیب ہوتی ہیں جن کو کوئی زندگی بھر کا غم گسار ہاتھ آتا ہے اس لئے عام طور پر عورت بھی اتنی ہی بے چینی کی زندگی گزارتی ہے جتنی ایک مرد کے حصے میں آتی ہے۔ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔

# تحریک نسواں اور اسلام

## اسلام میں عورت کے حقوق اور مغرب کا نظریہ

''خواتین کی آزادی اور حقوق، مرد و زن کی مساوات، انسانی آبادی کی بہبود اور روشن خیال جدید تہذیب یہ سب ایسے نعرے ہیں جن کی آڑ لے کر دور حاضر میں شیطانی تہذیب عام کرنے والے افراد اور ادارے اپنا شر انگیز کام کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اس شیطانی تحریک کا سب سے مؤثر ذریعہ بن چکے ہیں جبکہ ہمارے قومی ذرائع ابلاغ اور اخبارات و جرائد بھی دانستہ یا نادانستہ اس عمل میں استعمال ہو رہے ہیں۔ شیطانی تہذیب کے فروغ کے لئے کام کرنے والوں کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کی نئی نسل اور خواتین ہیں۔ وہ انہیں گمراہ کر کے انسانیت کے لئے روشنی کی آخری کرن بھی ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

محترمہ ثریا بتول علوی کی زیر نظر کتاب فکری محاذ پر ان

تمام عوامل کا مؤثر جواب ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ہم یہ مضمون اس یقین کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں کہ یہ خواتین کو قرآن وسنت اور واقعات کے تناظر میں ان کی حیثیت اور حقوق کا مکمل شعور بھی فراہم اور دور حاضر میں ان کی لازمی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کرے گا۔ ہم ان تمام افراد سے پرزور اپیل کریں گے کہ وہ حقوق نسواں کے نام پر ''بربادی نسواں'' کے لئے کام کرنے والوں کے عزائم ناکام بنانے کے لئے اس مضمون کو گھر گھر پہنچانے میں ہر ممکن تعاون کریں۔ بالخصوص یہ کتاب ان خواتین تک پہنچانے کی ضرورت ہے جو بدقسمتی سے جدید تحریک نسواں کی گمراہی کا شکار ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔''

## یورپ میں عورت مرد کے مساوی

پھر اسی ''منشور جذبات'' میں طے کردہ ایجنڈے کے مطابق انہوں نے اپنی جد وجہد، قراردادوں اور مظاہروں کی شکل میں جاری رکھی جس کے نتیجے میں اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا سانحہ پیش آیا۔ ان میں بہت سے مرد ہلاک ہو گئے۔ مردوں کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہونے سے عورتوں کو گھروں سے نکل کر باہر کام کرنے کے بہت زیادہ مواقع مل گئے، ان میں مزید خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اسی دور سے ان کو وقتاً فوقتاً کچھ حقوق ملنے لگے اور اس تحریک میں بھی بہت تیزی پیدا ہوئی۔ بالآخر عورتوں کو ووٹ دینے کا حق مل گیا۔ امریکہ میں یہ حق ۱۹۲۰ء میں، برطانیہ میں ۱۹۱۸ء میں، سوئٹزرلینڈ میں ۱۹۱۷ء میں اور فرانس میں ۱۹۴۶ء میں عورت کو ووٹ دینے کا حق مل گیا، جبکہ یو این او کی طرف سے یہ حق خواتین کو ۱۹۵۲ء میں ملا۔

اب انہیں ذاتی ملکیت رکھنے کا حق بھی مل گیا، جنس کی بناء پر مرد وعورت کا امتیازی سلوک ممنوع قرار پایا۔ عورتوں کے لئے مردوں کے مساوی قوانین بنے اور

یکساں حقوق بھی تسلیم کئے گئے، عورت کو طلاق دینے کا حق بھی مل گیا۔

اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں بھی کامیاب ہوگئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو ۱۹۷۰ء میں اسے مل گیا۔

یو این او نے مرد اور عورت کے حقوق یکساں بنانے کے لئے ابتدا ہی میں ایک باقاعدہ کمیشن تشکیل دیا تھا، یہ کمیشن خواتین کی حیثیت کا جائزہ لینے اور ان کے حقوق کو تقویت دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

اس کمیشن نے ۳۰ سال کام کرنے کے بعد ایک دستاویز تیار کی جس کا نام CEDAW DOCUMENT CONVENTAION OF U.N.O. OF THE ELIMINATION OF ALL KINDS OF DISCRIMINATION AGAINST WOMEN یعنی ''خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف یو این او کا کنونشن اس، سی ڈا'' کی دستاویز کو ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تسلیم کیا۔ ۱۹۸۱ء میں یو این او کے بیس ممالک نے اس دستاویز پر رضامندی اختیار کی، جبکہ اس کنونشن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر یو این او کے ایک سو ممالک اس پر دستخط کر چکے تھے، جن میں دس مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ کمیشن نے خواتین سے ہر قسم کے امتیازات کے لئے آواز اٹھائی۔ ہر پہلو سے مرد و عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لئے تجویزیں اور سفارشات پیش کیں، کنونشن اپنے تمام ممبر ممالک پر زور دیتا ہے کہ وہ قانون سازی کے ذریعے مردوں و عورتوں کا ہر قسم کا امتیاز ختم کریں تعلیم، سیاست، ملازمت، معاشی و اخلاقی اور معاشرتی غرض ہر میدان میں عورت برابر کے حقوق کی مستحق ہے۔ اس دستاویز کی کل ۳۰ دفعات (۴) دفعات میں پہلی سولہ تو اپنے اپنے ملک میں دونوں کے عمل کرنے والی کمیٹی تشکیل دینے کے بارے میں ہیں، جو کنونشن پر عمل کی رفتار کا جائزہ لیتی ہے۔ ستمبر ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں یو این او کی طرف سے ''بہبود آبادی کانفرنس'' کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ممبر ممالک (خصوصی نشانہ مسلم ممالک تھے) میں جنسی بے راہ روی اور کنڈوم کلچر رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعد ازاں ستمبر ۱۹۹۵ء میں

بیجنگ میں خواتین کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جو یو این او کی طرف سے خواتین کی چوتھی بڑی عالمی کانفرنس تھی۔ مندرجہ بالا ''سی ڈا'' کی دستاویز کی روشنی میں اس کانفرنس کا ایجنڈا تیار ہوا تھا، جس میں تقریباً دنیا کے دو سو ملکوں کے پچاس ہزار نمائندے شامل ہوئے، تیس ہزار کے قریب سرکاری جبکہ بیس ہزار کے قریب این جی اوز (یعنی غیر سرکاری تنظیمیں) اس کانفرنس کے ایجنڈے کا نام ''بیجنگ ڈرافٹ'' تھا ۱۲۱ صفحات پر مشتمل اس بیجنگ ڈرافٹ کی چیدہ چیدہ دفعات درج ذیل ہیں۔

1 ...... مرد و عورت میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔

2 ...... عورت کے روایتی کرداری (یعنی بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو اس ڈرافٹ میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

3 ...... اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ %50 عورتوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔

4 ...... معاشرے کے ڈھانچے کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ مرد و عورت میں برابری وجود میں آسکے۔

5 ملازمتوں میں %50 کوٹہ عورتوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔

6 بچے پیدا کرنے کا حق عورت کو ملنا چاہیئے۔ یعنی اس پر خاوند یا کسی اور کا دباؤ نہ ہو، اپنی مرضی و اختیار ہو، چاہے تو بچے کو جنم دے اور چاہے تو نہ دے۔

7 اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق عورت کے پاس ہونا چاہیئے۔

8 عورتوں کو بھی ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے، اسی طرح جسم فروشی کی بھی قانونی اجازت ہونی چاہیئے۔

9 اس ڈرافٹ میں شادی نکاح وغیرہ کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

10 اس میں بنیاد پرستی پر بھی تنقید کی گئی ہے، اسی طرح خود مذہب پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

یہ یو این اے کے پلیٹ فارم سے منعقد ہونے والا سب سے بڑا خواتین کا اجتماع تھا۔ گویا مردوں کی مخالفت کرتے کرتے عورتیں اس انتہا کو پہنچ گئی ہیں جس کو تذلیل انسانیت کہنا زیادہ موزوں ہے، غور طلب امر یہ ہے کہ یہ نکات پیش کرنے والی

خواتین زیادہ تر وہ ہیں جو گھریلو سکون سے محروم ہیں، خود کیتھولک عیسائیوں نے، پاپائے روم نے بلکہ مغرب کی بیشتر خواتین نے بھی بیجنگ کانفرنس کے بیشتر مطالبات کو غیر معقول قرار دیا۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین بھی اس میں شامل ہوئیں۔ البتہ سویڈن اور ایران کی خواتین نے اس حیا باختہ ایجنڈے کی مخالفت کی، سعودی عرب نے اس میں شرکت ہی نہیں کی، مگر پاکستان کی وزیر اعظم اس کی چیئر پرسن بنیں اور پاکستان کی طرف سے اس ننگ نسواں ایجنڈے پر دستخط کر دیئے، غور کیا جائے تو اس کانفرنس کے اثرات بہت زیادہ دور رس اور تباہ کن ہیں۔

گویا مختصراً اس کانفرنس کے دو نکات تھے، اب عورت کو ماں بننے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر بے راہ روی کے دوران میں وہ حاملہ ہو جائے تو حمل ضائع کرانا اس کا قانونی حق ہو، جرم نہ سمجھا جائے۔

## نظریہ مساوات مرد وزن کے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ مساوات مرد وزن کا نظریہ ایک دھوکہ اور ایک فریب ہے، جس کی عملی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں، فطری روش چھوڑ کر مصنوعی طریقے اپنانے سے انسان بے شمار دنیوی اور اخروی نقصانات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خسر الدنیا ولاخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے مغرب میں عورت کی موجودہ حالت زار بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

### (۱) خاندانی نظام کی تباہی:

عورت اور مرد دوش بدوش کام کر رہے ہیں، مگر گھر اب خالی ہو گئے ہیں، بچے ماؤں سے، شوہر بیویوں سے اور گھر گھر والیوں سے محروم ہو گئے۔ بیمار اور بوڑھے کسی ہمدرد اور غمخوار کو ترس گئے ہیں، خاندانی نظام مکمل طور پر الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ افراد خانہ کے اندر محبت والفت کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور انسان اس سکون سے محروم ہو گیا جو صرف خاندان ہی فراہم کر سکتا ہے، خاندان کا ٹوٹنا دراصل پورے معاشرے کا درہم برہم ہونا ہے، یہ اتنا بڑا خسارہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اسے زیادہ دن تک برداشت نہیں کر سکتا۔

## (۲) جنسی بے راہ روی:

گھر کے سکون کو لات مار کر عورت گھر سے جو نکلی تو گھر سے باہر ہزاروں ہوسناک نگاہوں کا شکار ہوئی، مرد و عورت کے آزادانہ اور بے باکانہ اختلاط کی وجہ سے جنسی آزادی کا رجحان عام ہو گیا، بدکاری عام ہو گئی پھر ایسی ننگی اور بے حیاء تہذیب نے جنم لیا کہ شرم و حیاء اور شرافت کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ تعلیمی اداروں میں بھی یہ بے راہ روی حد سے بڑھ گئی۔ امریکہ کے جج ''لنڈ سے'' نے ایک جائزہ کے بعد رپورٹ دی کہ ''ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے اور کم از کم اسکول کی 45% طالبات ان تجربات سے گزر چکی ہوتی ہیں۔

اپنی فطری کمزوریوں کے باعث عورت دفتروں اور کارخانوں میں مردوں جتنا کام کر سکی نہ ان کے برابر معاوضہ پا سکی، مگر اپنے ہر باس کی جنسی تسکین کے لئے کھلونا ضرور بنی، مانع حمل ادویات استعمال کرنے کے باوجود اپنی فطری ذمہ داریوں سے چھٹکارا نہ پا سکی۔ ناجائز بچوں کی کثرت ہونے لگی، پھر ان ناجائز بچوں کو پالنا بھی تنہا عورت کی ذمہ داری قرار پائی، لہٰذا عورتوں نے اسقاط حمل کا راستہ اختیار کیا، بارہ برس سے بھی کم عمر بچیاں خود اپنے گھروں میں اپنے باپ دادا، بھائی کی ہوسناک کا شکار ہو رہی ہیں، کنواری ماؤں کا مسئلہ بڑا گھمبیر ہو گیا ہے، عصمت و عفت کے آبگینے اس طرح چور چور ہو رہے ہیں کہ 14 یا 15 برس کی عمر تک شاید ہی کوئی لڑکی کنواری رہ جاتی ہو، لہٰذا اسقاط حمل قانوناً جائز قرار دے دیا گیا ہے، مغرب میں زنا بالجبر کے واقعات اتنے زیادہ رونما ہو رہے ہیں کہ لڑکا پہلی ملاقات میں لڑکی کو Date دے دیتا ہے، پھر مقررہ تاریخ کو جب دونوں ملتے ہیں تو لازمی نتیجہ زنا بالرضا و گرنہ زنا بالجبر ہوتا ہے اور زنا کے 75 % واقعات زنا بالجبر ہی ہوتے ہیں۔ یہ جنسی تشدد اور بدکاری مرد و عورت کے ہر جگہ مساوی اور پہلو بہ پہلو بیٹھنے کا نتیجہ ہی تو ہے۔ زنا بالجبر کے خلاف لڑکی عدالت میں چلی بھی جائے تو مرد جج عموماً مردوں ہی کی حمایت کرتے ہیں، لہٰذا عملاً سزا نہ مل سکنے کی وجہ سے عورتوں کو مجبوراً شکار بننا ہی پڑتا ہے۔

## (۳) ناجائز بچوں کی کثرت:

وہاں اسقاط حمل جائز قرار پانے کے باوجود ناجائز اور غیر قانونی بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، مغربی بچوں کی کم از کم 30% تعداد غیر قانونی بچوں کی ہے اور یہ بچے تنہا عورت یعنی کنواری ماں کا دردِ سر ہیں، یہی صورتحال فرانس میں ہے کہ اس کا ہر پانچواں بچہ ناجائز ہے جبکہ برطانیہ میں ہر چوتھا بچہ غیر قانونی ہے۔ اب ناجائز اور جائز بچوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، بلکہ ایسے قوانین بنا دیئے گئے ہیں کہ کنواری ماؤں کو پورا تحفظ حاصل ہو۔

## (۴) طلاق کی کثرت:

مساوات مرد و زن کے نتیجے میں وہاں طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی ہے، عورت نے بھی طلاق دینے کا حق حاصل کر لیا ہے۔ اب وہاں معمولی معمولی باتوں پر دونوں میں جدائی ہو جاتی ہے، ازدواجی زندگی ویسے ہی محبت، خلوص اور باہمی اعتماد سے عاری ہے، لہٰذا ہر تیسری شادی کا انجام طلاق کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ پھر طلاق کے نتیجے میں بھی عورت کو اپنا اور بچے، دونوں کا خرچہ خود ہی اٹھانا پڑتا ہے، اگرچہ قانوناً مرد کو طلاق کے بعد عورت کو تامع نفقہ دینا چاہیئے، مگر وہ معاشرہ جو عام حالات میں عورت کو خود کمانے پر مجبور کرتا ہے، تو طلاق کی صورت میں وہاں اس کی دادرسی کیسے کر سکے گا؟؟

# دنیا کے مذاہب میں خواتین کا مقام اور خواتین کو اسلام نے کیا کیا دیا

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)

قوانین اسلام میں عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہو سکے گا جب اسلام کے علاوہ دیگر مذہبی، ملکی، قومی، قوانین سے آگہی ہو۔ اور دونوں کے درمیان موازنہ کیا جائے جیسا کہ روشنی کی صحیح قدر اسے ہی ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے جسے تاریکی سے واسطہ پڑا ہو۔ یا غذا کی افادیت کا اندازہ حقیقتاً وہی صحیح لگا سکتا

ہے جو بھوک اور فاقہ کا شکار رہا ہو۔ اس لئے پہلے ہلکی سی جھلک غیر اسلامی نظام وقوانین کی دکھانا نیز جاہلیت کے ان طریقوں کا ذکر کرنا مناسب لگتا ہے جو صنفِ نازک کے بارے میں دنیا بھر میں رائج ہیں۔

## رومن لأ:

ہم یہاں سب سے پہلے رومن لأ کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جسے عام طور پر قوانین کا جنم داتا اور انسانیت کا رکھوالا، انصاف کا نمائندہ باور کرایا جاتا ہے اور جو عرصہ دراز تک سارے مغرب میں اور خاص طور پر یورپ میں دستوری حکمرانی کرتا رہا ہے اس لأ میں کنبہ کے سربراہ کو کنبہ کے بقیہ افراد پر خواہ وہ بیوی ہو یا بہو، بیٹے بیٹی ہوں یا پوتے پوتی، خرید فروخت کرنے، ہر طرح کی ایذئیں دینے حتیٰ کہ قتل کرنے کا اختیار تھا، نیز بیوی کو ترکہ سے محروم رکھنے کا بھی اسے حق حاصل تھا لڑکیاں حق ملک نہیں رکھتی تھیں اور اپنے باپ کے ترکہ سے بھی محروم ہوتی تھیں۔ دیکھئے

(المرأة بين الفقه و القانون ص ۱۵۔۱۶) (طبقہ رابعہ از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اور التركة و الميراث في الاسلام ص ۴۰ تا ۵۴، از ڈاکٹر محمد یوسف مصری، المطبعة المعرفة)

## یونانی قانون:

یونانی قانون میں مورث کی حیثیت معمولی سامان کی سی تھی، جس کی بازار میں آزادانہ خرید وفروخت ہوتی، اسے نہ شہری حقوق حاصل تھے نہ آزادی، میراث بھی نہیں دی جاتی تھی، اسے ناپاک سمجھا جاتا تھا، پوری زندگی وہ کسی نہ کسی مرد کے شکنجہ میں گرفتار رہتی، شادی سے قبل سرپرست کے اور شادی کے بعد شوہر کے پنجہ استبداد میں رہتی نہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی تھی نہ جان میں، باپ اپنی بیٹی کو فروخت کرتا تھا، اور ہونے والا شوہر اسے خریدتا تھا اس کے بعد اسے (شوہر کو) پورا اختیار ہوتا تھا کہ اسے چاہے اپنی زوجیت میں رکھے یا کسی اور کو سونپ دے۔

(محمد حرية الزوجين، ص ۱۲۷ از ڈاکٹر عبدالرحمٰن صابونی نیز المرآة بين الفقه و القانون ص ۱۳)

## مسیحی مذہب:

جسے دنیا کے مہذب ترین کہلانے والے ملکوں میں سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے ان کا حال اور اس کا ریکارڈ تو عورت کے بارے میں سب سے زیادہ گیا گزرا ہے اس بارے میں غیر عیسائیوں نے نہیں خود عیسائی نے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ عبرت کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً ایک عیسائی انگریز فلسفی ہربرٹ سپنسر کہتا ہے ''گیارہویں اور پندرہویں صدی (بعثت محمد کے کوئی آٹھ سو سال بعد تک) انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں۔ عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو دوسرے کو جتنی مدت کے لئے چاہے عاریۃً بھی دے سکتا ہے۔ ان سب سے زیادہ شرمناک رواج یہ تھا (جسے ایک طرح سے قانون کا سا درجہ حاصل تھا) کسی کسان کی نئی نویلی دلہن کو مذہبی پیشوا یا حاکم کو چوبیس گھنٹے اپنے تصرف میں رکھنے اور اس کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل تھا''۔ (المر[illegible]ۃ بین الفقہ والقانون ص ۲۱۱)

اور تو اور سولہویں صدی (۱۵۶۰ء) میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک ہزار سال بعد اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورت کو کسی بھی چیز پر ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور ان سب سے زیادہ تعجب خیز انگلستان کی پارلیمنٹ نے قانون پاس کیا جس میں عورت کے لئے انجیل پڑھنا حرام قرار دیا۔ (المرأۃ بین الفقہ و القانون ص ۲۱۱)

## یہودی مذہب:

موجودہ یہودی مذہب (جو ظاہر ہے کہ محرف شکل میں ہے) میں عورتوں ترکہ کا استحقاق قطعاً نہیں رکھتیں تھیں چاہے بیوی ہو، بیٹی ہو یا ماں، بہن البتہ بڑا لڑکا چھوٹے کے مقابلہ میں دوہرا حصہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے پاتا۔

(الترکۃ والمیراث ص ۱۴-۴۲)

## ہندو دھرم:

ہم سب سے پہلے (Encyclopidia of Religon & Etaies) کے حوالہ سے ہندومت میں عورت کے حقوق وغیرہ کے بارے میں جو ملتا ہے اس کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں بعد ازاں خود ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے اس موضوع پر تفصیلات پیش کریں گے۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مذکورہ کتاب (اخلاق و مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) دنیا بھر میں معتبر تسلیم کی جاتی ہے اس کا مقالہ نگار لکھتا ہے ''سمرتی (ہندو مذہب کی معتبر کتاب) میں آٹھ قسم کی شادیوں کو تسلیم کیا گیا ہے ان میں ایک قسم کا نام ''اسورا'' ہے یہ طریقہ جنگجو اور پچھلی ذات کے لوگوں میں رائج تھا جس میں عورت کو خریدا جاتا تھا اسی طرح (نکاح کی) ایک قسم کا نام راکشش ہے جس میں عورت پر زبردستی قبضہ کرلیا جاتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا ج ۸، ص ۴۵۱۔۴۵۲)

ہندو مذہب میں شادہ (دواہ) کے علاوہ بھی ایک اور عقد جائز تسلیم کیا گیا جسے ''نیوگ'' کہتے ہیں، اس میں شادی شدہ عورت سے بھی دوسرا شخص کچھ مدت کے لئے نکاح کرسکتا ہے۔ اس طریقے سے پیدا ہونے والی اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے اور یہ دوسرے قسم کا نکاح (نیوگ) دس مردوں سے بھی ہوسکتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سوامی دیانند سرسوتی کی لیکچروں کا مجموعہ (''اپدیش منجری'' ص ۱۰۷، از سوامی دیانند سرسوتی، شائع کردہ سیکریٹری آریہ منڈل کیرانہ ضلع مظفر نگر)

واضح رہے کہ ایک مشہور یورپین مصنف جان ڈی مین نے ''قانون رواج ہنود'' نامی کتاب میں ''نیوگ'' کی یہ تعریف کی ہے، دوسرے کی زوجہ سے بچہ جنانے کا عام رواج ''نیوگ'' کے نام سے موسوم تھا۔

(قانون رواج ہنود ج ۱۰ ص ۱۰۶ ترجمہ از مولوی اکبر علی بی اے آنرز شائع کردہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، ۱۹۴۱ء)

## اسلام نے خواتین کو کیا دیا؟

اب آپ دیکھیں! کہ اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کے لئے کیسی کیسی شرعی قوانین میں رعایتیں دی گئیں ہیں عورت کے بارے میں قرآن مجید کی سورۂ

نساء آیت نمبرا میں انسانیت کی مساوات کا: خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها" کے الفاظ میں صاف اعلان کر دیا گیا کہ عورت اور مرد دونوں ایک ہی نفس سے پیدا شدہ ہیں اس لئے دونوں ہم جنس ہیں ایسا نہیں کہ عورت کسی اور جنس سے ہو۔ (مثلاً حیوان ہو) اور مرد دوسری جنس سے، بلکہ دونوں ہی انسانیت کے رشتہ سے برابر ہے۔ یعنی جو شخص لڑکیوں کی بہترین طریقہ پر سرپرستی کرے (تربیت دے) اور اچھا برتاؤ کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

عاشروھن بالمعروف (عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو) اور حدیث میں فرمایا" استوصوابا لنساء خیراً (عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے میں میری صلاح مانو) بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت دی کہ عورتوں سے اگر کوئی تکلیف بھی پہنچے تو یہ خیال کر کے کہ ان میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں طرح دے جاؤ) ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے فرمایا"اکمل المؤمنین ایمانا أحسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم" (ترمذی جلد:اص ۱۳۸)

''ایمان کامل اس شخص کا ہے جو خوش اخلاقی میں ممتاز ہو اور تم سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے لئے اچھا ہو۔''

## عورتوں کے اخراجات

عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے اس کے ساتھ عزت واحترام کا بلکہ دلجوئی کا معاملہ کرنے کا حکم اس کی صنفی نزاکت کے لحاظ ورعایت کی بناء پر ہی ہے کیونکہ نازک چیز کی رعایت ہوتی ہے۔ ایک حدیث صحیح میں انہیں قواریر (آبگینہ) فرما کر ان کی نزاکت کا اعتراف آخری درجہ میں کیا گیا ہے۔

اس بنیاد پر اسے کسب معاش کی مشقتوں سے بچایا گیا۔ اور اس کا نفقہ کسی نہ کسی مرد کے ذمہ کر دیا گیا۔ شادی سے قبل والد پر، والد نہ ہونے یا اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں حسب اصول وراثت دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ پر، شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علیحدگی کے شکل میں عدت کے

درمیان کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ، شیر خوار بچہ کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی جب تک بچہ کا ماں کا دودھ پیتا رہے ان کے اخرجات شوہر کے ذمہ لازم ہیں۔

## عورت کے اختیارات

اوپر کی تفصیلات سے اسلام میں عورت کے عزت واحترام نیز حقوق کا اندازہ کرلینا مشکل نہ رہا ہوگا، اس کے بعد اب ایک جھلک ہم اس کے اختیارات کی دکھاتے ہیں، عورت بالغ ہونے کے بعد (مرد ہی کی طرح) اپنے جان و مال، نکاح، مالی لین دین وغیرہ کے بارے میں قانون شریعت کے لحاظ سے پوری طرح مختار ہوتی ہے، اپنے مال کی پوری طرح مالک ہوتی ہے جس طرح مرد، کہ جہاں چاہے اور جتنا چاہے خرچ کرے۔

## عورت کا ترکہ میں شرعی استحقاق

گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب، ملک اور قوم نے عورت کو ترکہ کا مستحق نہیں قرار دیا ہے، لیکن دین اسلام نے بالکل مرد ہی کی طرح عورت کو بھی ترکہ کا مستحق بنایا ہے اور بارے میں صنف عمر اور نمبر کا فرق بھی نہیں کیا (مثلاً پہلی ہی اولاد کو ترکہ ملتا یا نرینہ کو ہی ملتا بقیہ کو نہ ملتا) کیونکہ جب سب استحقاق میں سب اولاد برابر ہے تو اس کی بنیاد پر ملنے والے حق میں فرق کیوں ہو۔

## اسلام کا نظام وراثت

اسلام نظامِ وراثت کی بنیاد، جیسا کہ امام غزالیؒ (ص ۵۰۵) نے بتایا ہے نسب اور سبب پر ہے۔ (الوجیز ج اص ۲۶۰ مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مطبعۃ الاداب) اس نظام کی رو سے عورتوں میں ماں، بیٹی، بیوی، کسی حال میں ترکہ سے محروم نہیں رہ سکتیں ان کے علاوہ و بہت سی صورتوں میں پوتی، دادی، نانی، بہن (ان کی تینوں قسمیں حقیقی، علاتی، اخیافی) بلکہ بعض صورتوں میں پھوپھی نوسی بھی ترکہ پانے کی مستحق ہوتی ہیں۔ (تفصیلات کتب فرائض مثلاً سراجی میں دیکھی جائیں)

# حجاب رحمت یا زحمت؟

فرانس جسے تہذیب وتمدن اور آرٹ کے حوالہ سے ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمانان عالم کو کوئی اچھی خبر دینے سے قاصر ہے، چند دن ہوئے یہ خبر موصول ہوئی کہ چار مسلمان لڑکیوں کو صرف اس جرم میں اسکول سے نکال دیا گیا کہ وہ باحجاب اسکول آیا کرتی تھیں۔ اس سے قبل اس واقعہ کا بھی چرچا رہا کہ ایک مسلمان طالبہ کو سر پر اسکارف رکھنے کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے سے محروم کردیا گیا۔ اپنے اس اقدام کو جائز ثابت کرنے کے لئے دانشمندان فرنگ اب یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ فرانس ایک اجنبی ثقافتی یلغار کا شکار ہورہا ہے اور ان چار طالبات کو اسکول سے خارج کرکے نپولین اور ڈیگال کے عظیم ملک کو ایک بہت بڑے خطرے سے بچایا جاسکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر اکثریت اقلیت کے مذہب یا کلچر سے اس درجہ خائف کیوں ہے؟ حالانکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ اقلیت اگر جاندار نہ ہو دھیرے دھیرے اکثریت میں ضم ہوجاتی ہے اور ختم ہوجاتی ہے۔ اور گر ضم نہ بھی ہو تب بھی وہ اکثریت کے لئے اس حد تک خطرناک ثابت نہیں ہوسکتی کہ اس کا کلچر تک بدل ڈالے۔ صاف ظاہر ہے کہ اہل فرانس ایسے کسی خطرے سے دوچار نہیں ہیں، اصل بات یہ ہے کہ صلیبی دور کے آغاز سے اہل مغرب نے جس اسلام دشمنی کو اپنے سینوں میں پال رکھا ہے، اس کا اظہار کبھی مسلمان بچیوں کے اسکارف اتروا کر اور کبھی سلمان رشدی جیسے دشمنِ اسلام کی پیٹھ تھپتھپا کر۔

اہل مغرب اگر ذرا سا بھی بصیرت سے کام لیں اور دل ودماغ کی یکسوئی کے ساتھ صرف ''حجاب'' ہی کے موضوع کو اچھی طرح پرکھیں تو یہ حقیقت آشکار ہوجائے گی کہ حجاب ان کے اپنے معاشرے کے لئے باعث رحمت ثابت ہوسکتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مغربی معاشرہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس بے مثال ترقی کے باوجود سوشل میدان میں اس وقت تک لاتعداد مسائل سے دوچار ہے۔ ایک پرسکون عائلی زندگی، اہل مغرب کے لئے خواب وخیال ہوچکی ہے، طلاقوں کی بھرمار ہے، میاں بیوی کی ایک دوسرے سے بیوفائی کے قصے زبان زدعام ہیں، چاہے مزدور ہو، یا سفید پوش کلرک، فقیر ہو یا شہزادہ، اس حمام میں بیشتر لوگ بے لباس نظر آتے ہیں۔ عورتوں سے

زیادتی کے واقعات اس کثرت سے پیش آ رہے ہیں کہ اخبارات بھی ایسی تمام خبروں کو شائع کرنے کے متحمل نہیں رہے چاہے ایک ننھے معصوم جیمز بلجر کا سفا کانہ قتل ہو یا ایک ستر سالہ بڑھیا کا، دونوں کے پیچھے ایک خودغرض ماں باپ یا بے حس مجرمانہ ذہن کام کر رہا ہوگا۔ عورت اپنی ساری جدت طرازی اور ماڈرن اداؤں کے باوجود اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ پچھلے دنوں یہ تجویز اخبارات کی زینت بن چکی ہے کہ رات کے وقت اکیلی عورتوں کے لئے علیحدہ بسوں کا انتظام ہونا چاہیئے، لیکن کیوں؟

کیا بھیڑیوں اور درندوں کا خوف ہے؟ نہیں! جہاں مردوں میں ایک شفیق باپ، ایک وفادار شوہر، ایک خدمت گذار بیٹا اور ایک باغیرت بھائی ہوسکتا ہے وہاں انسانوں کے روپ میں ایسے بھیڑیوں اور درندوں کی کمی نہیں جن کی نگاہیں ہوس سے بھرپور، جن کے دل سفلی خواہشات سے لبریز اور جن کا انگ انگ فحاشی کا دلدادہ ہے۔ ان کے لئے نہ کوئی ماں ہے، نہ کوئی بہن اور نہ کوئی بیٹی۔ اور جب کوئی عورت اپنے نسوانی حسن کو آرائش وزیبائش سے دوآتشہ کئے ہوئے ہو، اور اپنے جسم کے پرکشش اعضاء کی برہنہ نمائش کر رہی ہو تو ہوس کے تیروں کو اپنا نشانہ تلاش کرنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی اور پھر مرد وزن کا بے محابا اختلاط، جنسی تعلقات کی بے قید آزادی جہاں ناجائز بچوں کی بھرمار کا موجب ہوتی ہے وہاں کئی خواتین کی عصمتوں کو تار تار اور ایسے ایسے جنسی امراض خبیثہ کو اپنے پیچھے چھوڑے جاتی ہے کہ جو پوری نسل کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اسلام نے حجاب کی شکل میں عورتوں کو اپنا علیحدہ تشخص عطا کیا، انہیں اپنے مستقل وجود کا احساس دلایا، مردوں کی ہوس کا اسیر ہونے سے بچایا، بلکہ وہ ہتھیار عطا فرمایا کہ جو ان کے تحفظ کا ضامن ہے۔ قرآن کریم میں جہاں مسلمان عورتوں کو گھر سے باہر جاتے وقت اپنی چادروں کو اپنے اوپر اوڑھ لینے کا حکم دیا ہے وہاں اس حقیقت کی طرف واضح طور پر اشارہ کر دیا ہے، فرمایا:

"یا ایھا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن، ذلک ادنی ان یعرفن فلایؤذین و کان اللہ غفوراً رحیماً۔

"اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور ایمان والوں کی

عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر کے پلو لٹکا لیا کریں اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔'' (سورۃ الاحزاب ۵۹)

# مغرب کی تعلیم یافتہ خاتون کا پردہ کے بارے میں حسن اعتراف

یہاں برٹش ٹیلی ویژن کے عملہ کی ایک خاتون میری واکر کے مضمون کا اقتباس مناسب ہوگا جس نے حجاب یا پردہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے یہ خاتون Living Islam سیریز کے فلمائے جانے کے دوران مختلف اسلامی ممالک میں گئیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

''میں سب سے پہلے جس مسلم خاتون سے ملی وہ مالی کے ایک شیخ کی بیوی تھیں، جس سے ملنے کے بعد مسلمان خاتون کے بارے میں میرے غلط تصورات کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ وہ ایک شیخ کی بیوی تھی، جو بت پرست دیہاتیوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی تحریک چلائے ہوئے تھا۔ اس کی بیوی ایک ذہین وفطین اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت تھی جس کی پہلی شادی ایک ڈپلومیٹ سے ہوئی تھی۔ اب اس نے مغربی طرز زندگی چھوڑ کر باپردہ زندگی کو اختیار کر لیا تھا، میری نگاہ میں اس نے اپنے آپ کو تاحیات قید کی نذر کر دیا تھا لیکن میرے سامنے نہ کوئی قیدی تھا اور نہ کوئی راندۂ درگاہ لونڈی۔ ایک انتہائی عقلمند اور بااثر شخصیت میرے سامنے تھی، ایسی خاتون جو راج کرنے والی ہو، اس کی مستقل حیثیت نے اسے احساس عزت سے مالا مال کر رکھا تھا اور اسے بند دروازوں کے پیچھے سے بغیر کسی ٹکراؤ کے حالات کو کنٹرول کرنے کا ملکہ عطا کر رکھا تھا۔ وہ اس پوزیشن میں تھی کہ معاملہ کر سکے اپنے گھر کو خود چلائے اور اپنے خاوند کے معاملات اور نظام الاوقات کی پوری طرح دیکھ بھال کر سکے۔''

میری واکر پھر دو نائجیرین خواتین زینہ اور فاطمہ کا ذکر کرتی ہے جن سے انٹرویو کرنے کے لئے میری واکر کو صرف عورتوں کی دنیا میں جانا پڑا۔ یہ دونوں خواتین بھی اعلیٰ

درجہ کی تعلیم یافتہ تھیں لیکن اب مغربی طرز زندگی کو چھوڑ کر باپردہ زندگی گذار رہی تھیں۔

میری واکر ایک دن قبل عید کی تقریبات دیکھنے کے لئے جا چکی تھیں، جہاں صرف مرد ہی مرد تھے، خواتین میں سے صرف میری واکر کو استثنائی طور پر بلایا گیا تھا ان دونوں خواتین سے انٹرویو کے بعد اس کے تاثرات یہ تھے۔

''لیکن اب باگ میرے ہاتھ میں تھی، صرف میری اپنی جنس کی بناء پر، کمتری، اور اجنبیت کا اب کوئی احساس باقی نہ رہا تھا۔ میری حیثیت ایک مسلم معاشرے میں ایک نو وارد کی سی تھی جو ماہرین کے درمیان گھرا ہوا ہو بالکل ایسے جیسے ایک عورت مردانہ سوسائٹی میں مردوں کے اندر گھری ہوئی ہو، یہاں مردوں کو خارج کر دیا گیا تھا، کیمرہ مین اور آواز ریکارڈ کرنے والے کے علاوہ سب کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم تھا، خود کیمرہ مین نے بھی اپنا سر اور کیمرہ ایک سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا جو کہ اب اس کا اپنا نقاب تھا، میں اب ایسی دنیا میں تھی جہاں مردوں کی کوئی شنوائی نہ تھی۔

خواتین نے بولنا شروع کیا اور ان کے جوابات میں مجھے اپنی اقدار پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ان کا کہنا تھا کہ ''نقاب ایسے طرز زندگی کو دھتکارنے کی علامت ہے جو کہ عورت کی تذلیل کا موجب ہے جبکہ اسلام نے عورت کو عزت و وقار کے ایک بلند مقام پر فائز کیا ہے۔ یہ آزادی نہیں کہ جہاں تم عورتوں کو برہنہ ہونے پر مجبور کرو، یہ تو ظلم ہے ظلم! اس لئے کہ مرد عورتوں کو برہنہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس طرح ہماری نظروں میں نقاب مسلمانوں کے ظلم کا عنوان ہے، ایسے ہی ان خواتین کی نظر میں منی اسکرٹ اور مختصر بلاؤز ظلم کی نشاندہی کرتے ہیں۔''

انہوں نے کہا'' کہ مغرب میں مرد عورتوں کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم آزاد ہو چکی ہیں لیکن درحقیقت ہم مرد کی نگاہ کی اسیر ہو چکی ہیں۔ چاہے میں لباس کے انتخاب میں کتنی ہی اپنی خواہش پر اصرار کروں لیکن میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتی کہ میرا انتخاب اکثر اس بات کا مرہون منت ہوتا ہے کہ میں کس لباس میں مردوں کو زیادہ پرکشش نظر آؤں گی۔

عورتیں اپنے تشخص کو اپنے ظاہری سراپہ سے جدا نہیں کر سکتیں اور اس طرح وہ اس روایتی نسوانی دنیا میں الجھی رہتی ہیں جس کے ضابطے مرد مقرر کرتے ہیں۔'' میری

واکر آخر میں یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں:

''ایک حد تک یہ خواتین مجھ سے زیادہ آزاد ہیں کیونکہ مجھے اپنی قسمت پر کم اختیار ہے میں اب ان خواتین کو یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ وہ ظلم کا شکار ہیں اور میں نہیں ہوں۔ میری زندگی بھی مردوں کے دائرۂ اثر سے خالی نہیں جیسا کہ ان کی، لیکن مجھ سے تو انتخاب کی آزادی بھی چھین لی گئی ہے، ان خواتین کے حالات اور ان کے دلائل نے بالآخر میری اپنی آزادی کے بارے میں اپنے تصورات کی خامیوں کو آشکار کر دیا۔'' (بحوالہ امپیکٹ انٹرنیشنل لندن)

اقتباسات کچھ طویل ہو گئے لیکن ایک مغربی تعلیم یافتہ خاتون کا پردہ کے بارے میں یہ ''حسن اعتراف'' اہل مغرب کی نگاہیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ مسلمان خواتین حجاب کے ساتھ جہاں بھی رہیں گی، برائی سے آلود معاشرہ کی تطہیر میں معاون ثابت ہوں گی۔ تعجب ہے کہ فضا کی آلودگی تو برداشت نہ ہو اور اس کے لئے ''نیوکلیر فری زون'' اور لیڈ (سیسہ) فری زون'' تشکیل دیئے جائیں لیکن جن خواتین کا حیا اور لباس معاشرہ کو پاکبازی کا سبق سکھلا رہا ہو وہ ناقابل برداشت ہوں؟ اور ان کی عصمت و عفت کی چادر کو تار تار کرنے کے سبق سکھلائے جا رہے ہوں؟

یہ کام صحافتی میدان میں رشدی نے کر کے دیکھ لیا اور اس نے شب خون بھی مارا تو انسانیت کے گل سرسبد فخر الرسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خانوادہ پر! آج وہ ''سامری'' کی طرح اپنی سزا بھگت رہا ہے کہ معاشرے میں اسے کوئی منہ لگانے کو تیار نہیں۔ صدر کلنٹن سے ملاقات کا اس نے خوب ڈھونگ رچایا حالانکہ یہ ملاقات وائٹ ہاؤس میں سرراہ ہوئی اور وہ بھی چند منٹوں کے لئے۔ رشدی اب اس زعم میں مبتلا ہے کہ اسے دنیا کے سب سے طاقتور انسان کی حمایت حاصل ہے لیکن خالق کائنات کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کے بعد جس سہارے پر بھی وہ تکیہ کرے گا تار عنکبوت ثابت ہوگا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔'' (سورۃ الشعراء)

# مغرب میں عورتوں پر ظلم وستم

''جنرل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن'' کی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق امریکہ کی ہر چوتھی عورت کو اپنے شوہر یا بوائے فرینڈ سے زدوکوب ہونا پڑتا ہے اور بعض اوقات پٹائی کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بے چاری عورتیں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں ایسی عورتوں کی تعداد چار کروڑ سے بھی زائد ہے جن کو نہایت بے رحمی سے مارا پیٹا گیا ہے۔ (خبریں لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

امریکہ میں خواتین پر ظلم وستم کا یہ عالم ہے کہ ایک امریکی مصنفہ این جانز کی تحقیق کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۲ ہزار بیویاں شوہروں کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ قتل کی سزا زیادہ سے زیادہ چھ سال قید ہوتی ہے۔ لیکن اگر مسلسل ظلم وستم سے تنگ آ کر کوئی عورت مرد کو قتل کر دے تو عورتیں بے چاری ضمانت نہ ہونے کی وجہ سے سالہا سال تک جیلوں میں سڑتی رہتی ہیں۔ (پاکستان ۲۹ جولائی ۱۹۹۱ء)

اٹلی کے بارے میں ایسی ہی خبر ہے کہ ''گلف نیوز'' نے نیوز ایجنسی اے ایف پی کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ وہاں ہر تیسری عورت اپنے شوہر سے اس طرح پٹتی ہے کہ اسے ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ ایسی عورتوں کی تعداد کم از کم آٹھ لاکھ سالانہ ہے۔ (جنگ لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۹۱ء)

سویڈن، برطانیہ اور جرمنی میں بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ برطانیہ میں عورتوں کی مار پیٹ کے واقعات کا اندازہ ایک انگریز خاتون ایرن پنزی کی ان کوششوں سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ بے سہارا اور خاوندوں کے ظلم وستم کی شکار خواتین کی مدد کے لئے کر رہی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ایرن پنزی نے ''خواتین کی امداد'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس وقت سے اب تک وہ متعدد پناہ گاہیں قائم کر چکی ہے وہ جونہی نئی پناہ گاہ کھولتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے بھر جاتی ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ سے زیادہ رقوم اور اراضی کی جستجو میں لگی رہتی ہے۔ ایرن پنزی نے اپنے مشاہدات پر مبنی کئی کتابیں بھی مرتب کی ہیں جن کا عنوان ہے ''آہستہ رو پڑوسی سن لیں گے'' ان کتابوں میں عورتوں اور بچوں کے بارے میں بیسیوں ہولناک داستانیں بیان کی گئی ہیں۔

سویڈن میں تیس سال کا طویل عرصہ گزارنے والے ایک دردمند پاکستانی لال دین قریشی نے اس ملک کی خاندانی زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

مرکزی دفتر شماریات کی اطلاع کے مطابق سویڈن میں اس وقت چھ لاکھ چوراسی ہزار مرد اور آٹھ لاکھ تیس ہزار خواتین تنہائی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ صرف اسٹاک ہوم میں تین لاکھ چونتیس ہزار مرد اور عورتیں اکیلے رہ رہے ہیں۔ جبکہ اردگرد کے دیہات میں ایک لاکھ تیس ہزار عورتیں اور بائیس ہزار مرد اپنے بچوں کے ساتھ تنہائی کی ظلمتوں میں گزارہ کررہے ہیں۔ یعنی کسی کا خاوند نہیں اور کسی کی بیوی نہیں۔

اسی ادارے کے اعداد وشمار کے مطابق دس میں سے چار شادیاں پہلے سال ہی ختم ہوجاتی ہیں اور بغیر شادی کے میاں بیوی کی طرح رہنے والے جوڑوں کی طلاق کی رفتار شادی شدہ جوڑوں کی طلاق کی رفتار سے ۷۵ فیصد زیادہ ہے۔

(سویڈن کے عشرت کدے، ص ۱۳۔۱۴)

لال دین قریشی کی اس کتاب میں سویڈن کی عورت اس قدر مظلوم، دکھی اور بے آسرا نظر آتی ہے کہ اس کی تفصیلات پڑھ کر دل بے اختیار بھر آتا ہے، چنانچہ اس کتاب کا عنوان یوں ہونا چاہئے تھا ''سویڈن میں عورت کی زبوں حالی'' مصنف کی معلومات کے مطابق سویڈن میں ان گنت لڑکیاں شادی میں ناکامی، مسلسل پریشانی اور مردوں کی بے وفائی اور تنہائی کی وجہ سے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ وہ آٹھ گھنٹے لگاتار ڈیوٹی دے کر دفتروں سے گھر آتی ہیں تو تنہائی انہیں ڈسنے لگتی ہے اور آخر کار تنگ آکر وہ شراب اور نشے میں سکون ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہیں۔ (ص ۱۲)

مصنف نے سویڈن کے ایک معاشرتی تحقیقاتی ادارے کے اعداد وشمار کے حوالے سے لکھا ہے کہ سویڈن کی خواتین میں سب سے ناگفتہ بہ حالت ان اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی ہے جو ذمہ دار سرکاری عہدوں پر فائز ہیں، دیگر عورتوں کی طرح عام مردوں سے اعلانیہ تعلقات بھی استوار نہیں کرسکتیں، لیکن بے آسرا اور تنہا رہ کر نفسیاتی اور ذہنی مریض بن جاتی ہیں اور بند دروازوں کے پیچھے روزانہ ایک دو بوتلیں شراب پی ڈالتی ہیں۔ (ص ۱۲)

سویڈن کے مرکزی ادارہ شماریات نے ۱۹۸۲ء میں جو اعداد وشمار جاری کئے

ان کے مطابق ۸۰ لاکھ کی آبادی میں عورتوں پر شدید تشدد کے ۲۸۲۰۰ واقعات تھانوں میں درج کرائے گئے۔ سویڈن کے ایک ماہر جرمیات لیف پرسن کے اندازے کے مطابق ہر سال بیویوں کی پٹائی کے اڑھائی سے تین ہزار واقعات کی رپورٹ پولیس چوکیوں پر کی جاتی ہے۔ جبکہ اس قسم کے تیس ہزار واقعات کہیں درج نہیں ہوتے۔ لیف پرسن کا خیال ہے کہ سویڈن میں بیویوں کو زدوکوب کرنے کی ہر سال اڑھائی لاکھ سے زیادہ وارداتیں ہوتی ہیں، جن کے نتیجے میں ۴۰ سے ۶۰ تک عورتیں ہلاک ہوجاتی ہیں۔ تشدد کی اس کثرت کے باوجود صرف چار سو افراد کو سزا ہوتی ہے۔ ان میں سے صرف ۲۰ فیصد مرد جیل جاتے ہیں۔ (ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، ۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء)

یورپ میں عورت کی مظلومیت کا یہ عالم ہے کہ ۳۵ برس سے زیادہ عمر کی عورتیں شدید ڈپریشن میں مبتلا ہیں کہ ان کے خاوند اور بوائے فرینڈ ان سے قطع تعلق کر کے نوجوان لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں۔ چنانچہ شدید ذہنی صدمات کے نتیجے میں امریکہ میں کم از کم ستر ہزار عورتیں ہر سال حرکت قلب بند ہوجانے سے یا دماغ کی رگ پھٹ جانے سے یکایک مرجاتی ہیں۔

بوڑھی عورتوں کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ وہ ترستی رہتی ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کی رفاقت میں زندگی کے دن پورے کریں اور ان کی منت سماجت کرتی ہیں کہ انہیں گھر کی ڈیوڑھی پر یا کسی برآمدے میں بستر جمانے کی اجازت دے دیں تاکہ وہ اپنے پوتوں، پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں سے دل بہلاسکیں۔ مگر بیچاریوں کی شنوائی نہیں ہوتی اور وہ ''اولڈ ایج ہومز'' میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں دم توڑ جاتی ہیں۔

یورپ کے مرد کی خودغرضی دیدنی ہے۔ اس ٹھنڈے براعظم میں وہ خود تھری پیس سوٹ پہنتا ہے، مگر عورتوں کو منی اسکرٹ پہننے پر مجبور کرتا ہے۔ سیکنڈے نیوین ممالک (ناروے، سویڈن، ڈنمارک) کی ایئر لائنز کی ایئر ہوسٹوں نے ایک مرتبہ کمپنی کی انتظامیہ سے استدعا کی کہ ان ملکوں میں یوں بھی شدید سردی پڑتی ہے مگر بہت بلندی پر جاکر اس میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، اس لئے انہیں اسکرٹ کی بجائے گرم پاجامے پہننے کی اجازت دی جائے، مگر انتظامیہ نے اس درخواست کو مسترد کردیا۔

عورتوں کی آزادی، احترام اور مرد و زن کی مساوات کی دعوے دار یورپی

اقوام نے عورت کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک روا رکھا ہے، اس کی ایک اور دردناک تصویر ''ٹائم میگزین'' کی تفصیلی رپورٹ میں نظر آتی ہے جس کے مطابق جرمنی، فرانس، چیکوسلواکیہ، رومانیہ، ہنگری اور بلغاریہ کی بڑی بڑی شاہراہوں پر فاحشہ عورتیں قطار باندھے کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ برلن اور پراگ کو ملانے والی بارہ سوکلومیٹر طویل شاہراہ غالباً دنیا کا ارزاں ترین اور طویل ترین جنسی اڈہ ہے۔ جہاں سے گزرنے والوں کو نہایت سستی عیاشی کے لئے نوخیز اور حسین وجمیل لڑکیاں مل جاتی ہیں۔

(نوائے وقت، لاہور، ۲۶ جون ۱۹۹۳ء)

## مغربی معاشرہ اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے

## امریکی خاتون اول ہیلری کلنٹن

واشنگٹن: امریکی خاتون اول ہیلری کلنٹن نے سعودی عرب کے علاقے جنادریا میں حال ہی میں منعقد ہونے والے کلچر فیسٹول کے نام پر پاک ٹیلویژن سے جاری ہونے والے پیغام میں کہا ہے کہ انہیں امید ہے کہ اسلامی ممالک اور مغرب کے درمیان بات چیت کو مسلسل توسیع دی جائے گی تاکہ مغرب میں مذہب کو زیادہ طور پر سمجھا جاسکے۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ انہیں سعودی عرب کے جنادریا کلچر فیسٹول سے خطاب کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں آجکل اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کی مثبت کوشش ہورہے اور امریکی مسلمان امریکی ثقافت میں گرانقدر اضافہ کررہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ میری بیٹی چیلسی نے بھی اسلامی تاریخ کا کورک کیا ہے جس کی وجہ سے خود میری معلومات میں اسلام کے بارے میں اضافہ ہوا ہے، ہیلری نے کہا کہ گذشتہ عیدالفطر کے موقع پر میں نے وہائٹ ہاؤس میں مسلمان بچوں کو ایک پارٹی دی اور مجھے مسلمان بچوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے بارے میں متعصب افراد کی پھیلائی ہوئی غلط باتوں کا ازالہ ہورہا ہے اور آج امریکہ میں اسلام اور اس کی روایات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ مغربی معاشرہ اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۹۶ء)

# ''امریکی سی آئی اے قحبہ خانہ بن گیا، لڑکیاں ملازمتیں چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں''

واشنگٹن (نیوز ڈیسک) امریکی ادارے سی آئی اے کے لئے کام کرنے والی بیشتر لڑکیوں نے شکایت کی ہے کہ تربیت کے دوران انہیں جنسی طور پر ہراساں کیا گیا اور ان کی عریاں تصاویر بنالی گئیں۔ ''یو ایس نیوز'' کے حالیہ شمارے نے سی آئی اے کی اندرونی کارکردگی کے بارے میں جو تفصیلات شائع کی ہیں ان کے مطابق اس ادارے میں اگرچہ کم و بیش ۴۰ فیصد لڑکیاں فرائض انجام دیتی ہیں، تاہم اس ابتلاء و آزمائش سے گزرنے والی صرف دس فیصد لڑکیوں کو اعلیٰ عہدوں پر متمکن کیا جاتا ہے۔ سی آئی اے کے لئے کام کرنے والی لینی لارکن نے بتایا کہ مرد افسروں کی جانب سے لڑکیوں کے ساتھ انتہائی فحش قسم کے مذاق کئے جاتے ہیں اور ان کے بارے میں اہانت آمیز جملے کسے جاتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۹ء میں ایک اعلیٰ خاتون افسر نے شکایت کی کہ ایک عریاں تصویر پر اس کا سر چسپاں کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس ادارے میں عریاں کیلنڈروں کی بھی بھرمار ہوتی ہے۔ لارکن نے کہا کہ ایجنسی میں کام کرنے والے مرد یا حکام یہ خیال نہیں کرتے کہ اس قسم کی حرکات سے خواتین کو وہی پیغام ملتا ہے جو وہ ان کے بارے میں خیال کرتی ہیں۔ فیلڈ ڈیوٹی میں بھی خواتین کو ان کے فرائض کی انجام دہی سے روکنے کی خاطر بعض مجبوریاں مسلط کر دی جاتی ہیں۔ لارکن نے کہا کہ ایسٹ بلاک کے دارالحکومت میں ان کے پہلے اسٹیشن چیف نے انہیں حکم دیا کہ وہ رات کو باہر نہ نکلیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رات کے وقت فرائض کی بجا آوری ان کی ملازمت کا بنیادی جزو ہوتا ہے۔ لڑکیاں سرکاری ذرائع سے پریشان کرنے والے مردوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو انہیں اکثر و بیشتر سخت ترین ردعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی شکایت پر بالکل کوئی کاروائی نہیں کی جاتی بلکہ ان کا کیریئر خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جینی مسز نامی ایک لڑکی کی شکایت پر اس کے لئے ترقی کے راستے بند کر دیئے گئے اور اس سے کہا گیا کہ آپ کی شکایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نظام سے

غداری کر رہی ہیں۔ اسی طرح سی آئی اے کی سابقہ ملازم سینڈی لوکاس نے اپنے باس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے لئے زندگی اجیرن بنادی گئی۔
(روزنامہ پاکستان، لاہور، ۱۹ اپریل ۱۹۹۵ء)

## امریکی طالبات کی عصمت دری، حیران کن اعداد و شمار

''واشنگٹن پوسٹ'' کا کالم نگار تھامس لکھتا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات امریکہ میں خطرناک حد تک پہنچ چکے ہیں۔ امریکہ کی گیارہ ریاستوں میں ریسرچ کی گئی۔ اس ریسرچ کے بعد جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں، ان کے مطابقت عصمت دری کا شکار ۵۰ فیصد خواتین کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہے، اور ۲۵ فیصد تو ۱۲ سال سے بھی کم عمر کی بچیاں ہیں۔ ریسرچ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ بچوں کے خلاف جنسی جرائم کی صحیح تعداد معلوم کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ اکثر واقعات رپورٹ نہیں ہوتے یا پھر بیشتر واقعات میں گھر کے افراد، رشتے دار یا دوست ملوث ہوتے ہیں۔

امریکہ کی تین ریاستوں میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کئے گئے سروے میں جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں ان کے مطابق بارہ سال سے کم عمر بچیوں میں سے ۲۰ فیصد اپنے باپوں کی ہوس کا شکار ہوئیں۔ ۴۶ فیصد کو رشتے داروں اور ۳۰ فیصد کو دوستوں نے شکار کیا۔ صرف ۴ فیصد کی اجنبیوں نے عصمت دری کی۔
(بحوالہ ''بیدار ڈائجسٹ'' ستمبر ۹۴ء ص ۴۰)

## صدر متراں کی ناجائز بیٹی کا انکشاف

پیرس فرانسیسی جریدے ''پیرس میچ'' نے انکشاف کیا ہے کہ صدر متراں (فرانسیسی صدر) کی ایک بیس سالہ ناجائز بیٹی ہے، اور صدر نے اسے اس کی ماں سمیت صدارتی محل میں رکھا ہوا ہے۔ جریدے نے متراں کی اپنی ناجائز بیٹی کے ساتھ ایک تصویر بھی شائع کی۔ ''پیرس میچ'' میں چھپنے والے مضمون میں بتایا گیا کہ ۷۸ سالہ کینسر کے مریض صدر نے کافی عرصے سے اس راز کو لوگوں سے چھپائے رکھا، تاہم اب انہوں نے اس راز سے عوام کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔
(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۴ نومبر ۹۴ء)

## امریکی قوانین کے تحت عورت بلی سے بھی بدتر

امریکی قانون کے مطابق:

اوکلاہوما (امریکہ) عورت کی پٹائی کرنے پر ۹۰ دن کی جیل ہوگی، جب کہ کسی بلی کو لات مارنے پر کئی سال کے لئے سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑسکتا ہے۔ یہ عجیب قانون امریکہ کی اوکلاہوما اسٹیٹ کا ہے جہاں بلیوں کی اہمیت عورتوں سے زیادہ ہے۔ اس طرح کے بے تکے قانون پر آبادی کے ایک حصے میں خاصا غم وغصہ پایا جاتا ہے۔

یہ قانونی تضاد حال ہی میں دو معاملوں میں سامنے آیا۔ سارجنٹ اے پی واسٹن نے ایک خاتون کا سر دیوار سے دے مارا، اس کے بال پکڑ کر گھسیٹا، اس کے ہاتھ باندھے اور ٹھوکریں ماریں۔ واسٹن کے خلاف دائر مقدمے کے تحت اسے ۹۰ دن کی سزا ہوئی ہے۔

دوسری طرف سارجنٹ وی ایم لنکی نے ہوائی اڈے پر ایک بلی کو لات ماری، اس پر جانوروں پر ظلم کرنے کا مقدمہ بنا ہوا ہے۔ جس کے لئے اسے پانچ سال سزائے قید ہوسکتی ہے اور پانچ ہزار ڈالر جرمانہ ہوسکتا ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ ''ہمقدم'' لاہور مئی ۱۹۹۵ء) (مصنف کی کتاب ''یہ ہے مغربی تہذیب'' کا ایک باب)

## مغرب کا معاشرتی المیہ

مغربی عورت مرد کی ایک اچھی دوست بن گئی ہے جو اس کا دل لبھاتی ہے، اس کی جنسی خواہش کی تسکین کرتی ہے، بلکہ اس کے بعض مسائل میں برابر کی شریک ہے۔ لیکن وہ اب نہ ایک اچھی بیوی بن سکتی ہے اور نہ اچھی ماں۔ اس دعوے کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں طلاق کی شرح چالیس فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ یورپ میں طلاق کی شرح اس سے کچھ کم ہے۔ مگر وہاں شادی شدہ جوڑوں کے لئے شادی کے بعد داشتائیں رکھنا اور غیروں سے عشق ومحبت کی پینگیں بڑھانا ایک عام سی بات ہے۔ اگر مغربی عورت ایک اچھی بیوی ہوتی اور وہ اپنے گھر کے فلاح کے لئے اپنی عمر وقف کرنے کی صلاحیت رکھتی تو امریکہ میں طلاقوں کی اس قدر بھرمار نہ ہوتی اور نہ گھروں سے فرار اس قدر عام ہوتا۔ یہاں پر یہ بات بھی واضح کردینی چاہئے کہ ملازمت کرنے والی خواتین ان تجربات واحساسات سے زیادہ تہی دامن ہوتی ہیں، جو

اچھی مائیں بننے میں مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ ایک اچھی ماں کے فرائض پورے کرنے کے لئے ان کے پاس نہ وقت ہوتا ہے اور نہ نفسیاتی طور پر وہ اپنے ان فرائض کی بجا آوری کے لئے آمادہ ہوتی ہیں۔

## لندن میں مردوں اور عورتوں کا برہنہ جلوس

لندن آرٹ کا زندہ اور نادر نمونہ تشکیل دینے کے لئے لندن کی ویلے اسٹریٹ میں ننگے پیروکاروں کا ایک جلوس پیدل چلا جارہا تھا۔ کیمرے دھڑا دھڑ روشن ہو رہے تھے، اور آرٹ کا یہ ''زندہ اور نادر'' نمونہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا جارہا تھا۔ نیم اندھیرے، برف جما دینے والی سردی اور فجر کے وقت یہ جلوس دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ ''نیویارک کے فنکاروں'' کی طرز پر ترتیب دیا گیا، یہ برہنہ جلوس جس میں خوبصورت اور جوان عورتیں بھی تھیں، اور مکمل مرد بھی۔ اس جلوس کو رنگین سے رنگین تر بنانے کے لئے تمام افراد کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، لیکن ''مکمل برہنہ'' ہونے کی کڑی شرط کے باعث زیادہ لوگ اس میں شرکت نہ کر سکے۔ عوامی مقام پر برہنہ لوگوں کے اس جلوس کی مختلف زاویوں سے کھینچی گئی تصاویر کی عنقریب لندن میں نمائش منعقد کی جائے گی۔

## برطانیہ کی جسم فروش ماڈل گرلز

''برطانیہ میں ماڈل گرلز جسم فروشی کے ذریعے سالانہ ٨٠ سے ٩٠ لاکھ پونڈ کماتی ہیں۔ برطانوی مصنف مائیکل گراس نے اپنی تازہ ترین کتاب ''ماڈل'' میں انکشافات کئے ہیں، کہ برطانیہ میں نوخیز اور خوبصورت لڑکیوں نے ماڈلنگ کو عصمت فروشی کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے اور یہ دھندہ ایک مکمل صنعت کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس سے منسلک لڑکیوں کی آمدن کسی بھی بڑے بزنس مین کی سالانہ آمدن سے کم نہیں، اور بعض اوقات ان کی آمدنی اس سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ کتاب میں لکھا گیا ہے کہ یہ ماڈل گرلز اپنے گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے پورا عملہ رکھتی ہیں اور خاص طور پر بے روزگار نوجوان لڑکے زیادہ سودمند ثابت ہوتے ہیں، جو معمولی تنخواہ کے عوض ''لین دین'' کے معاملات انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔'' (بحوالہ ''بیدار ڈائجسٹ'' لاہور، اکتوبر ١٩٩٥ء)

# اسلام میں عورتوں کے حقوق

آج سے چودہ سو سال پہلے معاشرے نے جو عورت کی شان وعظمت اور اس کے وقار اور مقام کو مٹی میں ملایا تھا شاید وہ آپ حضرات کی نظروں سے اوجھل ہے۔ پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماحول میں جب یہ دیکھا کہ عورت کو زندہ درگور کیا جارہا ہے اور اس کو انسانیت کے لئے عار سمجھا جارہا ہے، جس کی بناء پر اس کا وجود زمین پر ایک بوجھ دکھائی دے رہا ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اس کا اصلی مقام عطا کیا، اسلام میں کسی برائی کو روکنے کے لئے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ قانون اور خوف کا ہے اور دوسرا رغبت اور شوق کا۔ آپ نے قانون کے راستہ سے عورت کو تحفظ بخشا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا قانون ہی کی ایک شق تھی کہ ''آج کے بعد کوئی اپنی بچی کو زندہ درگور نہ کرے، قیامت کے دن ان کا یہ قتل اور خون کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔''

دوسری طرف رغبت اور شوق دلاتے ہوئے فرمایا:

> ''جس شخص نے اپنی دو بچیوں کو پال کر خوب تربیت کی وہ میرے ساتھ جنت میں اس طرح ہوگا جیسے میری یہ انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی۔''

## عورتوں میں قبول اسلام کا بڑھتا ہوا رجحان

یہ ایک حیرت انگیز اور خوشگوار امر ہے کہ عالم کفر میں قبول اسلام کا تناسب مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں کئی گنا زیادہ ہے۔ کم از کم ۴ گنا ضرور زیادہ ہے، اس کی وجوہات پیچھے ذکر ہو چکی ہیں۔ جرمنی میں صرف ایک سال کے عرصہ میں بارہ ہزار خواتین مسلمان ہوئی ہیں۔ انہوں نے اب اپنی ایک تنظیم قائم کر لی ہے، جس کا نام انہوں نے ''اخوات محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' "Sisters of Mohammad" رکھا ہے۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام ان کے باقاعدہ ہفتہ وار اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، ایک ہفت روزہ میگزین کی اشاعت بھی شروع ہوگئی ہے۔ یوں الحمدللہ اسلام کی دعوت مساعی مربوط انداز میں جاری ہے۔ جرمنی میں اس وقت کم از کم ۵۰ ہزار اور برطانیہ میں تقریباً ۳۰ ہزار نومسلم خواتین موجود ہیں! نومسلم ہوں یا نومسلمات، یہ بغیر کسی جبر واکراہ کے مسلمان ہوئے ہیں اور اب وہ پورے شعور اور شوق سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی تگ ودو کر رہے ہیں۔

# دنیا بھر میں مسلم اور نو مسلم خواتین پر مذہبی پابندی کے واقعات

## فرانس میں پردے کی سزا

۱۹ دسمبر ۱۹۹۳ء کے روزنامہ نوائے وقت کا مطالعہ کر رہا تھا کہ دو ایک کالمی سرخی نظروں سے گزری اور پھر اس پر نظریں جم گئیں۔ مین سرخی یہ تھی کہ ''فرانسیسی اسکول سے چار مسلمان طالبات کو بالآخر نکال دیا گیا'' اور پھر دوسری سرخی یہ تھی کہ ''طالبات نے پڑھائی کے دوران سروں سے اسکارف اتارنے سے انکار کر دیا تھا۔''

یہ بات میرے لئے چونکا دینے والی تھی۔ خبر کی تفصیل پڑھی تو معلوم ہوا کہ کولون کے فرانسیسی اسکول کی انتظامیہ نے چار مسلمان لڑکیوں کو ایک طویل متنازعہ بحث کے بعد اسکول سے نکال دیا۔ ان بچیوں کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کلاس کے اندر دورانِ تدریس سروں پر لئے ہوئے اسلامی طرز کے اسکارف اتارنے سے انکار کر دیا تھا یہ مسئلہ اکتوبر کے مہینے میں اٹھایا گیا، اسکول کے اساتذہ نے مسلمان بچیوں کے اس رویے پر ہڑتال بھی کی، بعد میں مسلمان بچیوں کی کلاسوں میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی تاکہ انہیں اسی بات پر آمادہ کیا جاسکے کہ وہ دورانِ تدریس اپنے سروں سے متنازہ اسکارف اتار دیا کریں، تاہم مسلم طالبات اس پر آمادہ نہ ہوئیں پھر انتظامیہ نے حتمی فیصلہ تک انہیں مہلت دی۔ اس دوران کلاس میں ان کا داخلہ ممنوع کر دیا گیا، ان چار طالبات میں سے دو کا تعلق ترکی اور دو کا مراکش سے تھا۔ کلاسوں میں شرکت کی پابندی کے بعد ترکی کی طالبات اسکول واپس نہیں آئیں جبکہ مراکش سے تعلق رکھنے والی طالبات دوبارہ اسکول آئیں انہوں نے سروں سے اسکارف اتارنے کے بجائے اس بار سروں پر ڈوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔ اس رویئے پر اسکول کی انتظامیہ کمیٹی نے ان چاروں طالبات کو اسکول سے خارج کر دینے کا فیصلہ سنایا۔ مسلم طالبات کے وکلاء کی طرف سے یہ بیان دیا گیا کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ اس سے قبل بھی فرانس میں مسلمان طالبات

کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا ایسے کئی واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور اسے نسلی یا مذہبی امتیاز کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔

## کئی امریکی ریاستوں میں باحجاب مسلمان خواتین کو بے توقیری کا سامنا کرنا پڑتا ہے

امریکی سوسائٹی کی اس دگرگوں اخلاقی اور سماجی حالت کی بناء پر بہت سی امریکی عورتیں، دین اسلام میں دیئے گئے عورت کے مقام، عزت واحترام کو بہت حیرت سے دیکھتی ہیں۔ وہ اسلام کے اس پہلو سے خاص طور پر بہت متاثر ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان عورت کتنے آرام وسکون اور عزت ووقار سے زندگی گزارتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی عورتیں اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام کے قبول کرنے کو امریکی معاشرے میں اپنی تمام سماجی مشکلات کا حل سمجھتی ہیں۔ امریکہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ اسلام قبول کر رہی ہیں۔

امریکہ کی ایک نومسلم خاتون ''امینہ السلمی'' ہیں، جن کا تعلق ''کولوراڈو'' امریکی ریاست سے ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں سعودی عرب کے طالب علم کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ محترمہ اس وقت امریکہ میں ''عالمی اتحاد برائے مسلم خواتین'' کی سربراہ ہیں۔ دعوت وتبلیغ کا کام تسلسل کے ساتھ کر رہی ہیں۔ امریکیوں کو مختلف اسلامی موضوعات پر لیکچر دینے کے لئے ہر وقت متحرک رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محترمہ کو موثر اسلوب خطابت سے نوازا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ انہیں ۳۰۰۰ ہزار اشخاص کے ذاتی خطوط موصول ہو چکے ہیں جن میں ان افراد نے ان کی تبلیغ کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا ہے۔

ایک اور خاتون سلمٰی فرید مان نے قبول اسلام کے بعد ''ڈائیلاگ سوسائٹی فار مینگ مسلم جنریشن'' بنائی ہے۔ ریاست ورجینا اور دیگر ریاستوں میں جدید مسلم نسل کے ساتھ ان کا خصوصی رابطہ ہے۔

واشنگٹن کی امریکی یونیورسٹی کی ایک طالبہ نیکولا بالیوان ہیں۔ جنہوں نے قبول

اسلام کے بعد جنوبی امریکہ کی لاطینی الاصل امریکی مسلم خواتین کے ساتھ مل کر ''لاطینی امریکی مسلم خواتین سوسائٹی'' قائم کی ہے۔ یہ سوسائٹی بنیادی طور پر ہسپانوی زبان بولنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کرتی ہے۔ یاد رہے کہ ہسپانوی زبان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی دوسری بڑی زبان ہے۔ امریکہ میں متعدد ایسی خواتین ہیں جنہوں نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی زندگیاں دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی ہیں اور امریکہ میں اسلام کے پھیلانے کے لئے مصروف عمل رہتی ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۶ء میں ایک لیکچر میں مسلم مبلغ و داعی (سابق امریکی اداکارہ) روفیل نابریز اور امینہ السلمی نے شرکت کی۔ اس لیکچر کا موضوع تھا ''تعداد ازواج'' محترمہ امینہ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا ''اسلام میں تعداد کا نظام مرد کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ عورت کے مفاد میں ہے۔ عام حالات میں ایک مرد کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شادی کے بغیر رہے تو اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اسی طرح بیوہ ہونے کی صورت میں عورت کے لئے اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کا فریضہ تنہا ادا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے، بلکہ خود اپنی گزر بسر کے لئے بھی وہ دوسروں کی دست نگر ہوتی ہے۔ اسے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اسلام نے دوسری شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔ گویا ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کا فائدہ عورتوں کو ہے۔'' روفیل نابریز نے اپنے لیکچر میں کہا۔ ''میں نے قرآن کریم میں جب غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے لئے ایک ہی بیوی بنائی تھی، لہذا شادی میں اصلی مثالی صورت یہی ہے کہ ایک خاوند کے لئے ایک بیوی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر یعنی عورتوں کے مفاد میں مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دی۔ مرد کی ضروریات کے لئے نہیں بلکہ عورت کے فائدہ و سہولت کی خاطر۔''

امریکی عورتوں میں قبول اسلام کے قوی رجحانات کے پیش نظر امریکی ذرائع ابلاغ نے اسلام اور مسلم روایات کے خلاف ایک منظم مہم چلا رکھی ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ مسلسل عورت کے پردہ حجاب کو اپنی تنقید و استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں۔ کئی امریکی فلموں میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلم پردہ نشین عورت سماج سے کٹ کر گوشہ تنہائی میں رہ رہی

ہے۔ وہ ایک قسم کی باندی ہے۔ جس کی خاوند کے مقابلہ میں کوئی عزت نہیں ہے، نہ ہی اسے خودمختاری حاصل ہے۔ امریکہ کی کئی ریاستوں میں باحجاب مسلمان خواتین کو بے توقیری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اپریل ۱۹۹۶ء میں اوکلاہوما کے مشہور سانحہ کے بعد ۳۰۰ نسلی امتیازات کے واقعات ہوئے، ان میں سے ایک نسلی امتیاز کے حادثہ کے نتیجہ میں ''سلام'' نامی ایک مسلمان بچہ مارا گیا۔ اسلامی امریکی تعلقات کونسل (Cair) کی جاری کردہ رپورٹوں کے مطابق اس قسم کے سانحات جاری ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں کیلی فورنیا ریاست کے شہر سان فرانسسکو کے ایئرپورٹ پر ایک مسلمان ضعیف العمر خاندان اور اس کی بیٹی کی بلاوجہ جسمانی تلاش لی گئی۔ ''کیئر'' کی مداخلت پر ایئرپورٹ کے ڈائریکٹر نے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ مذکورہ افسر کو عنقریب ایک کورس پر بھیجا جائے گا تاکہ اسے دیگر ثقافتوں کے لوگوں کے ساتھ پیش آنے کی تربیت دی جائے۔

ان تمام تر مزاحمتوں کے باوجود اسلام امریکہ میں پھیل رہا ہے اور اس کے پھیلاؤ میں بنیادی کردار مسلم خواتین کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی عورت کی بے راہ روی ہی مغربی سماجی عمارت کے انہدام کی بنیاد بنی ہے۔ ہمارا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انشاء اللہ مسلمان عورت ہی امریکہ میں اشاعت اسلام کی کلید ثابت ہوگی۔

## مغربی جرمنی میں مسلمان طالبہ کی مقدمہ میں جیت

مغربی جرمنی کی ایک نوجوان مسلم طالبہ نے اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھکے ہوئے سر اور چہرہ کے ساتھ شناختی کارڈ کا مقدمہ جیت لیا ہے۔ لنڈن میونسپلٹی کے محکمہ مردم شماری نے اس نوجوان طالبہ سے اصرار کیا تھا کہ وہ شناختی کارڈ کے لئے ایسی تصویر پیش کرے جس میں اسکا سر اور چہرہ واضح کھلا ہوا نظر آئے، جج نے کارل ہینز کیر نے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے اس بات کی توثیق کی کہ ایک مسلمان عورت کو اپنا سر اور چہرہ ڈھانپے رکھنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ عیسائی راہبائیوں کو جج نے اس بات کو تسلیم کیا کہ مغربی جرمنی کا جمہوری آئین بھی ملک میں رہنے والے تمام لوگوں کو مذہبی آزادی کے حق کی ضمانت دیتا ہے۔

## سر ڈھانپنے اور نقاب اوڑھنے کے بارے میں فرانسیسی عدالت کا فیصلہ

فرانس کی ایک عدالت نے حکومت کی جانب سے کی جانے والی اس اپیل کو ایک بار پھر مسترد کر دیا ہے جس میں حکومت نے کہا تھا کہ سر ڈھانپنے کے قصور پر اسکول سے نکالی جانے والی طالبہ کو ہونے والی تکلیف پر حکومت کے خلاف ہرجانے کی ادائیگی کے احکامات واپس لئے جائیں۔ یاد رہے کہ ڈیڑھ برس قبل فرانس کی ایک عدالت نے حکومت کی جانب سے سر ڈھانپنے پر پابندی کے احکامات کو بے معنی قرار دیتے ہوئے اس جرم پر اسکول سے نکالی جانے والی طالبہ سلونی کو ہونے والی زحمت کے عوض حکومت کو حکم دیا تھا کہ وہ اس طالبہ کو پچاس ہزار ڈالر ادا کرے تاہم حکومت نے اپیل کی تھی کہ یہ فیصلہ واپس لیا جائے۔ حالیہ اطلاعات کے مطابق عدالت نے حکومت کی اپیل ایک بار پھر مسترد کر دی ہے تاہم معاوضے کی مالیت میں کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے جسے پچاس ہزار ڈالر سے کم کر کے دو ہزار ڈالر کر دیا گیا ہے اس طرح اپنے مذہبی تقاضوں کا تحفظ کرنے والی طالبہ ایک بار پھر سرخرو قرار پائی ہے۔

## عمران کی محبوبہ کرسٹائن کو اسلام قبول کرنے پر جرمنی ٹی وی سے ہٹا دیا گیا

لاہور سنڈے ٹائمز کے مطابق عمران کی محبوبہ کرسٹائن بیکر کو جرمنی میں بچوں کے ٹی وی پروگرام سے ہٹا دیا گیا ہے۔ جرمنوں کو شاید یہ خدشہ ہے کہ کرسٹائن خود مشرف بہ اسلام ہونے کی وجہ سے پروگرام کے ذریعے پوری نئی نسل کو مسلمان بنا دے گی۔

(بحوالہ روزنامہ ''پاکستان'' لاہور)

## مصر اور فرانس میں اسلامی پردے پر مقدمات

مصر کی ایک عدالت نے اپنے ایک فیصلہ میں مقامی اسیوط یونیورسٹی کے حکام سے کہا ہے کہ وہ یونیورسٹی کی حدود میں چہرے پر نقاب پہننے والی مسلم خواتین کو روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

مذکورہ زیر سماعت مقدمہ کے مطابق یونیورسٹی میں زیر تعلیم ٢٢ مسلم خواتین کو محض اس بنیاد پر یونیورسٹی کی حدود میں داخل ہونے سے روک دیا گیا کیونکہ وہ مکمل

اسلامی پردے کا اہتمام کر رہی تھیں۔ نیز ان کے چہرے نقاب سے ڈھکے ہوئے تھے۔
اسی انداز کے ایک مقدمے نے کچھ عرصہ قبل فرانس میں کافی شہرت پائی تھی جس میں الجیرین نژاد مسلم لڑکی کو اسکول نے حجاب کے استعمال سے منع کر دیا تھا، مگر فرانس کی ایک عدالت نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ مگر یاد رہے کہ فرانس سرکاری طور پر ایک عیسائی اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ایک لادینی ملک ہے، جبکہ مصر کا شمار عالم اسلام کے چند ایک معروف ممالک میں ہوتا ہے دونوں ملکوں کے دین اور تہذیب میں بعد المشرقین ہے مگر دونوں جگہوں پر باپردہ مسلم خاتون کو ایک ہی جیسے چیلنج کا سامنا ہے۔ یا للعجب

## امریکی رسالے میں ایک فاحشہ کے سینے پر قرآنی آیت کی نمائش

امریکہ سے شائع ہونے والے رسالے ''ٹائم'' کا ایک گزشتہ شمارہ میرے سامنے ہے اس میں ایک فاحشہ عورت امریکی ماڈل گرل ''کلاؤدیا شیفر'' کی نیم برہنہ تصویر پر قرآن کی یہ آیت لکھی ہے ''وھم مھتدون'' اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ امریکی رسالے نے اس قرآنی آیات کا ایک ڈیزائن قرار سے دیا ہے۔

فحاشی اور بے حیائی وہ گناہ ہیں جس کو دنیا کا ہر مذہب بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ عیسائیت بھی اس کی مذمت کرتی ہے، مگر امریکہ کے عیسائی مسلمانوں کی دشمنی میں قرآن کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں اور اپنی فحاشی اور بے حیائی پر قرآن کی آیت لکھ کر اس فحاشی کو ہدایت یافتگی کہہ کر قرآنی تعلیم پر طنز کر رہے ہیں۔ اب اس طنز کا جواب تو یہی ہے جو قرآن نے بتلایا ہے، فرمایا!

وطعنوا فی دینکم فقاتلوا آئمة الکفر انھم لاایمان لھم لعلھم ینتھون O ﴿التوبہ ۱۲﴾

''اور وہ تمہارے دین میں طعن زنی (توہین) کریں تو (ایسے) کفر کے لیڈروں سے لڑو ان کی قسمیں کچھ نہیں ہیں تاکہ وہ باز آجائیں۔

یعنی یہ گستاخ باز تب آئیں گے جب ان سے قتال ہوگا تو ہمارے دین کی توہین کرنے والے کا علاج قرآن نے بتلادیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ علاج کرے کون؟ انشاء اللہ یہ کام مجاہد بن ہی کر سکتے ہیں اور امریکہ انہی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور

اپنی خباثتوں، شرارتوں اور نیچ حرکتوں سے بھی باز نہیں آتا۔ یہ نہیں آئے گا، ایک ہی صورت میں آئے گا جو کہ شکل قرآن نے بتلادی ہے اس پہ عمل ہو کر رہے گا۔ مسلمانوں کے ذمے یہ فرض ہے اور جلد ہی چکا دیا جائے گا۔ انشاء اللہ

## تنزانیہ میں حجاب کے مسئلہ پر پٹائی

''کمیٹی برائے مسلم'' قومی اسمبلی تنزانیہ کے اس فیصلے کہ ''مسلم طالبات اسلامی پردہ نہیں کرسکتیں'' کے خلاف پرامن احتجاج کررہی تھیں کہ پولیس نے پٹائی شروع کردی۔ پولیس نے دارالسلام میں کریا کو بازار میں بہت بڑے ہجوم پر زبردست آنسو گیس پھینکی۔ مظاہرین ہر طرف پھیل گئے، جب مظاہرین نے من لیما مسجد میں پناہ لی تو پولیس مسجد میں بھی داخل ہوگئی۔ پولیس کے پاس ۱۰ لینڈ کروورز پر ۵۰ سے زیادہ مسلح سپاہی تھے، بڑی تعداد میں مظاہرین زخمی ہوئے جنہیں ہسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ پولیس نے ۹۶ افراد کو گرفتار کیا جن میں ۲۱ خواتین بھی تھیں۔ خواتین کو بعد میں رہا کردیا گیا، حکومت نے دعویٰ کیا کہ خواتین کو مظاہرے میں زبردستی لایا گیا تھا۔ یاد رہے کہ تنزانیہ کی ۵۵ فیصد آبادی مسلمان ہے جبکہ عیسائی صرف ۲۰ لاکھ ہیں جو کل آبادی کا بمشکل ۵۶.۱۰ فیصد بنتے ہیں۔ تنزانیہ میں شامل اہم علاقہ زنجبار میں مسلمان ۹۸ فیصد ہیں ساڑھے دس فیصد ہونے کے باوجود تنزانیہ پر عیسائی اقلیت ہی کا کنٹرول ہے۔ زنجبار میں ۳۰ جولائی کو اس بات پر بھی احتجاج کیا گیا کہ تنزانیہ کی یونین گورنمنٹ نے زنجبار کو اسلامی کانفرنس کی تنظیم (OIC) شامل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ یاد رہے کہ اپریل ۱۹۶۴ء میں تنزانیہ اور زنجبار کی یونین بننے سے پہلے زنجبار ایک آزاد ریاست تھا مگر سازشوں کے ذریعے اسے تنزانیہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

## مسلمان ہونے کے بعد میرے ماں باپ نے مجھے زبردستی شراب پینے پر مجبور کیا

جب میں پہلی بار مسلمان عورتوں کا لباس پہن کر گھر سے نکلنے لگی تو میری ماں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

سنتھیا یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟

اس کے چہرے پر طنز تھا میرے والد نے بھی جورات بھر شراب پینے کے بعد اب کرسی پر بیٹھے اونگھ رہے تھے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور قہقہہ لگایا۔

''ممی'' میں نے کہا ''یاد رکھئے میرا نام آمنہ ہے سنتھیا نہیں''

''آ......منہ......کیا نام ہوا یہ بھلا'' ماں نے کہا......لڑکی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟

میں نے اپنی والدہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں انہیں بتا چکی ہوں اور اب میں مسلمانوں کی طرح باقاعدہ زندگی کا آغاز کر رہی ہو۔تمہاری جگہ جہنم میں ہے تم نے......حبشیوں کی اس گندی بستی میں جس کسی نے مجھے اس لباس میں دیکھا وہ پہلے تو حیران ہوا پھر مذاق اڑانے لگا مگر میں کسی کی ایک نہ سنی اور اپنی راہ چلتی رہی جب میں اپنے اخبار کے دفتر پہنچی تو وہاں بھی شدید ردعمل پیدا ہوا بہت سے لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے جب مین نے انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں اور مسلمان عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں تو بعض لوگوں نے خاموشی اختیار کی اور بعض لوگ بڑ بڑاتے ہوئے چلے گئے اور پھر کرسمس کا تہوار آ گیا۔کرسمس کے روز شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے۔جب میں نے مہمانوں کے ساتھ شراب کے جام کو چھونے سے انکار کر دیا تو ہمارے گھر میں قیامت برپا ہوگئی۔والد تو صبح سے نشہ میں دھت تھے والدہ بھی دو ایک بار مہمانوں کے ساتھ پی چکی تھی نشے کی حالت میں وہ مجھ پر برسنے لگے مہمان بھی نشہ میں تھے وہ بھی جو ان کے منہ میں آیا بکنے لگے۔

ان سب کی حالت قابل رحم تھی میں نے سوچا مجھے اس کمرے سے چلا جانا چاہئے مگر جب میں اپنی وہیل چیر کو دھکیل کر جا رہی تھی تو ایک مہمان لڑکا اور میرے والد میرے پیچھے لپکے اور وہیل چیر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔راستہ چھوڑ دیں میں نے کہا مجھے جانے دیں۔

یہ پی لو پھر چلی جانا لڑکے نے راستے سے ہٹے بغیر شراب کا جام میرے آگے کیا۔میں لعنت بھیجتی ہوں اس کے اوپر۔

میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ لگا جو میرے والد نے مارا تھا میرا سر چکرا گیا آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر میرے والد اور اس لڑکے میں تو جیسے شیطان کی روح حلول کر گئی تھی وہ مجھے پیٹنے لگے انہوں نے مجھے روئی کے گالے کی طرح دھنک دیا۔میں خاموشی

سے یہ ظلم برداشت کرتی رہی وہ گالیاں بک رہے تھے نشے میں ان کے منہ سے جھاگ بہہ رہے تھا جب وہ تھک کر بیٹھ گئے تو میں کسی نہ کسی طرح اپنے کمرے میں پہنچ گئی اس رات میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

## اسکارف اوڑھنے پر پیرس کے اسکول سے مزید ۸ مسلمان بچیوں کو نکال دیا گیا

پیرس کے ایک سرکاری اسکول سے ۸ مسلمان بچیوں کو اسکارف اوڑھنے کے جرم میں نکال دیا گیا ہے کیونکہ فرانسیسی حکومت نے ستمبر میں اسکارف کو مذہبی نشان قرار دے کر سرکاری اسکولوں میں اس کے استعمال پر پابندی لگادی تھی۔ دریں اثنا فرانسیسی حکومت نے مسلمان بچیوں کو اسکارف کے بجائے ہیر بینڈ استعمال کرنے کے معاہدہ پر دستخط کئے ہیں جس کے بعد انہیں اسکولوں میں آنے کی اجازت دیدی گئی ہے لیکن خارج کی جانے والی آٹھ بچیوں نے سر پر اسکارف نہ اڑھنے کے حکم کو ماننے سے انکار کردیا ہے جس پر انہیں اسکول سے نکالدیا گیا۔

## فرانس میں حجاب کے خلاف پابندیاں

وزیر داخلہ چارلس پاسقوا کی اسلام اور مسلمانوں کی خلاف شروع کی گئی جنگ میں فرانس کے دوسرے رہنما بھی شریک ہوگئے ہیں وزیر تعلیم فریکوائس بائرو نے تمام پبلک اسکولوں میں زیر تعلیم مسلمان طالبات پر حجاب پہنے پر پابندی لگادی ہے اسکارف پہنے پر پابندی لگاتے ہوئے وزیر تعلیم نے کہا کہ پردہ کرنے سے ہمارے ملک میں سیکولر نظام تعلیم کی جو روایت ہے اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

فرانس کے اسکولوں میں زیر تعلیم مسلمان لڑکیوں میں پردہ کرنے کے رواج میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں عرب اور ترک بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

۱۰ دسمبر کو وزیر تعلیم کا انٹرویو ایک میگزین (Weekly Le point) میں شائع ہوا ہے اس انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میں نے تمام پبلک اسکولوں کے پرنسپل صاحبان کو ہدایت جاری کردی گئی ہیں کہ وہ پردہ کرنے (حجاب پہنے) پر فوری طور پر پابندی لگادی جائے۔ انٹرویو میں انہوں نے مزید کہا کہ اس (حجاب) سے طالبات مسلم اور غیر مسلم میں

تقسیم ہو جاتی ہیں اور اس سے اس سے چرچ اور مملکت کی علیحدگی کے اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے انہوں نے کہا

ہم مسلمانوں کی تہذیب اور عقیدہ کا احترام کرتے ہیں مگر ہم اپنے ملک کا معاشرتی نظام سیکولر بنیادوں پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے حجاب کو محض نمود نمائش قرار دیتے ہوئے کہا

ہم محتاط قسم کی مذہبی علامات کو تو برداشت کرلیں گے اور ہمیشہ سے کرتی رہے ہیں مگر ایسی نمود نمائش والی علامات جس سے ہماری نوجوان نسل گروہوں میں تقسیم ہو جائے کسی صورت میں برداشت نہیں کریں گے۔

دراصل محتاط قسم کی مذہبی شناخت سے ان کی مراد عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کے لباس کے سلسلہ میں ہے جس پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ جب انٹرویو میں وزیر تعلیم سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان لڑکیوں ہی کا اسکارف پابندی کا خصوصی ہدف ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں۔

فرانس کے عوامی حلقوں میں حجاب اس وقت موضوع بحث بنا جب ۱۹۸۹ء میں اسکول کی چند طالبات نے اسکارف پہنا شروع کیا۔ فرانسیسی حکام نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ سکارف پہنے والی لڑکیوں کو اسکارف اتارنے کی ترغیب دی جائے مگر مجبور نہ کیا جائے جائے جب چند پرنسپلوں نے متعدد مسلمان طالبات کا اسکول میں داخلہ معطل کر دیا تو حکومت نے اعلان کیا کہ کہ اس معاملے کا فیصلہ مقامی اسکول کے اہل کار کریں گے۔ اس سے مسلم طالبات اسکول اہل کاروں کے رحم کرم پر آ گئیں اور حجاب پہنے کا رواج کسی حد تک رک گیا۔ حجاب پہنے کی تازہ لہر چند ماہ پہلے شروع ہوئی اور کئی اسکولوں میں پھیل گئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فرانس میں اسکارف پہنے والی طالبات کی تعداد سات سو سے بارہ سو تک پہنچ گئی۔

فرانسیسی حکام اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد کا خیال ہے کہ حجاب پہنے کی لہر کا تعلق الجزائر مراکش اور تیونس کی اسلامی تحریک سے ہے فرانس میں آباد مسلمانوں میں سے زیادہ کا تعلق انہیں ممالک سے ہے۔

فرانس کے ایک میگزین کا کہنا ہے کہ اسلامی اسکارف دوسرے مذاہب کی

چھوٹی چھوٹی علامات سے بلکل مختلف ہے مثلاً اسکارف ،صلیب سٹار آف ڈیوز ،یا ''اللہ ،کے نام سے مختلف ہے جو عموماً زنجیروں کے ساتھ پہنے جاتے ہیں کم ہی دکھائی دیتے ہیں اور کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتے۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد میگزین لکھتا ہے کہ اسلامی سکارف سر پر اوڑھے جانے والا سادہ رومال نہیں ہے اور نہ اسلامی عقیدہ کے لئے کوئی سادہ اظہار ہے بلکہ یہ عورتوں کے لئے ایک قید ہے اور جنسی عدم مساوات کی علامت۔ اگر حجاب پہنے کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا تو پھر کئی اور مطالبات بھی سامنے آئیں گے۔ متعدد کیسوں میں حجاب پہننے والی طالبات نے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں فزیکل ایجوکیشن ،میوزک ، بیالوجی کے اسباق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ (مسلمان) مستقبل میں مخلوط تعلیم کے خاتمہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

## مردہ کواکچی کو اسکارف کے لئے ۱۳۷۰۰۰ ڈالر کی پیشکش

بھارتی جریدے ریڈنس نے عرب پریس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ترکی کی عالمی شہرت کے حامل سیاستدان خاتون مردہ صفا کواکچی جس ہیڈ سکارف کے باعث اسمبلی رکنیت اور ترکی کی شہریت سے محروم کر دی گئی ہیں اس سکارف کے بدلے ۱۳۷۰۰۰ امریکی ڈالر پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پیشکش قطری خاتون مریم بنت علی بن سلطان العلی جو ایک بزنس مین کی بیٹی ہے نے کی ہے اس خاتون نے عرب پریس کو بتایا کہ وہ کواچی کی مدد کرنا چاہتی ہے۔

**اسلامی نام:** ماریہ **ملک کا نام:** امریکہ

# امریکہ میں لیڈی ڈاکٹر کا قبول اسلام

امریکہ کی اس نوجوان ڈاکٹر نے ترجمہ قرآن پاک کا ناقدانہ نظر سے مطالعہ کیا ہے، دوران مطالعہ وہ اس کے اندر (مغرب کی مزعومہ) غلطیاں ڈھونڈتی تھی، لیکن اس وقت اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اسے اس لازوال کتاب میں اپنے ہر اس سوال کا شافی اور تسلی بخش جواب مل گیا، جو بچپن ہی سے اس کے ذہن ودماغ میں گردش کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ بعد ہی اس نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا اور اب اس کا اسلامی نام ماریہ ہے۔

۲۵ سال کی جواں سال امریکن ڈاکٹر اپنی سرگزشت آپ ہی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ امریکہ کے صوبہ کلیولینڈ میں میری پرورش ایک دیندار متشدد کیتھولک گھرانے میں ہوئی، علم النفس میں، میں نے B.A کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد میں نے میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا جہاں اس وقت میں M.A کا مقالہ تیار کر رہی ہوں، مگر میں اپنے عقائد اور افکار وخیالات سے مطمئن نہیں تھی مجھے ہمیشہ ایک مبہم سا انجانا کرب واضطراب ستا تا رہا ہے اور ''تثلیث'' کی ماہیت وحقیقت کے متعلق میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات اٹھتے رہتے۔ مزید برآں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس فرقوں میں بٹ کر نصرانیت ومسیحیت کا تصور کیوں مختلف ہو جاتا ہے؟ اور ہر ایک کے اندر اس کا ایک خاص مفہوم کیوں متعین ہو جاتا ہے؟ میرا ایمان تو صرف ایک اللہ پر تھا، غلطی وسچائی اور حق وناحق کے درمیان میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، مگر اسلام کے متعلق سنجیدگی سے اس زاویہ نظر سے کبھی نہیں سوچا کہ یہ بھی کوئی قابل قبول اور قابل تقلید دین ومذہب ہے۔ اسلام کے متعلق میرا جو کچھ تصور تھا، وہ صرف یہ تھا کہ وہ یرغمالیوں اور جنگوں اور دہشت گردی وتشدد پسندی، انتہاء پرستی وبنیاد پرستی کا دین ہے اور یہ کہ مسلمان قتل وخونریزی، ظلم وسفاکی کی خوگر ایک وحشی قوم ہے۔

**محترمہ ماریہ مزید کہتی ہیں:**

''میرے قبول اسلام کی کہانی اس وقت شروع ہوئی جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ترجمہ قرآن پاک کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ شروع کیا تاکہ مجھے یہ معلوم ہوسکے کہ آیا یہ حق ہے یا باطل؟ لیکن اس وقت میں حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات میں ڈوب کر رہ گئی جب میں نے دیکھا کہ اسلام کا عقیدہ تو نہایت واضح روشن اور صاف ستھرا ہے اور اس کے اندر خدا کا جو تصور ہے وہ بھی بے غبار ہے یعنی ''انما ھو الہ واحد'' ''تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے''۔

مطالعہ کے بعد مجھے ایک طرح کی ذہنی آسودگی اور قلبی اطمینان وسکون حاصل ہوا اور جو سوالات میرے حاشیہ ذہن پر گردش کر رہے تھے قرآن میں مجھے ہر ایک کا تسلی بخش جواب مل گیا۔ اس کے بعد تو میں نے قرآن پاک اور دیگر اسلامی موضوعات کے مطالعہ کو اپنا محبوب مشغلہ بنالیا اور اسلام کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے اچھی طرح مطالعہ کیا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور اسلامی تاریخ کا بھی مطالعہ کیا۔ اسلام نے صنف نازک کو جو مقام و مرتبہ اور حقوق صدیوں سے دے رکھا ہے اس نے میری نگاہوں کو خیرہ کر دیا جب کہ امریکہ میں عورتوں کو اپنے حقوق کی بازیابی اور برابری کے مطالبے کی تاریخ چند سالوں سے زیادہ نہیں۔

اس کے بعد دوسرا قدم میں نے یہ اٹھایا کہ مسلم مردوں، عورتوں اور ان کے عائلی و خانگی زندگی کا تجزیہ کرنا شروع کیا اور امریکہ کی اور ان کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کا تقابل و موازنہ کیا اور یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ حسن اتفاق سے میری ملاقات بعض دیندار اور شریف مسلم گھرانوں سے ہوئی ان کے طریقہ زندگی، طرز معاشرت، خانگی آداب، بچوں کی نگہداشت اور ان کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ دیکھ کر میں مسحور ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے سے پیار ومحبت کا معاملہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے اور اس کا بالمقابل جو بھی کام کرتا ہے اسے قدر و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ وہ بات ہے جو امریکہ کے بیشتر گھرانوں میں عنقاء ہے۔

سوال: آپ یہ بتائیے اسلام میں عورتوں کے ساتھ جو احکام مخصوص ہیں ان میں کون سا حکم آپ کو سب سے زیادہ پسند آیا؟

جواب: حجاب کیونکہ مجھے مکمل یقین اور اطمینان ہے کہ عورت کا اپنے جسم کو ڈھکا رکھنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مردوں سے کمتر ہے، بلکہ یہ اس کے تحفظ اور احترام و اکرام کا خاص حق ہے اس طرح اسلام مطلقہ عورتوں کو خاص مدت تک نفقہ دیتا ہے اور مزید اسے شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اگر امریکہ میں ایسا ہوتا تو ہزاروں مطلقہ عورتیں یوں بے گھر، دربدر ماری ماری نہ پھرتیں۔ پھر یہ کہ اسلام نے عورتوں کی اصلی ذمہ داریوں کو بھی وضاحت کے ساتھ تجدید کی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے گھر وعیال بچوں کی نگہداشت کرے کیونکہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے وقت دینا دراصل تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی کے مترادف ہے بصورت دیگر بچے شتر بے مہار کی طرح بلا کسی تربیت کے پرورش پائیں گے جیسا کہ آجکل امریکہ میں عام طور سے دیکھنے کو ملتا ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں ہم امریکہ کے معاشرہ میں کس طرح اسلامی دعوت دے سکتے ہیں؟

جواب: امریکیوں کے نزدیک اسلام کا تصور نہایت ہی گھناؤنا اور مسخ شدہ ہے جو بہت حد تک سیاست سے جڑا ہوا ہے۔ ذہنی طور سے وہ اسلام کو ایک جنگجو اور لڑاکا مذہب گردانتے ہیں جو ہمیشہ آمادہ قتل و خونریزی اور آمادہ دہشت و بربریت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کبھی بھی اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر نہیں دیکھتے اس لئے ہمارے لئے سب سے زیادہ جو ضروری ہے وہ یہ کہ ہم انہیں اسلام کا ہر زاویہ سے تعارف کرائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ اسلام ایک مکمل ہمہ گیر نظام حیات ہے اور ان کے سامنے عملی زندگی میں اچھا نمونہ پیش کریں اور ہم تمام مسلمان اپنے خاندانوں کی عمارتیں اسلامی اصولوں کی بنیادوں پر استوار کریں۔

**سابقہ مذہب**: یہودی **ملک کا نام**: مراکش

# یہودیت سے اسلام تک

اسلام میں خوش آمدید الحمدللہ بہن خوش آمدید!

یہ کہتے ہوئے میری نئی بہنیں مجھے گلے سے لگاتی اور چومتی ہیں ایک معمر اور محترم افغان خاتون تو میرے رخسار کے تین بوسے لیتی ہیں۔ اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں، منہ میں دانت نہیں مگر مسکراہٹ میرے لئے سحرانگیز ہے، زبان کی دیوار نے ہمیں الفاظ کے تبادلے سے روک دیا لیکن اظہار محبت کے لئے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس طرح میرے اس روحانی سفر کے آخری مرحلے کا آغاز ہوا جو مجھے یہودیت سے ''یہود برائے مسیح'' (Jew for Jesus) کے مختصر دور میں لایا۔ اس کے بعد ایک بار پھر میں نے یہودیت آزمائی۔ پھر طویل خشک عرصہ ایسا گزرا جس کے دوران میں کسی مذہب پر عمل پیرا نہ تھی اور نہ مذہب کے اندر سچائی ڈھونڈنے میں سرگرم۔ میری زندگی کا یہ خلا اس وقت ختم ہوا جب میں نے ''بدھ مت کے تین جواہر'' میں پناہ لی۔ یہ مرحلہ پانچ برس پر محیط رہا کم وبیش دو سال پہلے میری ملاقات ایک غیر معمولی انسان سے ہوئی جس نے اسلام کو مجھ سے متعارف کرایا۔ لیکن پہلے میں آپ کو تھوڑا سا ماضی میں لے جانا چاہتی ہوں۔

میں نے مراکش میں یہودی والدین کے ہاں پرورش پائی، میرے دادا، دادی اور میرے والدین گھر میں یہودی روایات پر سختی سے عمل پیرا نہیں تھے۔ ہم سال میں تین بڑی چھٹیاں مناتے ہر ہفتے میں اپنے دادا کے ہاں ''سبت'' منانے جاتی لیکن وہاں سبت کے قوانین کی زیادہ پابندی نہیں ہوتی۔ میرے والد اور چچا تو ظہرانے کے فوراً بعد ہی سگریٹ سلگا لیتے۔ صومعہ (Synagogue) میں مقدس دنوں کے دوران میں اپنے والد اور دادا کے درمیان بیٹھنا پسند کرتی اور سفید اور نیلی دعائیہ چادروں میں لپٹے لوگوں کو لمنانیہ دعا کے ساتھ ساتھ جھومتے دیکھتی۔ سب سے زیادہ مجھے شوفار (مینڈھے کا

سینگ) نامی گیت سننا پسند تھا۔ اس کی اور ہی دنیا کی آواز میرے رونگٹے کھڑے کر دیتی تاہم گھر میں مذہب ایک بڑے کھانے کے خاندانی اجتماع سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

مصر سے یہودیوں کی خلاصی ہونے کی خوشی میں برپا ہونے والی ضیافت ''پاس اوور'' کے موقع پر میرے دادا خروج (Exodus) کی کہانی پوری پڑھ کر سناتے کس طرح فرعون (قبطی) بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے؟ کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مصریوں کی غلامی سے چھڑا کر لائے اور کس طرح فرعون منفتاہ اور اس کا لشکر تعاقب کرتے ہوئے بحیرہ قلزم میں غرق ہوگیا۔ لیکن اس وقت میں اتنی چھوٹی تھی کہ اس کہانی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں اس تقریب میں بس کھانا پسند کرتی تھی، بعد میں جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو ان کا فریضہ بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے میرے والد نے سنبھال لیا۔ مگر وہ کبھی پوری کہانی نہیں پڑھتے تھے ہم سب یوم کپور (کفارے کے دن) کو روزہ رکھتے اور میں سمجھتی تھی کہ روزہ رکھنے کا تصور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ میں ہمیشہ یہ کہہ کر مزاح پیدا کرتی کہ ایک دن تو میرے اپنے گناہوں کے کفارے کیلئے بھی کافی نہیں۔ یہودیت ایک مذہب تھا جسے میں اپنا کہہ سکتی تھی لیکن یہ رسوماتی، کھوکھلا اور روحانیت سے خالی تھا۔ اس میں روزمرہ کی عبادت تھی نہ اجتماعی اللہ کا ذکر تک نہ آتا تھا لیکن میرے اندر ان ابتدائی برسوں ہی میں ایک نوزائیدہ روحانیت فروزاں تھی۔ اتوار کو گرجے کی گھنٹیاں جیسے ہی سنائی دیتیں، میرے قدم بڑے سفید کلیسا کی طرف اٹھ جاتے، میں شوق سے اندر چلی جاتی اور دیکھتی کہ کیتھولک مسیحی کیا کرتے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ ''مقدس پانی'' میں ڈبوتی اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتی اور رکوع میں چلی جاتی۔ مؤذن کی سحر انگیز آواز آتی تو میں بالکنی میں جا کر لوگوں کو نماز کے لئے صفیں درست کرتے دیکھتی، جب کبھی میں بعض عیسائی راہبات (Nuns) کو لمبے سیاہ چغے پہنے دیکھتی تو میں بھی انہی کی طرح عبادت کرنے کی متمنی ہوتی۔ اس پس منظر میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے اللہ اور سچائی کی تلاش میں اپنی زندگی بسر کی ہے۔ میری حالت اس اجنبی کی سی تھی جو کسی انجانے شہر میں آ پہنچا ہو اور کبھی ایک چوک میں رکتا ہو اور کبھی دوسرے میں۔ میں کبھی منزل کے قریب پہنچتی تھی اور کبھی دور ہو جاتی تھی مگر اس عزم سے سرشار تھی کہ آخر کار میں راستہ پالوں گی۔

''جسے اللہ ہدایت دینا چاہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے''۔ (الانعام۔۶:۲۵)

۱۹۶۶ میں ہم امریکہ واپس آئے، میری عمر انیس برس تھی مجھے یہاں ایک بڑے ثقافتی صدمے سے دوچار ہونا پڑا مجھے یاد ہے کہ جب میں امریکہ میں پہلی بار ایک معمر پھوپھی کی تدفین پر صومعہ میں داخل ہوئی تو مجھے شرمساری نے آلیا میں دعا خواں اور ربی کے نامانوس لہجے پر اپنی ہنسی روک نہ سکی عبرانی بولنے کا یہ انداز کس قدر مضحکہ خیز تھا اور پھر میری تمام عمرزاد لڑکیوں کے بالغ ہونے کی تقریبات ''بیت متسوا'' منائی جانے لگیں۔ مراکش میں یہ نام کبھی نہیں سنا تھا لہٰذا مجھے اور میرے ابا کو اس کے تصور ہی پر ہنسی آئی، میں اپنی حد تک ''بیت متسوا'' کی خواہاں نہ تھی تاہم انہیں اس تقریب کی تیاری کے لئے عبرانی اور توراۃ کے سبق لیتے دیکھتی تو مجھے ان پر رشک آتا۔

۱۹۶۸ء کی تعطیلات گرما میں ایک ماہ کے لئے میں اسرائیل پہنچی تو مجھے وہاں کی ہر شے سے محبت ہوگئی، اسرائیل مراکش ہی کی طرح تھا، لہٰذا میں نے واپس آ کر وہاں رہنے کی خواہش ظاہر کی والدہ نے کہا ہرگز نہیں میں نے تہیہ کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو، میں پھر آؤں گی چنانچہ ۱۹۷۲ء میں لوٹ کر اسرائیل آئی میں یہاں عبرانی سیکھنے اور ایک کیبوٹس (Kabbutz اجتماعی فارم) پر کام کرنے لگی میں نے اس امید پر ایک مذہبی کیبوٹس کا انتخاب کیا کہ اپنے مذہب کی تعلیمات جان سکوں۔ لیکن تین برس بعد عالم یاس میں اسے چھوڑنا پڑا۔ میں نے عبرانی سیکھی اور اوامر ونواہی کھانے پینے کے ضابطوں اور مقدس دنوں کی بارے میں بہت کچھ جانا لیکن یہودیت کے متعلق کچھ نہ سیکھ پائی۔ میں سمجھنا چاہتی تھی کہ آخر ہم یہودی ''احباء اللہ'' (اللہ کے پیارے) کس طرح ہیں اور اس ''منتخب قوم'' سے دنیا میں نفرت کیوں کی جاتی رہی ہے اور اسے ابتلا سے کیوں گزرنا پڑا؟

کیبوٹس سے رخصت ہو کر میں فلسطین کے طول وعرض میں گھومتی پھری، جزیرہ نما سینا کے جنوبی سرے تک گئی۔ الطّور میں ٹھہری جو بھوتوں کا مسکن لگتا تھا جسے اس کے باشندے (اسرائیلی قبضے کی وجہ سے) چھوڑ کر جا چکے تھے اور سینا کے مغربی ساحل پر شمال کی جانب ابو ردیس کا سفر کیا۔ یہ تمام سفر میں نے فوجی جیپوں، بسوں اور ٹرکوں

وغیرہ پر کیا۔ عرب لڑکے مجھے حیرت سے دیکھتے کہ یہ تنہا لڑکی اس ریگستان میں کیا کر رہی ہے ایک مرحلے پر میں نے گھر واپسی کا ارادہ کیا مگر میرے والد نے رقم نہ بھیجی اور میں نہ جاسکی۔ میں ان کی خواہش کے برعکس اسرائیل آئی تھی اس لئے اب وہ مزید میری کفالت کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے جواب ارسال کیا کہ ''تیر کر گھر آجاؤ'' مجھے بڑا صدمہ ہوا۔

اور اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں، جب کچھ یسوع کے دیوانوں سے میرا واسطہ پڑا وہ اپنے آپ کو ''یہود برائے یسوع'' کہہ رہے تھے میں کچھ جاننے کیلئے ان کے ساتھ گئی وہ عہد نامہ عتیق کی بعض آیات سے مجھ پر ثابت کرنا چاہتے تھے (حالانکہ مجھے قائل کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی) کہ عیسیٰ یسوع کی آمد اور جیسے ان کا استقبال اور ان سے برتاؤ ہوا یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتب میں بیان ہوا ہے۔

آخر کار میں گھر لوٹ آئی اور اپنے والدین سے ''یہود برائے یسوع'' کا تذکرہ چھیڑا تو انہیں قدرتی طور پر اسے قبول کرنے میں دقت ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے التجا کی کہ میں یہودیت کو ایک موقع اور دوں۔ یہاں سے میری زندگی کے اس خشک دور کا آغاز ہوا جو بارہ سال تک طول کھینچ گیا مجھے اپنا ذہن صاف کرنے کے لئے مہلت درکار تھی مجھے فخر ہے کہ اپنی بعض کم خوش نصیب سہیلیوں کے برعکس میں کوریائی ''سن مائینگ مون'' کے پیروکاروں (Moonies) اور ہرے کرشنا جیسے فرقوں کے پیچھے کبھی نہ گئی۔

۱۹۸۶ء میں ایک مشنری نے میری بیٹی کو ایک پمفلٹ تھما دیا۔ جس میں ''شوشو بدھ مت'' کے بارے میں کچھ لکھا تھا میں بدھ مت کے متعلق بہت کم جانتی تھی مگر اتنا ضرور پتہ تھا کہ وہ لوگ بیرون ملک مبلغ نہیں بھیجتے۔ میں ان کے دام میں نہ آئی تاہم ایک بدھ مرکز ڈھونڈ لیا اور مذہب کا سراغ پانے میں کھوگئی پانچ سال تک میں بدھ مت پر عمل کرنے میں کوشاں رہی اس میں غور وفکر کیا اور فرقہ ''مہایان'' کی پیروکار بنی جس کے معنی ہیں ''عظیم گاڑی'' اس دوران میں تبتی یا ''وجرایان'' فرقے سے متعارف ہوئی جس کا لغوی مفہوم ہے ''ہیرا گاڑی'' جو تمام رکاوٹیں پار کرتی چلی جاتی ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت جیسے وحدانیت کے علمبردار مذاہب سے بیزار ہونے

کے بعد خدائے مطلق کی تلاش میں بدھ مت کی طرف مائل ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ تو مذہب سے زیادہ ایک فلسفہ حیات ہے۔ اس میں گناہ (اور جرم) کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ہر بات سبب اور نتیجہ ہے، عمل اور رد عمل ہے، انسان اپنے اعمال کے لئے بڑی حد تک ذاتی طور پر ذمے دار ہے، وہ خود اپنا جج اور منصف ہے مجھے بتوں کے آگے جھکنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ دیوتاؤں کے نمائندے ہونے کے بجائے مہاتما بدھ کی فطرت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ لیکن جب میں فرقہ ''وجرایان'' کے اندر گہرائی میں گئی تو مجھے درجنوں دیوی دیوتاؤں، پیچ در پیچ مذہبی رسوم، مشکل وظائف الاپنے کے لئے طویل منتروں اور تبتی زبان سے واسطہ پڑا۔ بتدریج میں ایسے مرحلے میں داخل ہوگئی جہاں کئی سابق یہودی اور سابق عیسائی (جن میں کئی راہب اور راہبات ہوتے ہیں) بدھ مت کے مطالعے اور عمل کے دوران کہیں بعد میں پہنچتے ہیں، میں اپنے دل میں سمجھتی تھی کہ اگر مہاتما بدھ ایک بار پھر دنیا میں آجائے تو وہ دیکھ کر شدید صدمے سے دوچار ہوگا کہ اس کی تعلیمات کا کیا حشر ہوا ہے اور کس طرح کروڑوں بدھ مت کے پیروکار اسے خدا جان کر اس کی پوجا کرتے ہیں وہ پیپل کے نیچے بیٹھ کر جوگیان دھیان کرتا رہا تو کیا اس کا مقصد یہ تھا جس پر آج اس کے پیروکار عمل پیرا ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ناخوش ہوں گے کہ ان کے پیروکار کیا سے کیا ہوگئے ہیں؟ میں جو مسلمان ہوئی تو صرف اس لئے کہ میں اسلام (تمام ادوار اور تمام زمانوں کے لئے ایک عقیدہ اور ایک ضابطہ حیات) اور مسلمانوں میں فرق کرسکتی تھی۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا، میری ملاقات ملائشیا کے ایک طالب علم سے ہوئی جو تین اور طالب علموں کے ساتھ میرے مکان سے متصل آ ٹھہرا تھا۔ ان میں سے ایک کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ایک ہیلتھ فوڈ سپر مارکیٹ میں بھی ملا تھا جہاں وہ جز وقتی کام کرتا تھا۔ جب چاروں ہماری ہمسائیگی میں آ گئے تو وہ علیک سلیک کرنے آیا۔ اس کے بعد میں دوسروں سے ملی اور ہم نے ایک دوسرے کو عشائیے پر بلایا۔ وہ میرے گھر میں بدھ مجسمے اور بت دیکھ کر بڑے بدمزہ ہوئے لیکن ان میں سے ایک اس فکر میں پڑ گیا کہ یہ عورت، ایک یہودن، بدھ مت کی حلقہ بگوش کیسے ہوگئی۔ ہم کئی گھنٹے گفتگو کرتے رہے اور

بہت جلد مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ ہم نے سلیمان رشدی، آیت اللہ خمینی اور اسلام میں عورتوں پر مبینہ جبر جیسے موضوعات پر باتیں کیں، مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ بعض اسلامی ممالک میں اگرچہ خواتین واقعی کس قدر جبر کا شکار ہیں مگر دوسرے اسلامی ممالک میں اگرچہ خواتین واقعی کسی قدر جبر کا شکار ہیں مگر دوسری اسلامی ممالک میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اسلام کو مجھ پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کی بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ اسلام کی خوبیاں آشکار کر دیں۔ گفتگو میں اسلامی پردے ''حجاب'' کا بھی ذکر آیا۔ میرا تصور یہ تھا کہ مسلمان مردوں کو عورت کی کشش بے قابو اور دیوانہ بنا دیتی ہے۔ اس لئے مسلمان عورت کو ان سے محفوظ رہنے کے لئے پردے میں لپٹی رہنا چاہیئے، اس مرد شریف نے قرآن سے حقائق کھول کر بیان کیے اور سلسلے میں اپنے خاندان کی مثالیں دیں۔ میں سمجھتی تھی کہ مسلمان عورت کو اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس نے بڑے لطیف انداز میں بتایا کہ اس کیلئے یہ کس قدر مسحور کن بات ہے کہ وہ اپنی بیوی کو گھر سے باہر غیر مردوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے مناسب لباس پہنے دیکھے اور گھر کے اندر اس کے ٹخنوں کی خوبصورتی، اس کے گول بازوؤں کی ملائمت اور نگاہوں سے اوجھل اس کی حسین گردن کے تصور اور اس کی تمنا میں کھویا رہے۔ میں حیرت سے اسے دیکھا کرتی، مغرب میں خواتین کے یہ اعضا دیکھنے کی چیز خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ میں نے مغربی لباس اور مغربی طور اطوار پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی تو احساس ہوا کہ اپنی تمام تر ذاتی آزادی سے لطف اندوز ہونے کے باوجود ہم خوش نہیں۔ ہم سب اداس اور زخمی روحیں ہیں جنہیں ذرائع ابلاغ نے بے وقوف بنا کر ڈالر کی قوت خرید کی پوجا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ہزاروں ڈالر نسوانی جسم کو ''خوبصورت'' بنانے پر صرف کئے جاتے ہیں خواہ اس میں ان کا شرف انسانیت ہی کیوں نہ چھن جائے اور جو عورتیں ٹیپ ٹاپ کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھتیں کیونکہ وہ بہت موٹی یا بہت پتلی ہوتی ہیں وہ زندگی کے عذاب سے دوچار ہو کر مریض بن جاتی ہیں۔

میرا یہ مونس و غمخوار بھی حقیقی اسلام کی عملی شکل کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ اسے شدید احساس تھا کہ کس طرح برسراقتدار لوگوں نے بہت کچھ اپنے مفادات کے مطابق

ڈھال لیا ہے لیکن اس کا پس منظر مجھ سے مختلف تھا۔ اس کے خاندان والے اکٹھے نماز ادا کرتے تھے وہ شام کو مل بیٹھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے مذہب ان کی زندگی کا محور تھا۔ میں اس پر بہت رشک کرتی، میں نے اسلام کے بارے میں گمراہ کن تصورات کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا تھا جسے اس نے ایک ایک کر کے میرے سر سے اتار دیا۔ یہ کام اس نے مثالوں سے، اپنے سلوک سے اور قرآن کے صفحات سے رہنمائی کرتے ہوئے کیا۔ وہ نماز پڑھتا میں اسے دیکھتی رہتی، بعض اوقات وہ مجھے دیکھتا جبکہ میں گیان دھیان میں لگی ہوتی۔ کبھی کبھی ہم دیہاتی علاقے میں کسی پہاڑی پر یا دریا کے کنارے جانکلتے اور وہاں اپنی عبادت بجالاتے۔

میں مزید ایک برس تک بدھ مت کی حلقہ بگوش رہی۔ اس دوران مطالعہ اور صرف مطالعہ میرا اوڑھنا بچھونا تھا میں نے اسلام، دنیائے عرب اور شرق اوسط کی سیاسیات پر بے شمار کتابیں اور جرائد چاٹ ڈالے۔ میں نے ہارڈ فورڈ سیزی کے مطالعہ اسلام کا پروگرام سنا اور وہاں عربی پڑھنے جا پہنچی۔ وہیں پروفیسر ابراہیم ابوزبیع سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے لیکچر سننے کی دعوت دی۔ سیزی کی مطبوعہ ''دی مسلم ورلڈ'' میں پہلی باری میں نے علی شریعتی کا نام پڑھا اور پھر تلاش کر کے ان پر اور ان کی تصانیف پڑھیں۔ ان کی تحریروں نے مجھے بڑا متاثر کیا مجھے ان کے دنیا سے اٹھ جانے کا افسوس ہوا۔ اب میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے شروع کئے، انہیں اس پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی تاہم کسی نے مجھ سے کبھی نہ پوچھا کہ میں کب اسلام قبول کر رہی ہوں۔ وہ مجھے اپنی برادری کی رکن جان کر یہ احساس دلاتے کہ انہیں مجھ سے انس اور ہمدردی ہے، خواہ میں یہودی ہوں یا عیسائی۔

آخر کار فیصلہ کن موڑ آ گیا جب مجھے ایک ملائیشی بھائی نے ایک کتاب پڑھنے کو دی اس نے گریجویشن کی تھی اور اب گھر لوٹ رہا تھا۔ یہ کتاب تھی مورس بوکائی کی ''دی بائبل، دی قرآن اینڈ سائنس'' یہ میرے لئے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فیصلہ کرنے میں آخری محرک ثابت ہوئی۔ اس کتاب نے تمام باقی سوالوں کا جواب دیا جو اسلامی عقیدے اور سائنس، ٹیکنالوجی اور ماحول کے حوالے سے اسلام کے متعلق میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔

ایک مسلمان بھائی نے مجھے قرآن کا تحفہ دیا تھا۔ اب مورس بوکائی کی کتاب سے میرے اندر قرآن پڑھنے کا ذوق وشوق امنڈ آیا تو میں التزام سے اس مقدس کتاب کی تلاوت کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور ایک بار جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہر طرف سے مجھے مدد ملنے لگی۔ عرصہ پہلے میں نے اپنے دوست سے کہا کہ وہ مجھے نماز پڑھنا سکھا دے لیکن اس نے ہامی نہ بھری تھی وہ مجھ سے بہتر جانتا تھا کہ ابھی میں اس کے لئے تیار نہ تھی۔

اپنی حد تک میں کچھ عرصے سے مسلمان ہو چکی تھی، تاہم دنیا کے سامنے میں نے ۹ فروری ۱۹۹۲ء کو اسلام قبول کرلیا۔ اس نعمت سے بہرہ ور ہونے پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتی ہوں۔ الحمد اللہ

**سابقہ مذہب** :رومن عیسائی کیتھولک **اسلامی نام**: عائشہ جان **ملک کا نام** :لندن

# ایک انگریز خاتون عائشہ جان کیسے بنی؟

بیگم عائشہ جان ایک نومسلم خاتون ہیں، لندن کے مسلمان حلقوں میں انہیں ''ماں جی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ماں جی کے دل میں اسلام کے لئے بڑی لگن اور تڑپ ہے۔ ۱۸ سال پہلے لندن کے ایک جریدے میں ان کا انٹرویو شائع ہوا تھا ہم اسے ذیل میں درج کرر ہے ہیں۔

میں ۱۸ سال قبل ۱۹۵۲ء میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ خاندان کے افراد رومن کیتھولک تھے اور میری پرورش وتربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے، بچپن ہی سے مجھے اس ماحول کی کئی باتوں سے کوفت ہوتی تھی، میں سور کے گوشت سے نفرت کرتی تھی۔ جب یہ گھر میں پکتا تو اس کی بو سے مجھے گھن سی آتی اور میں کسی نہ کسی بہانے اس کی بو سے بچنے کے لئے باہر چلی جاتی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آبائی مذہب سے میری بیزاری بڑھتی گئی۔ میں زیادہ وقت کتابیں پڑھنے میں گزارتی اور قریبی لائبریریوں میں جا کر عام معلومات کی کتابیں پڑھتی رہتی۔ بچپن میں میں نے بزرگوں سے سنا تھا کہ مشرق تمام حکمت و دانائی کا منبع ہے اور تمام مذاہب کی ابتداء مشرق سے ہوئی ہے، اس لئے مشرق کی تاریخ، تمدن اور علوم پر کتابیں پڑھنا اور اس معاملہ میں زیادہ توجہ دینا لازمی بات تھی۔ یہی جستجو اور یہی کشش مجھے آہستہ آہستہ اسلام تک لے آئی جب میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا تو اسلام کی شاندار تاریخ سے بیحد متاثر ہوئی۔ اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے وہ بھی صرف اس مذہب کی عظمت کی دلیل ہے، غیر مسلموں اور مفتوحہ علاقوں کے لئے لوگوں کے ساتھ اسلام کی رواداری کے واقعات نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ مجھے جلد معلوم ہوگیا کہ اسلام ہر مذہبی اور غیر مذہبی بات کو عقل و دلائل پر پرکھنے کی دعوت دیتا ہے اس کے برعکس عیسائیت نے خدا اور انسان کے درمیان توہمات کی دیوار کھڑی کررکھی ہے۔ ان انکشافات کے بعد میں اسلام کی زیادہ

قائل ہوگئی۔ جوں جوں میں اسلامی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتی مجھے عیسائیت کے توہم پرستانہ اور مافوق الفطرت عقائد سے نفرت ہوگئی۔ اسی دوران روح اسلام کتاب (Spirit of Islam) میرے ہاتھ لگی، جو کمی رہ گئی تھی وہ اس نے پوری کردی۔ اس کتاب نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی اور اسلام کی صداقت اور روحانیت مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہوگئی، اس کے بعد جلد ہی وہ دن بھی میری زندگی میں آ گیا جب میں باقاعدہ طور پر اس عالمگیر اسلامی اخوت میں شامل ہوگئی اور میں نے خلوص دل سے اسلام قبول کرلیا۔ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ اللہ نے مجھ ناچیز پر نظر عنایت کی اور مجھے اسلام کے لئے چن لیا۔ اللہ نے نہ صرف مجھے اسلام کی دولت سے مالا مال کیا بلکہ اس سے میری لڑکی بھی بہرہ ور ہوئی، وہ بھی مسلمان ہوگئی، اس وقت وہ پاکستان میں ہے جہاں اس کے شوہر ہیں راولپنڈی میں ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کروں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ لندن میں مجھے بڑی حد تک اپنی مسلمان بہنوں کی خدمت کا موقع ملتا رہتا ہے۔ ہماری ایک انجمن ہے جو ''انجمن مسلم خواتین'' کے نام سے موسوم ہے۔ میں ۱۹۶۲ء میں اس سے منسلک ہوئی تھی، اس سال میں اس کی صدر چنی گئی ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ملکوں سے آئی ہوئی خواتین کے لئے ایسی جگہ اور مواقع فراہم کئے جائیں جہاں وہ آپس میں تبادلہ خیالات کریں۔ اس اجنبی ماحول میں اپنے سماجی، ثقافتی اور مذہبی مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کریں اور اس طرح ایک دوسرے کی مددگار اور معاون ثابت ہوں۔

اس انجمن کا ایک اور اہم مقصد یہ ہے کہ اپنے ممبروں میں رفاہی اور بہبود کے کاموں سے دلچسپی پیدا کرے۔ ہم حتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ غریب اور محتاج مسلمانوں خصوصاً بچوں کی مدد کریں، وقتاً فوقتاً ہم فلسطینی اور کشمیری مہاجرین کے لئے کپڑے اور دوسری ضروریات کی چیزیں جمع کرکے بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے مسلمان بچوں کے لئے ''مدینہ ہاؤس'' کے نام سے ایک ادارہ بھی کھول رکھا ہے جہاں ایسے بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش و تربیت کی جاتی ہے جو اپنے والدین سے محروم ہوچکے ہیں یا کسی اور مجبوری سے والدین ان کی دیکھ بھال نہیں کرپاتے۔

میں سمجھتی ہوں کہ آج بھی اگر برطانیہ میں اسلام کی تبلیغ باقاعدگی اور سرگرمی سے شروع ہو جائے تو صرف ربع صدی کے اندر یہاں کی آبادی کی خاصی تعداد اسلامی حلقے میں شامل ہو سکتی ہے۔

موجودہ معاشرتی نظام سے اس ملک کی نئی پوچ کی بیزاری کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ اس کی بنیادیں عیسائی کلیسا کے فرسودہ عقائد پر رکھی گئی ہیں۔ یہ لوگ ''ہپی'' بن رہے ہیں، یا منشیات کا شکار ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خلاء کو اسلام سے پُر کیا جائے۔ افسوس ہے! کہ مسلمان تبلیغی کاموں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے، میری یہ بڑی خواہش ہے کہ لندن میں ایک منظم اور فعاّل اسلامی معلومات اور اطلاعات کا مرکز ہو جہاں سے ہر شعبے پر کتابیں اور کتابچے دستیاب ہوں اسلامی حلقے کے نوجوان ہائڈ پارک کے اسپیکرز کارنر اور شہر کے مختلف گوشوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں، اسلام کی تعلیمات اور زریں اصول عملی اور بے مثال ہیں۔ ہمیں ان کے پرچار سے شرمانا نہیں چاہیئے بلکہ اس پُر آشوب دور میں اسلامی اصولوں کو عام کرنا چاہیئے تاکہ انسانیت کی نجات ہو۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی ضروری ہے، میرا مشاہدہ ہے کہ ہمارے بعض بہن بھائی نومسلموں کو بسا اوقات کوئی اہمیت نہیں دیتے ان کے انداز وسلوک سے اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی مسلمان ہونے کی وجہ سے خود کو نومسلموں سے برتر تصور کرتے ہیں اسلام سے متعلق نومسلموں کی معلومات عام طور پر محدود ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ خاص توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، اسلامی تعلیمات حاصل کرنے میں ان کی خصوصی مدد کرنی چاہیئے، انسان فطرتاً حساس واقع ہوا ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں سے کبھی کبھی ٹھیس سی لگتی ہے اس لئے مسلمان بہنوں اور بھائیوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ نومسلموں کو وہ اہمیت دی جائے جو ان کا حق ہے اور جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق بھی ہے۔

**سابقہ مذہب**: عیسائی **ملک کا نام**: برطانیہ

# میں کفر سے اسلام میں کیوں داخل ہوئی

ذیل میں بیان کی گئی خودنوشت ایک ایسی باعزم خاتون کی کہانی ہے جس کی پرورش گرجا گھر کے مذہبی ماحول میں ہوئی لیکن زندگی کا مقصد اس کے لئے ایک سربستہ راز ہی رہا۔ اس راز کو جاننے کے لئے اس نے کئی راستوں کی جادہ پیمائی کی لیکن منزل تو دور کی بات ہے نشان سفر ملنا بھی مشکل مرحلہ بن گیا۔ تاہم حق کی تلاش کا یہ سفر اس نے جاری رکھا۔ پھر باری تعالیٰ کا حکم ہوا اور نورِ ہدایت کی کرنیں ظلمتوں کی وسعتوں کو چیرتی ہوئی قلب بنت حوا پر اترنے لگیں۔

**اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور** ﴿البقرہ:۲۵۷﴾

''اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے، وہ انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی طرف۔''

لاریب یہ اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر اس کے باطن کو نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے، لیکن ہم وراثتی مسلمان ہیں اس کیفیت سے بالکل ہی نابلد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ہمارے یہاں بیٹیوں کے جہیز کا ایک عنصر بن کر رہ گیا ہے یا پھر کسی طاق یا الماری کی زینت بنا رہتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ عظیم کتاب ہے جو دل ونگاہ کے زوایئے بدل دیتی ہے۔ کاش کہ ہم بھی قرآن کی تعلیم اور اس کی حقیقتوں کو سمجھ پاتے اور انہیں اپنے دل میں اتار لیتے، تو رب کی زمین پر کہیں فساد نہ ہوتا کہ جب جبینیں خلوصِ دل کے ساتھ وحدہ لاشریک کے سامنے جھک جائیں تو انسان اس لڑی میں پرو دیا جاتا ہے جو بندے کو بندے سے جوڑ کر اسے کائنات سے جوڑ دیتی ہے۔

دیگر بچوں کی طرح میری پیدائش بھی جس ماحول میں ہوئی اس پر عیسائیت کا گہرا اثر تھا۔ والدین مجھے انگلیکن چرچ لے گئے جہاں مجھے بپتسمہ دیا گیا۔ جب میری عمر

اسکول جانے کی ہوئی تو مجھے گرجے میں واقع اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ یہاں ہمیں یسوع کی وہ کہانی بار بار ذہن نشین کرائی گئی جو انجیل میں درج ہے۔ یسوع کی کہانی نے مجھے بہت متاثر کیا اور میرا اکثر وقت گرجا گھر ہی میں گزرنے لگا جہاں نیم تاریک ماحول میں جلتی ہوئی شمعیں، صلیب پر لٹکے ہوئے یسوع کا مجسمہ اور کنواری مریم کی تراشیدہ مورتیاں عجیب سی پراسرار کیفیت پیدا کئے رکھتیں۔ پھر راہبوں کے لمبے لمبے چغے نہیں وہ اپنی کمر کے گرد رسیوں سے باندھے ہوئے ہوتے، ننوں کے سکارف سے ڈھکے ہوئے سر اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نظموں کو پڑھے جانے کی پس پردہ موسیقی اور دعائیہ انداز، یہ سب کچھ انتہائی پراسرار رسا لگتا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میرے دل و دماغ پر مذہبیت پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور اسی دوران بائبل سے بھی میری شناسائی زیادہ ہوتی چلی گئی۔

ایسا تعلیمی ماحول جہاں ہر شے عیسائیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی یقیناً کافی سخت گیر قسم کا تھا، لیکن دوران تعلیم مجھے یہ موقع ضرور ملا کہ میں دیکھو کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے اور جس پر میں یقین رکھتی ہوں، کیا عملی دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ حقیقت کی تلاش نے مجھے آہستہ آہستہ اس نہج پر پہنچا دیا جہاں مجھے کامل یقین ہو چلا کہ میرے گرد جو بھی ہے وہ مذہبی سہی مگر اطمینان بخش نہیں ہے بہت سے عملی تضادات نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ چنانچہ جب میں تعلیم سے فارغ ہوئی اس وقت تک میرا عیسائیت پر سے ایمان بالکل اٹھ چکا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایک عیسائی تعلیمی ادارے سے فراغت کے وقت میں ایک اچھی عیسائی خاتون ہونے کے بجائے پکی ملحد ہو چکی تھی۔

لیکن الحاد کا یہ دور ایک عبوری دور تھا۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرے قلب اور روح کو اطمینان مذہبی تعلیمات ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن کم از کم عیسائیت مجھے وہ اطمینان اور سکونِ قلب نہیں دے سکتی جس کی مجھے تلاش ہے۔ چنانچہ میں نے دنیا کے دیگر مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا، اس کی ابتداء میں نے بدھ مت مذہب سے کی اور نہایت ہی شوق کے ساتھ ''کپل وستو'' کے پیش کردہ ''طریقِ ہشت گانہ'' کا مطالعہ شروع کیا تاکہ زندگی کے کٹھن راستے کو سکونِ قلب کے ساتھ طے کیا جا سکے، لیکن جلد ہی مجھے یہ احساس ہو گیا کہ بدھ کے ''طریق ہشت گانہ'' کے مقاصد بظاہر تو دلکش

ہیں لیکن سفرِ حیات کے لئے جس رہنمائی اور راستے کی ضرورت ہوتی ہے بدھ مت اس سے بالکل تہی دست ہے۔

جہاں تک ہندو مت کا معاملہ ہے عیسائیت کے تین خداؤں کے مقابلے میں یہاں مجھے سینکڑوں خداؤں سے واسطہ پڑ گیا۔ ان میں بڑے دیوتا بھی تھے اور چھوٹے بھی۔ محدود اختیار والے خدا بھی تھے اور خبیث ارواح بھی، پوجا پاٹ میں جہالت اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ انسانی اعضاء کی پوجا کی بھی تعلیم دی گئی تھی۔ اس مذہب کا ادب بے سروپا قصوں اور داستانوں پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ سرپ وید (سانپوں کے قصے) پشاچ وید (چڑیلوں کے قصے) اور اسر وید (شیطانوں کے قصے) ایسی کتابیں ہیں جنہیں وقت گزاری کے لئے تو پڑھا جا سکتا ہے لیکن بطور ایمان قبول نہیں کیا جا سکتا۔

پھر میں نے یہودیت کے بارے میں بھی مطالعہ کیا اگرچہ بائبل کے عہد نامہ قدیم سے رابطے کے باعث میرا یہودیت سے تھوڑا بہت تعارف تھا، تاہم مزید مطالعے سے خاص طور پر ''تالمود'' کی تعلیمات سے آگاہی کے بعد مجھے علم ہوا کہ یہودیت دراصل عصبیت، نفرت اور نسل پرستی کے فلسفے پر مبنی ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کی تمدنی ترقی کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

ان مذاہب کے مطالعے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں ایک تاریک رات میں گھنے جنگلوں کے درمیان کھوگئی ہوں اور راستے کے نشان کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ چرچ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ میرے شعور میں اسلام کے خلاف نفرت اور عصبیت اس طرح گھر کئے بیٹھی تھی کہ تلاشِ حق کے سفر کے دوران مجھے یہ خیال نہ آیا کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں بھی جاننے کی کوشش کی جائے۔

جب میں اس جاں کناں اذیت سے گزر رہی تھی تو میری ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ تم روحانیت کی جانب کیوں رجوع نہیں کرتیں۔ وہ مجھے شہر سے باہر ساحل سمندر کے کنارے یا پھر کسی ایسی جگہ لے جاتی جہاں صرف ہوا کا شور یا پرندوں کی چہچہاہٹ ہوتی اس نے مجھے نفس کو قابو کرنے کے لئے کچھ مشقیں بتائیں لیکن میرا دل جلد ہی ان تمام تجربات سے اکتا گیا۔ حقیقی مذہب کی تلاش اب بھی میرا مشن تھا۔

اسی دوران ایک مقامی اخبار میں یسوع کی الوہیت کے بارے میں ایک

مضمون شائع ہوا۔ میں نے بائبل کے حوالے سے ایک جوابی مضمون تحریر کیا جس میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے بے شمار حوالہ جات سے یسوع کے الوہیت کے عقیدے پر کافی شدید تنقید کی گئی تھی۔ میرے مضمون کی اشاعت کے بعد مجھے بہت سے خط موصول ہونا شروع ہو گئے جن میں اس موضوع کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی جاتی انہی خطوط میں مجھے ایک مسلمان کا خط موصول ہوا۔ جس میں اس نے تحریر کیا کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو رد کر کے اسلام کے ایک بنیادی عقیدے کو تسلیم کر لیا ہے اور آپ کے مسلمان ہونے میں صرف اتنا مختصر سا لمحہ باقی رہ گیا ہے جتنا ایک کلمہ پڑھنے میں صرف ہوتا ہے اس خط نے تو گویا میری دنیا ہی بدل ڈالی اور میں نے مختلف لوگوں کے ساتھ اسلام کے بارے میں گفتگو اور آگاہی حاصل کرنے کا آغاز کر دیا۔ ہر گفتگو کے بعد میرے لاشعور میں بیٹھی ہوئی اسلام کے خلاف عصبیت دم توڑ دیتی اور بالآخر میں نے تسلیم کر لیا کہ صحرائے عرب کے ایک شخص نے جو الہامی تعلیمات پیش کی ہیں اور جن قوانین کو متعارف کرایا ہے، ہماری بیسویں صدی کی انتہائی ترقی یافتہ حکومتیں بھی ان قوانین کا نعم البدل پیش نہیں کر سکتیں، میرے لیئے یہ بات باعث حیرت تھی کہ ہماری حکومتوں نے کافی تگ و دو کے بعد جو بہترین قوانین بنائے ہیں وہ اسلام نے چودہ سو سال پیشتر ہی متعارف کرا دیئے تھے اسلام کے مطالعے کے دوران میں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے علاوہ ان لڑکیوں سے بھی ملتی رہی جنہوں نے عیسائیت کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن قلب کی وہ طمانیت جس کا میں خیال کرتی تھی اب بھی مجھ سے کوسوں دور تھی یہ لڑکیاں ہر طرح سے میری مشکلات دور کرنے میں مدد کرتیں۔ میں نے اسلام سے متعلق کئی کتب کا مطالعہ جاری کیا ان میں ''دین اسلام'' ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام'' اور ''عیسائیت کا ماخذ'' جیسی کتب شامل تھیں آخر الذکر کتاب پڑھنے کے بعد مجھ پر حیرت ناک انکشاف ہوا کہ قدیم دیو مالائی مذاہب کے بیشتر عقائد اور رسومات آج بھی صرف نام کی مختصر سی تبدیلی کے بعد عیسائیت میں مستعمل ہیں۔

بہر حال زیر مطالعہ کتب کے علاوہ میں نے قرآن کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ شروع شروع میں تو ایسا تھا جیسے کسی کتاب کے بعض ابواب محض سمجھنے کی خاطر دہرائے جا ئیں۔ مجھے دراصل یقین ہی نہ تھا کہ میں اس کتاب سے کچھ حاصل بھی کر رہی ہوں یا

نہیں۔ لیکن قرآن جیسا کہ میں نے پایا، صرف انہی کی راہنمائی کرتا ہے جو واقعتاً کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ بہت ہی آہستگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن سب سے پہلے ہماری روح کے ساتھ رابطہ قائم کرتا ہے اور جب قلبی کیفیت بدلنا شروع ہوتی ہے تو روح بھی بتدریج آلودگیوں سے پاک ہوتی چلی جاتی ہے بالآخر ایسا وقت بھی آجاتا ہے جب جسم اور روح یک جان دو قالب ہوکر ایک مطہر آب رواں کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر بڑا خوشگوار احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیات دراصل ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم محسوس تو کر سکتے ہیں، بیان نہیں کر سکتے۔ ہمارے الفاظ میں وہ وسعت ہی نہیں کہ تطہیر قلب کے اس پاکیزہ عمل کو بیان کیا جاسکے۔

بہر حال قرآن کا مطالعہ میری عادت بن گیا۔ آفس کی مصروفیات اور ضروری کاموں سے فراغت کے بعد سونے سے قبل ہر رات میں قرآن کا مطالعہ ضرور کرتی، نہ جانے کتنی ہی راتیں اس طرح گزر گئیں کہ اگر میں قرآن کو رکھ دینا چاہتی تو بھی ایسا نہ کرسکتی جوں جوں قرآنی ذوق مجھ پر چھاتا گیا اس کی تعلیمات میری سمجھ میں آتی گئیں مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ اس قدر مکمل اور جامع رہنمائی سے مزین یہ کتاب ایک اُمّی انسان کی معرفت سے کس طرح پیش کی گئی ہوگی۔ خود مسلمانوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی آسمانی مخلوق سے تعلق رکھتے تھے یا کوئی مافوق البشر انسان تھے۔ قرآنی مطالعے نے مجھے بتایا کہ جتنے بھی پیغمبر آئے بشمول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کے تمام انسان ہی تھے، لیکن عام انسانوں سے وہ صرف اس قدر مختلف تھے کہ ایک تو وہ معصوم تھے اور دوسرے یہ کہ ان پر باری تعالیٰ کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا تھا مجھے یہ بھی علم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی وحی کوئی نئی بات نہیں تھی بائبل کے عہد نامہ قدیم کے کئی حوالہ جات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام جلیل القدر انبیاء پر وحی آیا کرتی تھی حتیٰ کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب اناجیل کے جملوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے ہوئے احکامات کی تعمیل میں تبلیغ کرتے تھے۔ اس کے باوجود یہ بات میرے لئے ایک معمہ بنی رہی کہ اس ترقی یافتہ دور میں ایک بھی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جس نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب تحریر کی ہو اور یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس کی یہ کتاب بھی

الہامی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے جب میں نے قرآن سے رجوع کیا تو مجھے علم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے مبعوث کردہ رسولوں میں آخری رسول ہیں، اور یہ بات ہے بھی حقیقت کہ نئے پیغمبر کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب اس کے پیش رو پیغمبر کی تعلیمات اور اس پر نزول کردہ الہامی تعلیمات میں تحریفیں کردی گئی ہوں۔

لیکن قرآن، جیسا کہ اس کے مصنف اللہ نے خود دعویٰ کیا ہے کہ

''ہم ہی نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے''۔ (الحجر:۹)

گزشتہ چودہ صدیوں سے یہ قرآن اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس میں کسی ایک حرف کی تبدیلی یا تحریف بھی ریکارڈ نہیں کی جاسکی ظاہر ہے کہ جب یہ الہامی تعلیمات اپنی اصل شکل میں بلا کسی تحریف وتغیر کے موجود ہیں تو کسی نئے نبی یا نئی کتاب کی ضرورت ہی کیونکر ہوسکتی ہے ان سب باتوں کے علاوہ ایک اور بات جو میرے مشاہدے میں آئی وہ یہ تھی کہ قرآن نے ان لوگوں کو جنہیں اس کتاب پر ذرا سا بھی شک ہے بڑے احسن طریقے سے اپنی جانب متوجہ کیا ہے قرآن نے کہا ہے کہ:

''وہ لوگ جو اس کتاب کے الہامی ہونے میں ذرا سا بھی شک وشبہ رکھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اس طرح کی کوئی ایک سورت ہی تحریر کرکے دکھادیں''۔ (یونس:۳۸)

تب میرا خیال تھا کہ آج کے عہد جدید میں جب کہ الفاظ کی تلاش کے لئے بہترین سے بہترین لغت موجود ہے، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مقابلے میں قرآن ادب سے بہتر ادب تحریر کرسکتے ہیں اور پھر ایک چیلنج کے طور پر میں نے یہ کام شروع کیا۔ لیکن جب بھی قلم اور کاغذ لیکر بیٹھتی الفاظ میرا ساتھ چھوڑ جاتے اور ذہن پر جیسے تاریکی سی چھا جاتی۔ پھر میں یہ بات جان گئی کہ ایسا ادب تحریر کرنا جس میں انسان کے دائمی مسائل کا حل موجود ہو کم از کم میرے لئے ناممکن ہے۔ میرے دوست اور رشتہ دار جب مجھے ملنے آتے تو میرے کمرے میں اسلامی کتب دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے، چونکہ چرچ کے متعصبانہ رویے نے انہیں دین اسلام کا سخت دشمن بنا رکھا تھا لہٰذا اکثر

مواقع پر وہ بحث کے دوران اسلام پر نہایت رکیک قسم کے حملے کرتے۔ مثلاً تعددِ ازدواج کو ہی لے لیجئے انہوں نے مجھے اس بات پر قائل کرنے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کرلی کہ انسانی تمدن میں جو پہلی ترقی نظر آتی ہے وہ مغرب کے یک زوجی فلسفے کی مرہون منت ہے، جب کہ اسلام ایک جاہلانہ دور کی معاشرتی خرابی ''کثیر ازدواجیت'' کو اب بھی سنبھالے پھر رہا ہے۔

اس بات کا ذکر جب میں نے اپنی مسلمان دوست سے کیا تو اس نے اخبارات کے تراشوں اور خواتین کے مجلّوں سے نکالے ہوئے مضامین میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ آپ ان کو دیکھئے اور بتایئے کہ مغرب کو یک زوجیت پر جتنا فخر ہے اور اسے جتنا تہذیب یافتہ ہونے کی علامت گردانا جاتا ہے اس کی فی الحقیقت کیا صورت حال ہے اور برطانوی معاشرہ یک زوجیت پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ زنا کاری کے باعث ہمارے معاشرے کی اخلاقی اقدار جس تیزی سے زوال پذیر ہو رہی ہے اور ناجائز بچوں کی بڑھتی ہوئی شرح نے خاندان کی اکائی کو تباہ کرڈالا ہے، اس کا احساس ابھی تک ہمارے ارباب حکومت کو نہیں ہوسکا۔ اور وہ اپنے مصائب کا حل منشیات اور انتقامی جذبے کی تسکین کے لئے جرائم کو پناہ گاہ سمجھتی ہے۔ بزرگوں کا ادب اور احترام تو ہمارے معاشرے میں ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ اسی طرح کی دیگر قباحتیں ہیں جو ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ چکی ہیں۔ ان قبیح برائیوں، خاص طور پر زنا کاری اور حرمت نسوانیت کے تحفظ کے لئے درحقیقت ہمارے پاس ''کثیر زوجیت'' کے سوا اور کوئی حل ہے ہی نہیں اور میں خود بھی یہ دیکھ سکتی تھی کہ خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر جب کہ برطانوی معاشرے میں مردوں کی ہلاکت کے بعد خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد تنہا رہنے پر مجبور ہوگئی تھی، تو انہیں کس قدر اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ملکی معیشت کو سہارا دینے اور سب سے بڑھ کر اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے برطانوی خواتین نے بڑی تیزی سے وہ پیشے اختیار کیئے جہاں کام کر کے نہ صرف ان کی نسوانیت ختم ہوگئی بلکہ گھر میں سارا دن تنہا رہنے والے بچے بھی اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوگئے۔ سب سے زیادہ قابل رحم حالت وہ تھی جب خواتین کی اچھی خاصی تعداد نے بھوک مٹانے کے لئے عصمت فروشی کا دھندہ شروع کردیا۔ کیا خدا نے ان عورتوں کو ایسی ہی

زندگی گزارنے کے لئے زندہ رکھ چھوڑا تھا؟ یہ وہ سوال تھا جو میری طرح کم و بیش ہر خاتون کے ذہن میں ضرور کلبلاتا ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک ریڈیو پروگرام میں جس کا عنوان ''لیس سر'' تھا ایک کنواری انگریز خاتون نے کہا تھا کہ مردوں کو کثیر ازدواجیت کا قانونی حق ہونا چاہیئے۔ وہ خاتون تو یہاں تک کہہ گئی کہ آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لئے اسے کسی شادی شدہ مرد کی بیوی کی قانونی شراکت میں رہنا بسروچشم قبول ہے۔ اسلام کی ''کثیر ازدواجیت'' کے بارے میں عیسائیت نے جو زہر گھولا ہوا ہے اس کی حقیقت اب مجھ پر منکشف ہوئی۔ اسلام نے کثیر ازدواجیت کو لازمی قرار نہیں دیا ہے کہ ہر مرد ضرور ہی ایک سے زائد شادیاں کرے، لیکن ایک مکمل دین میں ہر صورتحال اور ہر زمانے کے مسائل سے متعلق جو ضروری مواقع ہونے چاہئیں (جیسا کہ ہمارے یورپی معاشرے میں مسائل درپیش ہیں) وہ دینِ اسلام میں موجود ہیں اور ایسا دین ہی تمام انسانیت کا دین بن سکنے کا اہل ہوتا ہے۔

بہر حال اس طرح میں بتدریج اسلامی تعلیمات کو قبول کرتی گئی اور پھر ایک دن میں نے اپنے تمام دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میرے دل اور میری روح کو وہ طمانیت حاصل ہوگئی جس کی تلاش میں میں عمر بھر بھٹکتی رہی، یہ اطمینان اس لئے بھی تھا کہ میں نے محض جذبات کی رو میں آکر اسلام قبول نہیں کیا تھا، بلکہ اسلام سے متعارف ہونے کے دو برس بعد تک میرے اندر حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے مشاہدے اور دلائل کی جنگ جاری رہی۔ اور ہر سوال کے اطمینان بخش جواب کے بعد ہی ایسا ممکن ہوا کہ ظلمتوں میں گمشدہ راہی کو اپنی اصل منزل کا نشان مل گیا۔

(بحوالہ ہمیں خدا کیسے ملا)

**سابقہ مذہب**: عیسائی **اسلامی نام**: مریم العمار **ملک کا نام**: رومانیہ

# اسلام کے دروازے پر

مریم کے شوہر ولید العمار کا تعلق فلسطین سے ہے۔ دودھ جیسی صاف شفاف رنگت اور تیکھے نقوش والی مریم العمار رومانیہ کے رہنے والی ہیں، مریم کیمیکل انجینئر ہیں یہ دونوں میاں بیوی دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کرتے ہوئے پچھلے دنوں اسلام آباد پہنچے تھے۔ مریم نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ ولید کی عمر ۲۸ سال ہے جب کہ مریم ۲۴ سال کی ہیں۔ مجھے مریم کے بارے میں معلوم ہوا تو تجسس ہوا کہ آخر مریم نے کس بات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔ مریم سے گفتگو شروع ہوئی تو اسی جذبہ تجسس کے تحت سب سے پہلے میں نے سوال کیا۔

سوال: آپ نے کیا صرف اس لئے اسلام قبول کیا کہ آپ ایک مسلمان شخص سے شادی کر رہی تھیں یا آپ کو اسلام کے اصولوں اور تعلیمات نے متاثر کیا؟

جواب: چھ ماہ قبل میری شادی ہوئی اس وقت میں عیسائی عقیدے پر یقین رکھتی تھی۔ ولید نے مجھے بتایا تھا کہ ایک مسلمان اہل کتاب عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس کے لئے عورت کو اپنا مذہب تبدیل کرنا ضروری نہیں۔ ولید نے زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر زور بھی نہیں دیا تھا۔ میرا خود بھی یہ خیال نہیں تھا کہ میں کبھی اپنا مذہب تبدیل کروں گی ہم دونوں کے درمیان یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ ولید اپنے عقائد پر قائم رہیں گے اور میں اپنے عقیدے پر چلتی رہوں گی، مگر تین ماہ قبل جب ہم مختلف ملکوں کا دورہ کرتے ہوئے ایران پہنچے تو اس دن جمعہ تھا۔ تمام کاروباری ادارے اور ہوٹل بند تھے۔ ہمیں بڑی سخت بھوک لگی ہوئی تھی اور رات گزارنے کے لئے ہمیں کسی جگہ کی تلاش تھی۔ جب ہمیں کوئی مناسب جگہ نہیں مل سکی تو ولید نے ایک نوجوان سے پوچھا کہ مسجد کہاں ہے؟ ہم مسجد میں رات گزار لیں گے۔ وہ نوجوان ڈاکٹر تھا، اس نے کہا تم مسلمان ہو اور اس رشتے سے تم میرے بھائی ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ آؤ

میرے گھر چلو اور میرے مہمان بنو، تا کہ میرے گھر میں برکت نازل ہو پھر اس نوجوان نے ہماری اتنی آؤ بھگت کی شاید ہمارا سگا بھائی بھی ہماری اس قدر خاطر مدرات نہ کرتا۔ اس رات میرے خیالات میں تبدیلی آنا شروع ہوئی ذہن نے کہا کہ یہ کتنا پیارا کیسا خوبصورت مذہب ہے جس میں تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں، پھر مجھے یورپ میں لوگوں کا رویہ یاد آیا، اگر ہمیں کسی یورپی ملک میں رہنے کی جگہ نہ ملتی تو ہم بھوکے ہی مرجاتے۔ ایران میں قیام کے دوران دوسری چیز جس نے مجھے متاثر کیا وہ عورت کی عزت ہے، اسلام میں عورت کی جس قدر عزت کی جاتی ہے اس کی مثال مجھے اور کہیں نظر نہیں آئی۔ تب میں نے دل سے کلمہ پڑھا اور اپنے لئے حجاب کو پسند کیا۔ جب میں نے یہاں پاکستان میں عورتوں کو کھلے سر گھومتے دیکھا تو مجھے تعجب ہوا، میں تو اب اپنے سر کے بالوں کو بھی پوری طرح چھپا کر رکھتی ہوں اور اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے بال نہیں کھولتی۔

سوال: مریم آپ کا گھر کہاں ہے اور آپ نے کہاں سے تعلیم حاصل کی؟

جواب: میرا گھر بخارسٹ میں ہے، والد کا انتقال ہو چکا ہے میری والدہ بخارسٹ میں رہتی ہیں اور میں نے بخارسٹ یونیورسٹی سے ہی تعلیم حاصل کی۔

سوال: آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں؟

جواب: میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے، میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں، مجھے یہ سن کر تعجب ہوتا ہے کہ فلسطین میں ایک ایک جوڑے کے آٹھ آٹھ دس دس بچے ہوتے ہیں اصل میں رومانیہ میں ہر عورت گھر سے باہر کام کرتی ہے اور وہ زیادہ بچوں کے ساتھ گھر سے باہر کام نہیں کرسکتیں اس لئے ان کے بچے بھی کم ہوتے ہیں جب کہ فلسطین میں عورتیں گھر میں رہتی ہیں اس لئے زیادہ بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کرسکتی ہیں۔

سوال: آپ دونوں کی ملاقات کہاں اور کب ہوئی؟

جواب: ہماری پہلی ملاقات دو سال قبل بخارسٹ یونیورسٹی میں ہوئی تھی، لیکن ہم نے چھ ماہ قبل اپریل میں شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔

سوال: آپ دونوں کی زبان بھی علیحدہ علیحدہ ہے آپ دونوں ایک دوسرے سے کس زبان میں بات کرتے ہیں؟

جواب: میں نے تھوڑی بہت عربی سیکھی ہے مگر ولید کو مختلف زبانیں سیکھنے کا بہت شوق ہے، ولید رومانیہ کی زبان بہت اچھی بولتے ہیں اور ہم زیادہ تر گفتگو اسی زبان میں کرتے ہیں۔

سوال: مریم آپ کو گھر سے باہر کام کرنا اچھا لگتا ہے یا آپ مشرقی ممالک کی خواتین کی طرح گھر میں رہنا پسند کرتی ہیں؟

جواب: ابھی تو مجھے اپنے میاں کے ساتھ ملک ملک گھومنا بہت اچھا لگ رہا ہے، لیکن جب میرے بچے ہو جائیں گے تو میں گھر میں رہنا پسند کروں گی۔ مجھے یورپ کی یہ بات بہت بری لگتی ہے کہ وہاں خاندانی زندگی کا رواج بہت کم ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر طلاقیں ہو جاتی ہیں، وہاں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے اسلام کا یہ اصول کتنا اچھا ہے کہ مرد باہر کی ذمہ داریاں اٹھاتا ہے اور عورت گھر کا نظام چلاتی ہے اور یوں گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

سوال: ولید کیا آپ اپنی بیوی کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں؟

جواب: میں مریم کے خیالات سے پوری طرح متفق ہوں، ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم یورپ کی ہر اچھی اور بری چیز سے متاثر ہیں ہم ان کی نقل میں اپنا تشخص تبدیل کرتے رہتے ہیں، لیکن میں اپنی روایات اور ثقافت کو بدلنا نہیں چاہتا۔ مجھے تو اس طرح ہی سکون اور اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کہ جب میں دن بھر کے کام کاج کے بعد تھکا ہارا گھر آؤں تو میری بیوی میز پر گرم گرم کھانا لگائے میری منتظر ہو۔

سوال: ولید آپ اب تک کتنے ممالک کا سفر کر چکے ہیں؟

جواب: میں اب تک ایک سو بیس ممالک کا سفر کر چکا ہوں، پاکستان ایک سو اکیسواں ملک ہے۔

میرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا گھوم کر لوگوں کو فلسطینیوں کے مقاصد سے آگاہ کروں، دنیا کو بتاؤں کہ بے گھر فلسطینی کیسی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور مقبوضہ علاقوں میں اسرائیل کس طرح انسانی حقوق کو پامال کر رہا ہے۔

ولید العمار نے یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ وہ افریقہ، یورپ، امریکہ روس اور مشرقی وسطی کے مختلف ممالک کا سفر کرنے کے بعد اب ایشیا کا

سفر کر رہے ہیں میں نے ولید سے پوچھا۔

سوال: آپ کس طرح لوگوں کو فلسطینی موقف سے آگاہ کرتے ہیں؟

جواب: میرے پاس ایک سفری بیگ اور خیمہ ہے ہم کبھی ریل میں سفر کرتے ہیں اور کبھی بس اور ویگن میں سفر کرتے ہیں۔ رہنے کے لئے کوئی جگہ نہ ملے تو سڑک کے کنارے خیمہ لگا لیتے ہیں سفر کے دوران بہت سے لوگ مجھ سے مختلف سوالات کرتے ہیں اور اس طرح مجھے لوگوں کو فلسطینیوں کے بارے میں بتانے کا موقع ملتا ہے مجھے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ فلسطین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فلسطین کوئی علیحدہ ریاست ہے جو اسرائیل کے خلاف لڑ رہی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ فلسطین کا وجود تو صرف کاغذوں پر ہے۔

سوال: ولید پاکستان آ کر آپ نے کیا محسوس کیا؟

جواب: پاکستان سے ہمیں بہت سے امیدیں وابستہ ہیں، پاکستان صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام اسلام دشمن طاقتیں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ پاکستان ہی وہ ملک ہے جو اسرائیل کے لئے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے، اسرائیل کے اخبارات میں روزانہ پاکستان کے خلاف کھلم کھلا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے یقین کریں کہ پاکستان ہر فلسطینی کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، اس لئے کہ اگر پاکستان کو خدانخواستہ کوئی نقصان پہنچا تو اس کا سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں کو ہوگا۔

سوال: آپ دنیا بھر میں گھومے ہیں، آپ کو کونسا ملک سب سے زیادہ اچھا لگا؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ ہر ملک کی اپنی مخصوص خصوصیات ہوتی ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ جو بات اپنے وطن کی ہوتی ہے اور کسی ملک کی نہیں ہوتی مجھے بھی اپنا وطن بیت المقدس سب سے اچھا لگتا ہے ویسے بھی اس کی اپنی ایک مقدس حیثیت ہے۔ وہاں مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کو وہ سرزمین بہت پیاری ہے۔

سوال: مریم آپ نے کتنے ممالک کی سیر کی اور آپ کو کونسا علاقہ سب سے زیادہ اچھا لگا؟

جواب: میں ولید کے ساتھ ترکی، اردن، بلغاریہ، شام اور ایران گئی اور اب پاکستان آئی ہوں۔ مجھے اردن بہت پسند آیا کیونکہ میرے شوہر کا آدھا خاندان اردن میں آباد ہے مجھے یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کہ جہاں جاتی ولید کا کوئی چچا یا بھائی مل جاتا ہم ان

کے گھروں میں جاتے جہاں ہماری بہت آؤ بھگت ہوتی مجھے ان افراد کا یوں مل جل کر رہنا بہت اچھا لگا اور یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ لوگ یہاں ایک دوسرے کی بہت مدد کرتے ہیں اور ان کے درمیان میں نے بالکل اجنبیت محسوس نہیں کی۔

سوال: مریم آپ کو پاکستان اور پاکستان کے لوگ کیسے لگے؟

جواب: مجھے پاکستان کی خواتین بہت پسند آئیں، یہاں کی لڑکیاں بڑی خوبصورت، مہذب اور مہمان نواز ہیں۔ مجھے آپ کا لباس شلوار قمیض بھی بہت اچھا لگا ہے، یہ صحیح اسلامی لباس ہے۔ اگر یہاں کی خواتین اپنے بالوں کو چادر یا اسکارف سے اچھی طرح ڈھانپ لیں تو حجاب کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

سوال: مریم آپ کو اپنے شوہر کی کس عادت نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب: سب سے بڑی بات یہ کہ ولید بہت سچے، کھرے انسان ہیں، دوسری بات یہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور بچوں کی طرح میری حفاظت کرتے ہیں۔ اصل میں عورت کو اگر شوہر کا صحیح تحفظ حاصل ہو جائے تو اسے اور کسی چیز کی تمنا نہیں رہتی۔ بعض اوقات میں سفر کی مصیبتوں اور مشکلات سے تنگ آ کر رونے لگتی ہوں لیکن ولید اس پر ناراض ہونے کے بجائے مجھے تسلی دیتے ہیں اور میری ہر ضرورت پوری کرتے ہیں۔

سوال: ولید آپ ساری دنیا کا سفر کر رہے ہیں اس سفر کے اخراجات کیسے پورے کرتے ہیں؟

جواب: اگر کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے تو انسان اپنے دماغ سے پیسہ کمانے کی ترکیب نکال ہی لیتا ہے۔ میں اپنے سفر کے سارے اخراجات خود پورے کرتا ہوں، تصویریں اور ویڈیو فلمیں بنانا میرا مشغلہ ہے۔ میں اب تک بیس ہزار فوٹوگراف بنا چکا ہوں، ایران میں چھ سو فوٹو بنائے۔ پاکستان میں بھی اتنے ہی فوٹوگراف بنانے کا ارادہ ہے میں اپنے فوٹوگراف اور ویڈیو کیسٹ بیچتا ہوں اور اس سے اپنے اخراجات پورے کرتا ہوں اس کے علاوہ میری کوشش ہوتی ہے کہ بہت کم خرچ میں گزارہ کروں۔ ہمارے پاس ایک چھوٹا سا خیمہ اور ایک بڑا اسلیپنگ بیگ ہے ہم سڑک کے کنارے پر خیمہ لگا لیتے ہیں اور اپنا کھانا بھی خود پکاتے ہیں اس طرح ہوٹل کے اخراجات سے بھی بچ جاتے ہیں۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: مسعودہ اسٹین **ملک کا نام**: برطانیہ

# تمام مذاہب کے مطالعہ کے بعد میں نے اسلام قبول کیا

میرا نام مسعودہ اسٹین ہے اور میں نسلاً انگریز ہوں۔ خالق کائنات کے ساتھ انسان کے تعلق کا کھوج لگانے میں، میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال صرف کیے۔ میں ایک متمول عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ مالی آسودگی کے اعتبار سے ہمیں دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی لیکن جس چیز کی کمی محسوس ہوتی تھی وہ ذہنی سکون اور اطمینان تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے دنیا کا وہ رخ دیکھا جس میں ہر انسان ذاتی مالی فوائد کے حصول میں اندھا نظر آتا تھا۔ ہر شخص ہر قیمت پر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر اچھا برا کام کرنے میں مشغول تھا اور خود کو کسی قسم کی اخلاقی قیود کا پابند تصور نہیں کرتا تھا۔ میرا مذہب عیسائیت تھا اور میں بچپن ہی سے چرچ جایا کرتی تھی لیکن جب میں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو میں نے محسوس کیا کہ چرچ میری ان روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہے جو جدید دور کے تقاضوں کے مقابلے میں کسی انسان کو پاکیزہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ دلائل اور وجوہ سے عاری اس پریکٹس میں، میں نے خالق کائنات سے تعلق کو بے حد کمزور محسوس کیا لیکن اس نتیجہ پر پہنچی کہ تکلیف اور پریشانی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جو کمزور انسان کے حوصلے کو بلند کرتی ہے۔ درحقیقت عقیدہ تثلیث خدائے واحد سے تعلق کو تقسیم کر دینے کا سبب بنتا تھا اور یہی چیز میرے مذہب کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ خالق کائنات اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے اسے مضبوط بنانے میں اہم ترین کردار مذہبی عبادتیں ادا کرتی ہیں۔ عیسائیت کی عملی تعلیمات اور بائبل کے وسیع مطالعہ کے بعد میں نے دوسرے مذہب کا مطالعہ شروع کیا بدھ مت، ہندوازم، یہودیت، کمیونزم اور ان کے علاوہ موجودہ زمانے میں پائے جانے والے تمام نظام ہائے زندگی کا مطالعہ کر ڈالا، لیکن میری پیاس بجھ نہ سکی میرے قلب میں

جو آگ لگی ہوئی تھی اسے کوئی ٹھنڈا نہ کر سکا۔

میں گھنٹوں تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرتی تھی اور انسان کے مقصد زندگی پر غور کیا کرتی تھی۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کائنات میں اس کا تخلیق کیا ہوا ایک معمولی سا ذرہ ہے اس ذرے کی تخلیق بے سبب نہیں۔ تخلیق کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ بنانے والے کے مقاصد کی تکمیل کرے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان بندگی کا یہ رشتہ زندگی کو با مقصد بناتا ہے۔ اس رشتہ کو مضبوط بنائے بغیر زندگی میں خوشیوں کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے اپنے سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لئے اس دور کے سارے مفکرین کی کتابوں کو پڑھ ڈالا۔ کالرلائل کی ''ہیروز اینڈ ہیر شپ''۔ جی کے چیرٹن کی ''کم ٹوتھنک آف''، ''اینڈ منڈ برکی''، ''ریفلیکشنز آن دی ریولیوشن ان فرانس''، ''سویڈن برگ کی''، ''ڈاکٹرین آف لائف''، جیمز ہیرنکس کی ''اوشیانا'' اور ان کے علاوہ جو کتابیں مجھے ملیں میں پڑھتی چلی گئی لیکن میرے دل میں لگی ہوئی آگ بجھ نہیں سکی۔ انہیں دنوں تقابل ادیان پر ایک رسالہ میرے مطالعہ میں آیا۔ اس کا مصنف کوئی غیر معروف مسلمان تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی شناخت اور دریافت اور دنیا میں امن و چین اور سکون کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان آسمانی کتابوں پر ایمان رکھے جو وحی الٰہی کی شکل میں اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں پر انسان کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئیں۔ جیسے ایک باپ اپنے بچوں کی قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہر دور میں رسول اور نبی بھیجتا رہا ہے تو راۃ، زبور، انجیل اور قرآن مجید سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے صحیفوں کی ایک کڑی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

- ''لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اسی کے لئے مفید ہے اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی اس کے لئے تباہ کن ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی ذمہ دار نہیں ہوں''۔ (القرآن ۱۰:۱۰۸)

اسلام سے پہلا تعارف ہونے کے بعد میں نے قرآن مجید کا پورا ترجمہ پڑھ

ڈالا۔ سچ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ اسلام کو سمجھنے کے لئے مجھے کسی شخص کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن مجید کی شکل میں اللہ تعالیٰ براہ راست مجھ سے مخاطب تھا اور مجھے براہ راست ہدایات تک پہنچ حاصل ہوگئی تھی۔ قرآن میں جابجا نہایت واضح اور دو ٹوک الفاظ میں انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بندگی کے تعلق کا بیان تھا میں یہ محسوس کررہی تھی کہ یہ وہی پیغام ہے جس کی میں طویل عرصے سے تلاش میں تھی۔ قرآن کی ہر آیت اتنی صریح اور واضح تھی کہ اسے کسی ثالث کی ضرورت نہ تھی۔ میں جوں جوں پڑھتی گئی قرآن میں گم ہوتی چلی گئی اور اس روحانی سفر کی تکمیل بالآخر قبول اسلام پر ہوئی۔

اپنے عیسائی بھائیوں کو میرا پیغام ہے کہ عیسائیت زندگی کے روحانی پہلو پر زور دیتی ہے۔ اس میں محبت کا جو پیغام ہے اس سے ہر عیسائی پر انتہائی اہم فرض عائد ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ محبت اس وقت انسان کو گمراہ کردیتی ہے جب وہ تعصب کا سبب بن جائے اور انسان جانبداری اور تعصب کی عینک سے ہر شے کو دیکھنے لگے صرف وہی شخص عیسائیت کا صحیح شعور حاصل کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے رشتے کو سمجھ لے اور اپنی آنکھوں پر لگے تعصب کی پٹی اتار پھینکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان سے پہلے کے رسول اور پیغمبر سب اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے اور انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا فرض ادا کیا۔ بدقسمتی سے عیسائیوں کے ساتھ ان کا تعلق جو انجیل مقدس کی شکل میں تھا وقت گزرنے کے ساتھ کمزور ہوگیا۔ مختلف ادوار میں انجیل مقدس کو بار بار اس طرح مرتب کیا گیا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے کلام سے انسانوں کے کئے ہوئے اضافوں کو الگ نہیں کرسکتی۔ ایس ٹی کالرج (S.T Corildge) اپنی کتاب (Aids To Reflection) میں لکھتا ہے ''جو شخص سچ جاننے کے مقابلے میں عیسائیت سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اس کی یہ محبت عیسائیت کے مقابلے میں چرچ کے کسی خاص فرقہ کی محبت بن جاتی ہے اور وہ ایک بڑی برادری کا حصہ بننے کے بجائے ایک چھوٹے سے فرقہ کا جزو بن کر رہ جاتا ہے اس کے مقابلے میں اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو رنگ، نسل، قوم اور سماج سے قطع کرکے ایک عالمی برادری کا حصہ بنادیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں سچ تلاش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے آمین۔

**سابقہ نام:** کیتھرین بل لاک **سابقہ مذہب:** دہریہ **ملک کا نام:** کینیڈا

# خلیج کی جنگ میں مسلمانوں پر مظالم دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا

میرا نام کیتھرین بل لاک ہے، میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو کینیڈا میں پی ایچ ڈی کی طالبہ ہوں، ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود میں نے جب ہوش سنبھالا تو خود کو سیکولر اور لا مذہب ماحول کا حصہ پایا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لا مذہبیت اور بے دینی میرے مزاج کا حصہ بن گئی۔ اسلام میرے لئے ایک قدیم اور جاہلانہ عقیدہ تھا اس پر عمل کرنے والے مسلمان میری نظر میں تشدد پسند اور وحشی لوگ تھے ۔۱۹۹۱ء میں ........ کنگسٹن کی کوئنز یونیورسٹی میں پڑھتی تھی میری عمر ۲۴ سال ہو چکی تھی اور میں ایک آزاد خیال لبرل خاتون تھی، میں نے چند مسلمان لڑکیوں کو یونیورسٹی کے انٹرنیشنل سینٹر میں دیکھا انہوں نے سر پر اسکارف باندھ رکھے تھے اور پوری آستین کی قمیض پہنے ہوئے تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ "وہ اپنے سر پر اسکارف کیوں اوڑھتی ہیں" انہوں نے جواب میں کہا کہ "انہیں اپنے جسم کی آرائش دکھانے کی اجازت نہیں کیونکہ اسلام میں اسے برا سمجھا جاتا ہے" "تم عورتوں پر اتنی پابندیاں کیوں ہیں میں نے ان سے پوچھا" "یہ ہمارا کلچر ہے ہم اس میں بے حد خوش اور مطمئن ہیں" انہوں نے جواب دیا۔

مجھے ان کی حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوا، وہ اپنے بنیادی حقوق سے نابلد تھیں۔ انہیں اپنی اہمیت کا کوئی احساس ہی نہ تھا، وہ ظلم کی ماری اور مردوں کی حاکمیت کے بوجھ تلے کچلی ہوئی تھیں۔ میں ان کے بارے میں یہ ساری باتیں سوچتی رہی لیکن صرف ایک چیز میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی وہ یہ کہ وہ بے حد مطمئن اور خوش نظر آتی تھیں۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ بچپن ہی سے ان کے ذہن کو اس طرح بنا دیا گیا تھا، انہیں

''برین داش'' کر دیا گیا تھا۔

میں نے یونیورسٹی کے انٹرنیشنل سینٹر میں بہت سے مسلمان مردوں کو گھومتے پھرتے دیکھا ان میں سے ایک مسلمان لڑکا لیبیا سے تعلق رکھتا تھا، میں اسے دیکھ کر خوف سے کانپنے لگی، کینیڈا اور امریکہ میں لیبیا کو ایک دہشت گرد ملک تصور کیا جاتا تھا۔ جہاں کے لوگ اللہ کے نام پر دوسروں کو قتل کر دینا ثواب سمجھتے تھے۔ میں نے ٹیلی ویژن پر عرب نوجوانوں کو امریکہ کے صدر بش کے پتلے جلاتے دیکھا تھا، یہ کیسے جاہل لوگ ہیں جو آزادی اور ترقی پسندی کے خلاف ہیں جن میں برداشت، تحمل اور محبت نہیں، جو دوسروں کو قتل کرنا نیک کام سمجھتے ہیں اور ان کے خدا نے انہیں اس کی اجازت دے رکھی ہے۔

میرے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یہ تصورات مغربی ذرائع کے ذریعے آئے تھے۔ وہی مجھے یہ سب سوچنے پر مجبور کر رہے تھے، لیکن جب میں اس لیبیائی لڑکے کے قریب ہوئی تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ بے حد نرم خو، دھیمے لہجے میں بات کرنے والا تھا اور مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے بے حد احترام کے ساتھ اپنی نظریں جھکائے رکھتا تھا وہ میری ہر پریشانی کو دور کرنے کے لئے تیار رہتا تھا اور میری مدد کرتا رہتا تھا یہیں سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرے سارے پرانے تصورات پر ضرب لگنی شروع ہوئی۔

میں نے مسلمانوں کے عقائد کے بارے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کا ماخذ مغربی مصنفین کی کتابیں تھیں۔ اس دوران خلیج کی جنگ ہوئی عراق نے کویت پر حملہ کیا میں نے اخبارات میں عراقیوں کے ہاتھوں کویتی خواتین کی عصمت دری کی داستانیں پڑھیں۔ پھر امریکہ اور دوسرے ممالک کویت کی مدد کو آئے ذرائع ابلاغ سے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ بڑھتا چلا گیا۔ اگرچہ عراق کے خلاف امریکہ کے اتحادی بھی مسلمان ہی تھے لیکن امریکہ اور یورپی ذرائع ابلاغ کا سارا زور اسلام کو کمتر اور جاہلانہ مذہب ثابت کرنے اور مسلمانوں کو جنگلی اور وحشی قوم ظاہر کرنے پر تھا میں ایک مرتبہ پھر اس پروپیگنڈے سے متاثر ہونے لگی۔

میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے پینگوئین کی

ایک کلاسک کتاب سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا میں پینگوئین کی کتابیں بے حد پسند کرتی تھی لیکن اس کتاب کو ختم نہ کرسکی، کیونکہ اس میں اسلام کے بارے میں عجیب و غریب باتیں لکھی ہوئی تھیں۔اس میں ایسی کنواری عورتوں کا تذکرہ تھا جو اچھے کام کرنے والوں کو انعام کے طور پر جنت میں ملتی تھیں۔ جنت میں جانے والی ایک عورت ان کنواری عورتوں کا کیا کرے گی میں نے مایوسی سے سوچا۔اس میں ایسے خدا کا تذکرہ تھا جو انسانی آبادیوں کو تباہ کردیتا تھا اور بستیوں کو مٹا ڈالتا تھا۔ایسے عقیدے میں اگر عورتیں کچلی ہوئی اور مظلوم تھیں تو اس میں حیرت کی کیا بات تھی میں نے سوچا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مل گیا اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو پینگوئین کی کلاسک کتاب میں تحریر تھی۔ ایک مرتبہ پھر اسلام کے بارے میں میرے عقائد تبدیل ہونے لگے قرآن مجید میں ہر بات دلیل کے ساتھ منطقی انداز میں تحریر تھی قرآن کی کسی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا تھا بعض سائنسی تصورات ایسے بھی قرآن میں دیئے ہوئے تھے جن کے بارے میں چودہ سو سال پہلے کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

قرآن مجید میں تباہ ہونے والی بستیوں کا تذکرہ ضرور تھا لیکن وہ بستی کے رہنے والوں کے اپنے برے اعمال کی وجہ سے تباہ ہوئی تھیں۔ یہ ساری باتیں بڑے دلنشین انداز میں بیان کی گئی تھیں یہاں سماجی رشتوں کی حرمت اور احترام کا بیان تھا میں جوں جوں قرآن مجید کا یہ ترجمہ پڑھتی گئی میرے پرانے خیالات میں تبدیلی آتی چلی گئی۔

میں چونکہ دہریہ تھی اس لئے میں نے اپنے عیسائی اور مسلمان دوستوں سے پوچھا کہ کیا انہیں کسی خدا کے وجود پر پورا یقین ہے؟ انہوں نے پورے یقین سے کہا؟ ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ میں یہ سن کر پریشان ہوگئی کیا واقعی خدا موجود ہے اگر ہے تو میں اس سے کیسے مل سکتی ہوں میں اسے کیسے دیکھ سکتی ہوں، کس طرح اس تک پہنچ سکتی ہوں، میں یہ سوچ کر پاگل ہونے لگی مجھے اپنی نارمل ذہنی کیفیت پر شبہ ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ آخر کس طرح اربوں انسانوں کی دعائیں ایک ساتھ سن لیتا ہے اور کس طرح لمحوں میں کسی شخص کی قسمت کا فیصلہ کردیتا ہے۔ اگر اللہ ہے اور رحیم و کریم ہے تو پھر دنیا میں اتنی افراتفری کیوں ہے وہ معصوم بچوں اور کمزور عورتوں کو کچلے جانے اور ظلم کا نشانہ بننے سے کیوں نہیں روکتا؟

بالآخر میں نے مسلمانوں اوران کے مذہب کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا فیصلہ کیا اس کے بغیر مجھے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جوابات نہیں مل سکتے تھے مسلمانوں نے کوئی سوال کئے بغیر کھلے دل کے ساتھ اپنی برادری میں میرا خیر مقدم کیا میں یہ بھول گئی کہ وہ ظالم اور دہشت گرد ہیں یہ اسلام کی طرف میرے سفر کا آغاز تھا۔

میں ابھی تک بے دین اور دہریہ تھی لیکن اپنے سوالات کے جوابات چاہتی تھی ان کے درمیان کچھ دن گزار کر میں نے محسوس کیا کہ میرے پرانے عقائد میں کہ ''دنیا چند سائنسی اصولوں پر قائم ہے اور اس کو چلانے والا کوئی نہیں ہے'' دراڑیں پڑنے لگیں میں محسوس کرنے لگی کہ مجھ سے بڑی کوئی نہ کوئی طاقت ضرور ہے جو ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ رات کو آسمان پر نظر آنے والے دمکتے ستارے، صبح طلوع ہوتا ہوا سورج اور جھرنوں میں گنگناتا ہوا پانی سب ہی مجھے صرف ایک پیغام دے رہے تھے۔ اس عظیم طاقت کی بندگی کرو جو واحد ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ شاید وہ اجتماعی انسانی شعور تھا جو میرے اندر اب تک سویا ہوا تھا لیکن اب بیدار ہو رہا تھا، فطری نظاروں سے مجھے امن، محبت اور سکون کا پیغام ملنے لگا تھا پھر میں نے پہلی مرتبہ ایک نماز میں شرکت کی تو اپنی پوری کوشش اور ضبط کے باوجود میری آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے میں تو خدا کے وجود سے انکاری تھی پھر وہ کون سی طاقت تھی جو میرے سارے اعصاب کو جھنجھوڑ ڈال رہی تھی اور آخر کیوں میری ساری حیات میری آنکھوں میں جمع ہو گئی تھیں آخر کیوں میرے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تھے شاید یہ وہ ہستی تھی جس کو میں بھولے بیٹھی تھی لیکن میرا نفس اور میرا دل اسے پہچان رہا تھا۔ میں نے نماز میں اس ان دیکھی ہستی پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر دی اور پورے خلوص سے اپنی نجات اور اپنی رہنمائی کی دعا مانگی۔

میں نے اسلام کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، سکھ مذہب اور بدھ مت کا بھی مطالعہ کیا تھا لیکن صرف اسلام میں میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا میں نے بالآخر فیصلہ کر لیا۔ میں جو ایک ماڈرن سفید فام خاتون تھی جو لبرل اور آزادی کی دلدادہ تھی میں اپنے خالق کی خاطر دوسرے درجے کی شہری بننے پر آمادہ ہو گئی کہ مغربی معاشرے میں ... کو کبھی بھی پہلے درجے کے شہری کا مقام نہیں مل سکتا۔

اب میں اسلام قبول کر چکی ہوں میری زندگی ایک خاص اسلوب میں ڈھل گئی ہے میرے دوست جن میں زیادہ تر دہریئے اور لبرل ہیں میری اس تبدیلی پر حیران ہیں لیکن میں جس روحانی سفر سے گزری ہوں اس سے گزرے بغیر وہ میری اس تبدیلی کو سمجھ نہیں سکتے کاش وہ اتنی ہمت پاتے اور یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ صرف اسلام ہی سلامتی کا راستہ ہے جو خالق کائنات کے قریب لے جاتا ہے۔

**سابقہ نام**: والیریا بوروجونا **سابقہ مذہب**: دہریہ
**اسلامی نام**: فاطمہ **ملک کا نام**: روس

# روس کی مشہور ادیبہ کا قبول اسلام

''والیریا بوروجونا'' نامی عالمی شہرت یافتہ روسی ادیبہ نے حال ہی میں مذہب اسلام قبول کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اپنے خاندان میں وہ سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے مذہب اسلام قبول کیا، ان کے خاندان کا شمار قیصر کے پوتوں میں کیا جاتا ہے جن کی روس میں کمیونزم سے قبل حکمرانی رہی ہے، وہ کہتی ہیں کہ ہمارے دوست ہم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اسلام کو کیسے اپنایا جب کہ تمہارے آباؤاجداد قیصر تھے۔

ہفت روزہ عربی اخبار ''الدعوۃ'' نے محترمہ والیریا کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع کیا ہے۔ اس کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے قبول اسلام کے سلسلہ میں بتایا کہ تعلیم کے دوران میں عرب طلباء سے ملتی تھی اور مختلف مذاہب کے سلسلہ میں ان سے گفتگو کرتی تھی اور خدا کے سلسلہ میں کمیونسٹوں کے موقف کی میں تردید و تنکیر کرتی تھی لیکن اس وقت میرا ایمان نہ تو یہود کے خدا پر تھا نہ عیسائیوں اور نہ مسلمانوں کے خدا پر، اور میں ان تمام مذاہب کو برا سمجھتی تھی، اور انہیں کو لوگوں کے درمیان اختلافات اور کشمکش کا ذریعہ سمجھتی تھی، اور مسلمانوں کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ پسماندہ اور جاہل قوم ہے اور اسلام کو میں ظالمانہ اور جابرانہ مذہب تصور کرتی تھی، لیکن عرب طلباء سے گفتگو کے بعد رفتہ رفتہ میں ان کی باتوں سے متاثر ہونے لگی، اور میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنے لگی، اور انجیل، توراۃ اور کمیونزم کے مبادی سے اس کا موازنہ اور تقابل کرنے لگی، میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے، چنانچہ میں نے اسلام قبول کرلیا اور الحمدللہ ایک مسلمان سے شادی بھی کرلی۔

نام کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ میں نے جب **حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا** کی سیرت کا مطالعہ کیا تو ان کے اندر والدین سے محبت

اور شوہر کے ساتھ حد درجہ خلوص دیکھا جس کے نتیجہ میں، میں نے ان کے نام پر اپنا نام فاطمہ منتخب کیا، اور میں تمام چیزوں میں ان کی اقتداء کی کوشش کرتی ہوں، روس میں اسلام کے مستقبل کے سلسلہ میں بتایا کہ میں نے ملک کے اکثر حصوں میں اسلام کے تعارف کے سلسلہ میں خطبات اور لیکچرز دیئے ہیں اور میں یہ کہتی ہوں کہ روس کی سرزمین اسلام کے لئے بہت ہی سازگار رہے اس لئے کہ روس نے کمیونزم کا تجربہ کیا اور ناکام رہا، اور اب وہ سرمایہ داری کا تجربہ کررہے ہیں اور اس میں انہیں اپنے مسائل کا حل نہیں نظر آرہا ہے اب روس کے آگے اسلام کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، وہ جلد ہی اسلام کو قبول کریں گے، اور ممکن ہے کہ روس اکیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں اسلامی سلطنت ہو جائے۔

روس میں اسلام سے متعلق، تفصیلات بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہاں ایک لاکھ پچاس ہزار کی روسی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ سے ۲۲ لاکھ افراد پر مشتمل ہے، رپورٹوں سے پتہ چلا ہے کہ ۲۰۲۵ء میں ہر تین افراد پر ایک مسلمان ہوگا، اس طرح مسلمان کی تعداد روس کی تہائی ہو جائے گی، اس وقت روس میں مسلمان عموماً نوجوان ہیں، اور روس کے ضعیف لوگ بیس سال میں مرجائیں گے، جب کہ مسلمان نوجوان اسلام پر کاربند ہیں اور وہ شراب اور منشیات سے بچتے ہیں، آپس میں غلط تعلقات نہیں ہیں جبکہ روسیوں کے درمیان زنا، شراب نوشی، والدین کی نافرمانی کے علاوہ قتل وغارت، لوٹ مار، اور مافیا عام ہیں، اس سے روس میں اسلام کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔

الدعوۃ میں کئے گئے اس انٹرویو میں محترمہ فاطمہ سے مزید بعض سوالات کئے گئے جن کا انہوں نے تفصیل سے جواب دیا، اور روس میں دعوت اسلام کی اشاعت میں رکاوٹوں کا بھی ذکر کیا نیز ان کو دور کرنے کی تدابیر کی بھی نشاندہی کی۔

**سابقہ نام**: کملاداس
**سابقہ مذہب**: ہندو
**اسلامی نام**: ثریا
**ملک کا نام**: بھارت

# مجھے ہندو دیوتاؤں پر بھروسہ نہیں میں نے اسلام کے روپ میں ایک نیا مذہب دریافت کیا

اسلام کی حقانیت کا ایک اور اعلان.......... بت کدۂ ہند میں ایک اور نعرہ تکبیر کی گونج..........شرک وظلم اور جہالت کے ایوانوں پر ایک نئی کاری ضرب..........حوا کی ایک بیٹی کا جھوٹے معبودوں کی دیواداسی بننے سے بانگ دہل انکار.......... اور کملاداس سے ثریا بننے کا اعلان...... جی ہاں! اب وہ ذلت اور توہم پرستی کی زنجیروں میں جکڑنے والے پنڈتوں اور عزت کے لٹیرے پروہتوں کی دیواداسی، خادمہ اور غلام نہیں رہے گی، اب وہ اسلام میں آ کر خادمہ ثریا بن گئی ہے اور اوج ثریا تک پہنچ گئی ہے۔

کملاداس عرف مادھوری کٹی وہ ۲۷ سال سے اسلام کا گہرا مطالعہ کر رہی تھی۔ اس کا شوہر مادھوداس ریزرو بینک آف انڈیا کا گورنر تھا۔ ہندو دھرم اور ہندو معاشرے کے غیر انسانی اور دقیانوسی رویئے سے وہ پہلے ہی بیزار تھی، لیکن جب وہ بیوہ ہوئی تو اس دھرم اور اس کے ماننے والوں کے چہروں سے جیسے ایک ایک کر کے سارے نقاب اتر گئے، وہ کئی اردو کتابوں کی مصنفہ اور نامور ادیبہ تھی، انگریزی میں لکھی ہوئی کتابوں پر اسے متعدد ایوارڈز بھی ملے تھے۔ اسکی پینٹنگز کا تو پورے ملک میں شہرہ تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی ہندو معاشرے میں کیا عزت تھی؟ وہ خود بتاتی ہے کہ:

''ایک بیوہ کی حیثیت سے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے آبائی گاؤں میں بھی لوگوں نے اسے ذلیل کیا

جس کے بعد اسے احساس ہوا کہ عورت کو سب سے زیادہ تحفظ اسلام نے ہی دیا ہے اور اس وقت اسے تحفظ کی ضرورت ہے''۔

وہ بڑے جذباتی انداز میں کہتی ہے:

''میں ہندوؤں کی طرح چتا میں جلنا نہیں چاہتی، میں ایک بیوی ہوں، میرے بچے میرے ساتھ نہیں، میں محبت کرنا چاہتی ہوں اور محبت چاہتی ہوں، اسلام محبت دینے والا مذہب ہے اس لئے میں نے اسلام قبول کرلیا ہے''

وہ کملا داس جسے بچپن ہی میں اس کی دادی نے بتا دیا تھا کہ تمہاری شادی (ہندوؤں کے معبود) کرشنا سے کردی گئی ہے، یعنی اب اس نے اس جھوٹے معبود کی دیوداسی، باندی اور کنیز بن کر زندگی گزارنی ہے لیکن اتفاق سے وہ کچھ پڑھ لکھ گئی اور اس کی ایک معقول گھرانے میں شادی بھی ہوگئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ شاید اب معاشرے میں اس کا کچھ مقام بن گیا ہے اب عزت اور تحفظ سے اسے نوازا جائے گا۔ لیکن یہ اس کی بھول تھی اسے اگر عزت اور تحفظ نامی کوئی چیز کسی حد تک ملی بھی تو صرف شوہر کی زندگی تک، بیوہ ہوتے ہی وہ کسی عزت کی مستحق نہ رہی، اس کا وجود اس کے معاشرے اور اس کے خاندان کے لئے منحوس بن گیا، وہ ان کے لئے شودر اور ملیچھ بن گئی، وہ سمجھتی تھی کہ شاید آج کا ہندو پڑھ لکھ کر کچھ بدل گیا ہوگا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ ہندو بنیا چاہے جتنا بھی جدید سے جدید تعلیم یافتہ ہوجائے، وہ اندر سے پکا ٹھکا ہندو ہی رہتا ہے۔ پرانے میں زمانے میں شوہر کے مرنے پر ہندو عورتوں کو اس کے ساتھ ہی زندہ آگ میں جلا کر راکھ کردیا جاتا تھا۔ جس پہلی عورت کو زندہ جلایا گیا اس کا نام ستی تھا اس لئے وہ اس رسم کو ستی کہتے ایسی عورت کو جلانے کے بعد وہ اسے بڑی کرنی والی اور پہنچی ہوئی مشہور کرتے، اس طرح مذہبی تقدس کا لبادہ اوڑھا کر وہ بیوہ عورتوں کو زندہ ہی مرنے پر مجبور کردیتے ورنہ ان کے نزدیک زندہ بیوہ عورت بھرشٹ اور ناپاک ہی رہتی۔ اب جدید اور پڑھی لکھی دنیا کو منہ دکھانے کی خاطر ہندوؤں نے اپنے مذہب کی یہ کھلی اور ننگی وحشیانہ رسم تو بند کردی، اگرچہ اس کا مظاہرہ اب بھی آج کے جدید دور میں ہندو معاشرے میں کہیں نہ کہیں دیکھنے میں آجاتا ہے لیکن کملا داس کو کیا پتہ تھا کہ یہ رسم ابھی بھی مکمل طور پر اور حقیقی طور پر

ختم نہیں ہوئی۔ پہلے وہ بیوہ عورت جسمانی طور پر زندہ جلا دیتے تھے تو اب بھی وہ اسے ذہنی اور روحانی طور پر اس قدر جلاتے ہیں کہ ایسی عورت کو زندہ لاش بننے پر مجبور کر دیتے ہیں اب بھی وہ زندہ رہ جانے والی بیوہ عورت کو اسی طرح بھرشٹ، سبز قدم اور منحوس سمجھتے ہیں جس طرح کہ پہلے سمجھتے تھے ان کی سوچ، ان کا مذہب اور ان کا عقیدہ اب بھی وہی ہے جو آج سے سینکڑوں سال پہلے تھا۔

برسبیل تذکرہ اور جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کرنا بے محل نہ ہوگی کہ صرف مذہبی ہی نہیں، سیاسی میدان میں بھی آج ہندو لالے کی وہی سوچ ہے جو قیام پاکستان کے وقت تھی ہمارے بعض پڑھے لکھے، اور اپنے تئیں، روشن خیال دانشور سمجھتے ہیں کہ آج کے ہندو اور کل کے ہندو میں بڑا فرق ہے، اب وہ بات نہیں رہی، اس لئے ہمیں کھلے دل سے ان سے تعلقات رکھنے چاہئیں، لیکن ایک طرف قرآن نے ہمیں ۱۴۰۰ سال پہلے ہی ایک ابدی حقیقت کے طور پر یہ بات بتادی تھی کہ:

ترجمہ:...... ''مسلمانو! تم دشمنی میں سب سے زیادہ یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے''۔ (المائدہ ۸۲)

اب یہ بات کس کو معلوم نہیں کہ آج کا ہندو دنیا کا سب سے بڑا مشرک ہے جو ۳۵ کروڑ سے زائد خداؤں کا پجاری ہے، کوئی چیز نقصان دے تو اسے بھی معبود بنالیتا ہے اور کوئی چیز فائدہ دے تو اسے بھی۔ سانپ سے لیکر بندر، حجر، شجر، سورج، چاند، گائے حتیٰ کہ پتنگ تک اس کے دیوی دیوتا اور معبود ہیں۔ اب دنیا کے اس بدترین ہندو مشرک کا مسلمانوں سے حد درجہ تعصب اور منافقت ملاحظہ فرمائیں کہ گزشتہ نواز شریف دور میں جب واجپائی صاحب پاکستان آئے تو آں جناب مینار پاکستان پر بھی تشریف لے گئے اور کہا کہ میرے مینار پاکستان پر آنے سے بھارت میں تنقید ہوگی کہ اس طرح تم نے پاکستان کو تسلیم کرنے کی مہر لگادی ہے یعنی آج تک تو ہم نے پاکستان کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا لیکن آج میں پاکستان پر اسے تسلیم کرنے کا احسان کر رہا ہوں لیکن افسوس واجپائی اپنی اس بات پر ایک سال بھی قائم نہ رہ سکا۔ بالآخر اس کا ہندو خبث باطن پھر عود کر آیا، وہ مسلمانوں سے اپنے ازلی تعصب کی پھرتے کرنے لگا اور غلاظت بکھیرتے ہوئے کہنے لگا:

''کشمیر کی آزادی کی صورت میں ہم بھارت کو مزید تقسیم کی اجازت نہیں دیں گے، بھارت تو ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہم آزاد کشمیر حاصل کرنے تک لڑتے رہیں گے اور بھارت پاکستان سے ایٹمی جنگ لڑنے کے لئے تیار ہے''۔(جنگ ۷ فروری ۱۹۹۹)

واجپائی نے یہ بیان دے کر ثابت کر دیا کہ آج کا ہندو قیام پاکستان کے ۵۲ سال بعد بھی وہیں کا وہیں کھڑا ہے، اس کی مسلم دشمنی، دقیانوسی سوچ، تعصب اور توہم پرستانہ عقائد میں سر مو فرق نہیں آیا۔ ہندو ذہن اور ہندو سوچ جہاں صدیوں پہلے تھی آج بھی وہیں کی وہیں ہے۔

زمیں جنبد نہ جنبد ہندو برہمن

یعنی زمین اپنی جگہ سے ہل جائے تو ہل جائے، ہندو برہمن وہیں کا وہیں رہے گا چاہے سیاسی معاملہ ہو چاہے مذہبی اور معاشرتی مسئلہ ہو۔ یہی معاملہ کملا داس کے ساتھ تھا۔ پہلے تو وہ سمجھتی تھی کہ ہر دھرم اور ہر مذہب ہی ایسا متعصب، غیر انسانی اور دقیانوسی سوچ کا حامل ہے، وہ سمجھتی تھی کہ عورت کو شاید اس کا کہیں بھی اصل مقام اور احترام نہیں ملے گا، بات کسی حد تک درست بھی تھی۔ اکثر مذاہب میں صورت حال ایسی ہے کہ عورت کو مرد کے پاؤں کی جوتی سے زیادہ نہیں سمجھا جاتا مثلاً دنیا میں آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے، لیکن عیسائیوں نے جو مذہب اپنایا ہوا ہے اس میں بھی عورت کے بارے میں شرمناک حد تک تصورات پائے جاتے ہیں۔ اسے گناہ کی ماں بدی کی جڑ اور جہنم کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ ترتولیاں (Tertullian) جو عیسائیوں کے آئمہ مسیحیت میں سے ہے، عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، کرائی سوسٹم جس کا مسیحیت کے اولیاً کبائر میں شمار ہوتا ہے، عورت کے بارے میں کہتا ہے:

ان ائمہ مسیحیت کے ہاں عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق بھی بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے، مسیحیت میں تجرد، کنواری اور دوشیزگی اخلاق کا سب سے اچھا معیار ہے، چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ عیسائی پادری، راہب اور رہبائیں شادی نہیں کرتے لیکن اس کے نتیجے میں وہ بے شمار اخلاقی برائیوں یا ذہنی بیماریوں کا شکار

ہو جاتے ہیں دوسری طرف جو عیسائی شادی کر لیتے ہیں، تو ان میں طلاق کو بھی ہر صورت حرام قرار دے دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ عورت بدکاری کی مرتکب ہو جائے۔

(متی باب ۵: ۳۱، ۳۲)

حالانکہ مرد و عورت میں بدکاری کے علاوہ بھی ہزار ہا سنگین ترین شکایتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ جن کی وجہ سے دونوں کا اکٹھا رہنا ایک دوسرے کے لئے عذاب بن جاتا ہے، لیکن عیسائیت میں اس قید سے نکلنے کی کوئی دوسرے صورت نہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج عیسائیوں کی اکثریت شادی کے بغیر ہی تعلقات قائم کرنے کو ترجیح دے رہی ہے۔ دیگر مذاہب میں عورت کے لئے اس سے بھی بدتر صورتحال ہے، جبکہ اسلام کا مطالعہ کرنے کا کملا کو ابھی موقعہ نہیں ملا تھا۔ دوسری طرف حقوق نسواں کی جدید تحریکیں بھی عدم توازن کا شکار تھیں جہاں عورت پر حقوق کے نام پر دوہری ذمہ داریاں ڈال دی جاتی ہیں۔ باہر وہ مردوں کی جنسی لذت کا ایک ذریعہ، شوپیس اور ایک کھلونا ہوتی ہے تو گھر میں شوہر کی نظر میں وہ اس کے کسی کام کی نہیں ہوتی۔ نہ وہ شوہر کو صحیح وقت دے سکتی ہے اور نہ بچوں کی مناسب دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ چنانچہ معاشرہ کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور غیر فطری ذمہ داریاں انجام دینے کی وجہ سے عورت کی یہاں بھی کوئی عزت نہیں رہ جاتی۔

یہ ساری صورت حال کملا داس کے لئے انتہائی مایوس کن تھی، اس کا اب کسی مذہب پر ایمان رہا تھا نہ کسی جدید تحریک سے وہ مطمئن تھی، تاہم اس دوران اسے کچھ مسلم دوستوں نے اسلام کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا۔ کملا داس جوں جوں اسلام کا مطالعہ کرتی گئی، اسے احساس ہوا کہ جیسے ظلمت اور مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید اور مسرت کی کرنیں جھلملا رہی ہیں۔ جیسے اس کی گمشدہ منزل اس کے قریب آ رہی ہو۔ بالآخر اسے اسلام کے روپ میں ہر سوال کا جواب مل گیا، آخر وہ ایسے دین سے کیوں نہ متاثر ہوتی جس نے ہر لحاظ سے جامع و اکمل اور عین فطری نظام دیا تھا۔ جس میں عورت اور مرد دونوں سے ان کی جنس کے مطابق عادلانہ سلوک کیا گیا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دین کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پہلی شادی بھی بیوہ سے کی اور ان کی وفات کے بعد باقی شادیاں بھی زیادہ تر بیوگان اور مطلقہ عورتوں سے کیں، کہاں یہ

ہندو معاشرہ جس میں آج کے جدید ترین دور میں بھی بیوہ عورت کی کوئی عزت نہیں اور کہاں وہ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے آج سے زیادہ جاہلانہ معاشرے میں عورت کی عزت کو اس قدر سر بلند کیا کہ اسے اوج ثریا تک پہنچا دیا اور جس کا اس وقت تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا اور نہ اس وقت انسانی حقوق کی کہیں تنظیمیں تھیں نہ کسی طرف سے عورت کی حیثیت کو بلند کرنے کے لئے ایسا دباؤ تھا لیکن چونکہ آپ انسانوں کے خالق کی طرف سے سچے پیغمبر تھے، اس لئے کسی مظلوم کو کوئی مطالبہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ سب کو از خود انصاف مل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو نہ صرف زندہ درگور ہونے سے بچایا بلکہ عورت اور مرد کے حقوق اپنے اپنے دائرہ کار میں برابر قرار دیئے اور عورت کو جائیداد اور وراثت تک میں اس کا حصہ دلوایا، جس پر آج کے دور میں بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ ہندو معاشرے میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ جائیداد میں عورت کو حصہ دینے کا تصور ہے نہ بیوہ عورت کی کوئی عزت۔ برصغیر میں جب مجاہدین کی تحریک بالاکوٹ سے شروع ہوئی تو اس کے امیر جہاد کے ساتھ ساتھ معاشرے میں ان ہندوانہ رسوم کی اصلاح کی کوشش بھی کیں جو مسلمانوں میں بھی در آئی تھیں، انہوں نے بہت سی بیوہ عورتوں کی شادیاں کرائیں جو اس وقت مسلمانوں میں بھی متروک ہو چکی تھیں، اس وقت ہندوؤں پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، محبت و رحمت والے اسی فطری دین نے کملا کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا، گہرے اور طویل مطالعہ کے بعد بالآخر اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس نے ایک ادبی سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''مجھے ہندو دیوتاؤں پر بھروسہ نہیں رہا، میں نے اسلام کے روپ میں ایک ایسا مذہب دریافت کیا ہے جو محبت کا مذہب ہے اور خدا گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، وہ رحیم ہے اس لئے میں اسلام قبول کر رہی ہوں''۔

ہفت روزہ نئی دنیا، نئی دہلی (۲۸ دسمبر ۱۹۹۹ء تا ۳ جنوری ۲۰۰۰) کے مطابق کملا داس نے جب یہ الفاظ ادا کئے تو پوری محفل کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ۶۷ سالہ کملا داس کے یہ الفاظ ان کی کسی کتاب کا اقتباس نہیں بلکہ اپنی ذاتی زندگی

کے تجربات اور مطالعہ کی عکاسی کر رہے ہیں، اس اعلان کے بعد کملا سے ثریا بننے والی نے اپنا گھر بھی بدل دیا۔ اس نے اپنے گھر سے جھوٹے معبودوں کی تمام مورتیاں اور پوسٹر نکال کر پھینک دیئے، جس نے نہ صرف کیرالہ بلکہ پورے ہندوستان میں انتہا پسند ہندو تنظیموں پر دیوانگی طاری کر دی، انڈین ایکسپریس، ہندستان ٹائمز اور میڈیا کی بڑی ٹیمیں اس سے انٹرویو کے لئے آنے لگیں، ثریا نے واضح طور پر کہہ دیا کہ بھگوان مورتیوں میں نہیں ہوتے۔ اس سے سنگھ پریوار میں خوب کھلبلی پھیلی۔ ثریا کو موت کی دھمکیاں بھی خوب دی گئیں، لیکن اس کے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔ عام طور پر یہ لوگ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ہندوؤں میں اسلام پیسہ لالچ یا جبر کی وجہ سے پھیلا ہے، لیکن کملا داس ایسی شخصیات کے قبول اسلام میں اس طرح کا کوئی عنصر نہیں دکھایا جاسکتا۔ ایک انتہائی پڑھی لکھی اور مالی طور پر آسودہ خاندان کی کملا کے لئے ایسی کوئی مجبوری نہ تھی۔

کملا نے نہ صرف اسلام قبول کیا ہے، بلکہ حقیقی معنوں میں اسلام کو اپنا لیا ہے، اس نے اسلامی پردے کو بھی مکمل طور پر اختیار کیا ہے، آجکل کی ''مسلمان'' عورتیں بھی جو پردے سے جان چھڑاتی ہیں اور آنکھ کے پردے کو ہی اصل پردہ قرار دے کر فرار کی راہ اختیار کرتی ہیں، لیکن ثریا کو پردے کی ضرورت اور افادیت کے بارے میں مکمل شرح صدر ہے۔ اس نے ایک انٹرویو میں اس سوال پر کہ اسلام میں آپ کو سب سے زیادہ پرکشش بات کیا لگی؟ کہا:

> ''مجھے مسلمان عورتوں کا برقعہ بہت پسند ہے، میں پچھلے ۲۴ برسوں سے پردے کو ترجیح دے رہی ہوں، جب کوئی عورت پردے میں ہوتی ہے تو اس کو احترام ملتا ہے، کوئی اس کو چھونے اور چھیڑنے کی ہمت نہیں کرسکتا اس سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے''۔ (ہفت روزہ ''نئی دنیا'' نئی دہلی ۲۸ دسمبر ۱۹۹۹ء)

ثریا نے اب برقعہ کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے وہ پردے کے بغیر زندگی کو آزادی نہیں سمجھتی بلکہ ایسی آزادی کو عورت کے لئے زہر قاتل سمجھتی ہے اس نے اس سوال پر کہ کیا برقعہ آپ کی آزادی کو متاثر نہیں کرتا؟ کہا:

> ''مجھے آزادی نہیں چاہیئے، اب تو آزادی میرے لئے ایک بوجھ بن گئی ہے، مجھے اپنی زندگی کو باضابطہ اور باقاعدہ بنانے کے لئے گائیڈ لائن کی

ضرورت تھی، ایک خدا کی تلاش تھی جو تحفظ دے پردے سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے، پردہ تو عورت کے لئے بلٹ پروف جیکٹ ہے''۔

ثریا نے اب اپنی پینٹنگ کے تصور کو بھی بدل دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اب اللہ کے رحم و کرم کو مختلف روپ میں ابھاریں گی۔ یقیناً اللہ نے دین اسلام کے ذریعے عورتوں پر جو رحمت کی بارش برسائی ہے، ثریا اللہ کی اس رحمت و محبت کو کیوں نہ اجاگر کرے گی یہی تو اس کا اب اثاثہ اور خزانہ ہے۔ ایسا خزانہ جو گمشدہ تھا وہ ساری زندگی اسے پانے کے لئے جدوجہد کرتی رہی۔ بالآخر اس رحیم و کریم نے اس پر اپنا کرم کردیا، اس نے خزانہ، وہ نعمت اور وہ سب سے بڑی بھلائی پالی جس کے بارے میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے''۔

اللہ سے دعاء ہے کہ ثریا کو قرآن و حدیث پر استقامت کے ساتھ چلنے کی پوری توفیق عطا فرمائے اور اس کا قبول اسلام راہ سے بھٹکے ہوئے سب مردوں اور عورتوں کے لئے باعث ہدایت بنائے۔ (آمین ثم آمین)

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: عائشہ **ملک کا نام**: برطانیہ

# عیسائی مشنریوں کے یہاں پڑھنے والی اکیس سالہ لڑکی کے قبول اسلام کا واقعہ

شمالی امریکہ سے شائع ہونے والا عربی ماہنامہ ''الامل'' اپنے ایک کالم رحلتی الھدیٰ (ہدایت کی طرف میرا سفر) میں امریکہ اور کینیڈا میں اسلام سے مشرف ہونے والے افراد کے تاثرات شائع کیا کرتا ہے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں مغربی ذہن کے احساسات وجذبات کا اندازہ لگایا جاسکے اور اس قطعہ ارضی پہ دعوت اسلامی کے درپیش مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوسکے۔ اسی قسم کا ایک برطانوی عیسائی خاتون کے قبول اسلام کا واقعہ مذکورہ بالا ماہنامہ نے اپنے ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء کے شمارہ میں نقل کیا ہے۔ ہم قارین کی خدمت میں اس مضمون کا اردو ترجمہ پیش کررہے ہیں۔

چند ہی سال قبل اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا جب کہ میری عمر صرف اکیس برس کی تھی، میرے قبول اسلام کا واقعہ ان لوگوں کے قبول اسلام کے واقعات سے مختلف نہیں ہے جو مغربی ماحول میں پروان چڑھتے ہیں اور پھر اسلام سے واقف ہوکر اسے قبول کرلیتے ہیں، میں ایک نوجوان انگریز لڑکی تھی اور میرا خاندان بھی دیگر خاندانوں سے کچھ مختلف نہ تھا اور میری والدہ بھی اگرچہ عیسائی تھیں، لیکن عیسائی شعائر وعبادات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں، لیکن والد صاحب کسی بھی مذہب پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

میری ابتدائی تعلیم ایک دینی مدرسہ میں ہوئی، جہاں میں نے عیسائی مشنریوں کے تحت چلنے والے مدرسوں کے نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ ہمارے گھر کی روزانہ کی گفتگو میں دین ومذہب کا تذکرہ کبھی ضمناً بھی نہیں آیا کرتا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ کبھی ایک مرتبہ بھی میں نے کسی دن اللہ کا ذکر اپنے گھر میں سنا ہو۔

بہر کیف اس تعلیمی عرصہ میں جو مشنری کے مدرسہ میں گذارا، مجھے کبھی بھی عیسائیت کے بنیادی عقائد جیسے اقانیم ثلاثہ، باپ بیٹا روح القدس کا مسئلہ اور صلیب وغیرہ کے عقیدہ پر شرح صدر حاصل نہیں ہوا۔ لیکن ان مسائل پر ہونے والی بحثوں میں شریک ضرور ہوا کرتی تھی، اور ہاں ایک بات کا احساس جو مجھے اس زمانہ میں شدت سے ہوا کرتا تھا،، وہ یہ کہ جو افکار و خیالات عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں یہ ضرور کسی بڑی حقیقت کا پرتو ہیں اور انہیں نشان راہ بنا کر حقیقت امر تک رسائی ممکن ہے اور میں اس کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا کرتی تھی۔

بہر حال میں مشنری کے مدرسہ میں داخل ہوئی اور وہاں میں نے مسیحیت کی تعلیم بھی حاصل کی، لیکن جب میں اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ سے نکلی تو میں مسیحیت کی بالکلیہ طور پر منکر ہو چکی تھی۔

ابتدائی زمانہ میں مجھے فلسفہ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا اور حقیقت تک رسائی کی جو میرے اندر شدید خواہش پائی جاتی تھی وہ بیان سے باہر ہے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنی عمر کے بالکل ابتدائی زمانہ میں جب کہ میری عمر پندرہ سال سے بھی متجاوز نہ ہوئی تھی ایک چینی فلسفہ کی کتاب تادیہ چنگ پڑھ ڈالی جو مشہور چینی فلسفی بھی مختلف فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ تھی۔ اس کتاب سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی، اور اسی زمانہ میں مجھے بدھ مذہب سے بھی تھوڑا بہت تعارف حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے چینی زبان سیکھ کر ان دونوں فلسفوں کی باقاعدہ تیاری کے لئے میں نے بذات خود چین جانے کا فیصلہ کیا۔ اگر چہ اس جیسے فیصلوں پر عمل پیرا ہونا مجھ جیسی نوجوان عورت کے لئے کہ جس کے پاس کسی قسم کے کوئی مادی وسائل مہیا نہ ہوں انتہائی مشکل تھا۔ لیکن میں اپنی خواہش کو دبا نہ سکی اور سترہ سال کی عمر میں کینیڈا منتقل ہو گئی، جہاں میں نے دو سال تک کے لئے ایک جگہ نوکری حاصل کر لی تھی، اور اس طرح میں نے کینیڈا کے قیام کے دوران اتنے روپے جمع کر لیئے جو میری تعلیم کی تکمیل کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ اس وقت میرا ارادہ پہلے اپنی ہائی ایر سیکنڈری کی تعلیم مکمل کر لینے کا تھا تاکہ چینی زبان سیکھنے کے لئے مجھے یونیورسٹی میں داخلہ مل سکے۔

کینیڈا کے اس قیام کے دوران، میں ہندو فلسفے سے بھی متعارف ہوئی اور اس

کی مقدس کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔اس طرح مجھے ایشیا کے تین اہم فلسفوں کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔

ان فلسفوں میں جمالیاتی وروحانی گوشوں کی موجودگی کو تو میں ضرور محسوس کرتی تھی، لیکن باوجود اس کے میں ان فلسفوں میں انسانی روزہ مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے مسائل کا حل نہیں پاتی تھی، اور اس بناء پر یہ فلسفے مجھے عقلی طور پر مطمئن نہ کر سکے۔ان فلسفوں کے گہرے مطالعے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ فلسفے انسانی زندگی میں مطلوبہ استحکام اور واقعات ونظائر میں توازن پیدا کرنے سے یکسر قاصر ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلسفے انسان کی عملی زندگی کی اہمیت کو نا قابل اعتناء سمجھتے ہیں۔تادیہ فلسفہ کا بانی انسان کی عملی زندگی کو نظر انداز کر کے محض خیالات کر پر پیچ گھاٹیوں میں سرگرداں نظر آتا تھا اور اس کا سارے کا سارا فلسفہ انکار ذات اور متصوفانہ رجحانات کی دقیق وگنجلک بحثوں سے بھرا ہوا تھا۔اور اسی طرح بدھ کا حقیقت کی تلاش میں اپنی نوجوان بیوی اور خاندان کو چھوڑ کر نکل جانا بھی کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور ہندو مذہب کے سلسلے میں مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس پر روحانی کمال کے حصول کے رجحانات جنون کی حد تک طاری ہیں۔لیکن ہماری اس موجودہ زندگی کو کسی نے بھی موضوع بحث نہیں بنایا۔

میں سوچا کرتی تھی کہ یہ بلند پایہ فلسفیانہ افکار ونظریات کیا معاشرے کی ترقی اور اس کی تنظیم میں کچھ مددگار بھی ثابت ہو سکتے ہیں، یا یہ محض وہم وخیال کی دنیا ہے کہ جس کا واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اس خلجان پیدا کرنے والے سوالوں نے میرا ان فلسفوں پر سے اعتماد اٹھا دیا۔ اس زمانہ میں میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ سوالات پیدا ہوا کرتے تھے کہ انسانی زندگی کا آخر مقصد کیا ہے؟ کیا زندگی یوں ہی اچانک وجود میں آ گئی؟ اور بغیر کسی پیدا کرنے والے کے محض مادہ میں تغیر سے حیات انسانی کا وجود ہو گیا؟ جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے ان سوالوں اور اس جیسے دوسرے سوالوں نے مجھے لاغر کر کے رکھ دیا تھا۔اکثر وبیشتر ساری ساری رات بیداری کی حالت میں گذر جاتی تھی۔دوسرے ان فلسفوں پر سے میرا اعتماد اٹھ جانے کی وجہ سے میری ہائر سیکنڈری کی کامیابی اور لندن یونیورسٹی میں چینی

زبان کی تعلیم بھی رائیگاں گئی۔ یہ سچ ہے کہ میں نے چینی زبان سیکھنے کی اپنی خواہش کو ضرور پورا کرلیا۔ لیکن اس کے بعد مجھ پر یہ عیاں ہوگیا کہ تھا کہ اس زبان کے ذریعہ میں جس حقیقت تک رسائی کی خواہاں ہوں اس سے یہ زبان قاصر ہے۔

بہر حال یونیورسٹی میں داخلہ کے نتیجہ میں مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا۔ وہ یہ کہ وہاں بعض مسلمان حضرات سے مجھے متعارف ہونے کا موقع ملا، اس سے قبل نہ تو میں نے اسلام کے بارے میں کچھ سنا تھا اور نہ ہی اس سلسلے میں مجھے کبھی کچھ پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مغربی ماحول میں پروان چڑھنے والے ایک عام آدمی کی طرح میرے اندر بھی اسلام سے ایک قسم کی چڑ اور نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے، یونیورسٹی کے اس ماحول میں مجھے اسلام سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ میرے مسلمان دوستوں نے اسلام کے ایک ایک جز کی خوب وضاحت کی اور سوال و جواب کے ذریعہ میرے سارے اشکالات دفع کئے اور مجھے ابتداء میں بہت ساری اسلامی کتابیں پڑھنے کے لئے عنایت کیں۔ شروع شروع میں تو میں ان کتابوں کا مطالعہ سرسری اور تفریحاً کیا کرتی تھی لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا میرا ان کتابوں سے شغل بڑھتا گیا اور میرے مطالعے نے میرے وہ سارے شکوک وشبہات رفع کردیئے جو مغربی ماحول میں پرورش پانے کے سبب میرے اندر پیدا ہوگئے تھے اور اسطرح میں نے انتہائی اہتمام کے ساتھ اسلامیات پر بہت ساری کتابیں پڑھ ڈالیں، ان کتابوں کے طرز اسلوب نے میرے اندر نئی زندگی کی لہر دوڑادی اور اسلام نے خالق ومخلوق کے مابین تعلقات کو سمجھانے کے لئے جو اچھوتا انداز اختیار کیا ہے میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی، اور اسی طرح آخرت کے عقیدہ کی اسلامی تفہیم وتشریح بھی مجھے بے حد پسند آئی۔

اسی دوران میرے ایک مسلمان دوست نے مجھے قرآن کریم کا ترجمہ ہدیۃً عنایت کیا اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام سے متعارف ہونے کے بعد سے اس کتاب عظیم کے مطالعہ کی جو میرے اندر شدید خواہش پیدا ہوگئی تھی اسے میں دبا نہ سکی اور بڑے اشتیاق کے ساتھ میں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ نے میرے اندر انتہائی گہرے نقوش چھوڑے اور سچ یہ ہے کہ قرآن کی اس قوت تاثیر کو جسے میں نے اس وقت اپنے اندر محسوس کیا تھا، الفاظ کی گرفت میں لانے سے قاصر ہوں مجھے خوب یاد ہے کہ

ایک دن جب کہ میں قرآن کی تیسری سورۃ کا مطالعہ ابھی ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ بے اختیار میں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئی، خدائے رحمٰن، کائنات کے خالق، سرچشمہ حیات کی بارگاہ میں، اور وہ میرا پہلا سجدہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں، میں نے ادا کیا تھا اور اس دن سے بحمد للہ میں مسلمان ہوں۔

بہر حال قرآن سے تعارف کے تین ماہ بعد میں نے اسلام قبول کیا، اس سے قبل اسلام کے بہت سارے بنیادی افکار ونظریات سے میں ناواقف تھی اور اس کے بعد ایک عرصہ تک میں مسلمان دوستوں سے سوالات کی تفصیل معلوم کرتی رہی۔

اب اکثر و بیشتر مجھ سے میرے اسلام قبول کرنے کے اسباب دریافت کئے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ میں اس سوال کا کوئی مختصر سا کافی وشافی جواب دینے پر اپنے آپ کو قادر نہیں پاتی ہوں اور یہ مسئلہ میرے لئے بڑا پیچیدہ ہے، وہ اس لئے کہ جیسا کہ ایک یورپی مسلمان نے اسلام کے بارے میں کہا ہے کہ اسلام میں اس درجہ ربط اور توازن پایا جاتا ہے کہ اس کا ہر ایک جزو دوسرے جز کی تکمیل کرتا ہے اور اسلام کا جمال اور اس کی عظمت اجزاء کی اس ہم آہنگی ہی میں پوشیدہ ہے اور یہ ہی وہ راز ہے کہ جس کے سبب اسلام طبع انسانی پر اثر انداز ہوتا ہے اور دلوں میں گھر کرتا ہے، اشیاء کی تفصیل، واقعات کے اسباب ومحرکات کی وضاحت، اسلامی حکومت کی تنظیم کا اہتمام اور یہ ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کا احساس یہ ہی وہ ساری ممتاز خصوصیتیں ہیں جو اسلام کو دیگر مذہب کے مقابلہ میں موازناتی مطالعہ کی سطح سے بلند کر دیتی ہیں، ایک جامع و مانع نظام حیات، انسانی ہدایت کیلئے واضح راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا مذہب، ایک ایسا مذہب کے جس کے جاننے والا ہر آن، ہر گھڑی اللہ کی مدد کا خواستگار ہو کر اور اپنے ہر کام کی ابتدا اسی کے برکت نام سے کرتے ہوئے معرفت کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل طے کرتا رہتا ہے اور اس طرح مسلمان ہی کے لئے ممکن ہے کہ وہ مشکلات و دشواریوں کی خلیج کو پاٹ سکے اور مادہ وروح کے تقاضوں کو اپنے فرق کے ساتھ پورا کر سکے اور ان میں توازن وہم آہنگی پیدا کر سکے۔

ایک نو مسلم کی زندگی جن چیزوں سے متاثر ہوتی ہے اسی میں سے ایک ان افراد کا طرز عمل ہوتا ہے جن کے درمیان اس نے اپنی ماقبل اسلام کی زندگی گذاری ہے۔

جہاں تک میرا مسئلہ ہے میں اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ رہا کرتی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے سے افراد خاندان میں کسی قسم کا کوئی ہیجان برپا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ وہ لوگ یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ یہ میرا ایک وقتی شوق یا عارضی جذبہ ہے جو مجھ پر اس سے قبل چینی زبان سیکھنے کے سلسلے میں بھی طاری ہو چکا تھا اور یہ کہ میں نے اسلام محض چند افکار و آراء سے متاثر ہو کر جذباتی طور پر قبول کرلیا ہے۔ اور میرے یہ جذبات امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور میں زندگی کے وسیع و عریض سمندر میں کھو کر ان افکار و نظریات کو بھول جاؤں گی، لیکن برخلاف اس کے ایک طرف تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ میرے خاندان والوں کو اپنی غلط فہمی کا احساس ہوتا گیا اور دوسری طرف میرا اسلام سے تعلق بڑھتا گیا۔ اس لئے کہ میرا اسلام قبول کرنا محض ایک اعتقادی مسئلہ نہیں تھا جس کا عملی دنیا میں کوئی ظہور نہ ہوتا، بلکہ اسلام نے میری زندگی میں میرے رہن سہن، میرے عادات و اطوار، میں ایک واضح تبدیلی پیدا کر دی تھی، اور اب میرے خاندان والوں نے مجھے اسلام قبول کرنے پر لعنت ملامت کرنی شروع کر دی تھی، خاص طور پر میرا شراب اور خنزیر کے گوشت کا ترک کر دینا ان کے لئے انتہائی غم و غصہ کا باعث بنا اور اسی طرح میرا اسلامی پردہ کو اختیار کرنا بھی ان پر سخت گراں گذرا اور وہ لوگ میری صورت سے بھی نفرت کرنے لگے لیکن مجھے اس بات کا پورا علم تھا کہ میرے خاندان والوں نے میرے ساتھ جو بدسلوکی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے یہ کسی دینی عصبیت یا مذہبی جذبات کی بناء پر نہیں ہے بلکہ محض اس لئے کہ لوگ ان کی بیٹی کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں اور ان کا یہ غم و غصہ دراصل اسی انگشت نمائی کا ردِعمل تھا اسی لئے کہ ان لوگوں کے نزدیک ایمان و مذہب کا مسئلہ اس درجہ اہم نہیں تھا کہ اس پر لعنت و ملامت کی جائے۔

اور جہاں تک میرے دوستوں کا تعلق ہے تو ان لوگوں میں علمی بحث و مباحثوں سے دلچسپی پائی جاتی تھی اور اگر کوئی چیز انہیں عقلی طور پر مطمئن کر دیتی تو وہ اسے قبول کر لینے کی اپنے اندر استعداد رکھتے تھے، بسا اوقات میں نے اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کی اعلیٰ قدروں کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا اور اپنی گفتگو میں اس مسئلہ میں اسلام کی حکمت پوشیدہ اور موجودہ مغربی زندگی میں آئے دن پیش آنے والے

ازدواجی واقعات اور مسائل کا موازنہ کیا تو میرے تمام ساتھیوں نے مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا کہ یقیناً اسلام میں تعدادازدواج کا مسئلہ عقل کے عین مطابق اور پرازحکمت آسمانی ہے اور یہ کہ موجودہ ازدواجی زندگی کے مسائل کا بہترین حل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مغربی ماحول میں بسنے والے لوگ جو یا تو دین کے بارے میں کبھی سوچتے ہی نہیں ہیں یا وہ لوگ جو ماحول سے متاثر ہوکر اپنے اندر سے دینی مسائل پر سوچنے کا ملکہ کھو بیٹھے ہیں، ان سب کے دلوں میں اسلام کی طرف سے ایک شدید قسم کی نفرت اور مسلمانوں کے حق میں انتہائی حقارت آمیز جذبات پائے جاتے ہیں اور اگر کسی کو بہت ہی ادب واحترام کا پاس ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کا مذاق ان کے روبرو نہیں اڑاتا، ہاں البتہ ان کی عدم موجودگی میں خوب جی بھر کر مزاق اڑایا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ ہی لوگ جو مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہیں۔ ملحدین اور بدین لوگوں پر کوئی تنقید نہیں کرتے بلکہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ ان ملحدین کا احترام کرتے ہیں اور اس پر حجت یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ لوگ مردان حر ہیں اور یہ کہ انہوں نے جرات مندی سے کام لے کر مذہبی تقلید کے پھندے اپنے گردنوں سے اتار پھینکے ہیں۔

بہرحال مجھے اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ مشکلوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سوا ان چند مشکلات کے کہ جن کا ذکر میں اوپر کر چکی ہوں اور اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ میں یونیورسٹی میں مشرقی اور افریقی علوم سے متعلق شعبہ کی ایک طالبہ تھی اور شعبہ میں پڑھنے والے اکثر و بیشتر طلبہ دین سے واقفیت رکھتے تھے اور دین واہل دین کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے میرا تجربہ ان لوگوں سے بہت حد تک مختلف ہے جنہوں نے برطانیہ میں اسلام قبول کیا اور تعلیمی ماحول کی ناسازگاری وخاندانی زندگی سے عدم مطابقت کی وجہ سے جنہیں شدید قسم کے مصائب وتکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

ابھی تک میرا اسلام کے سلسلہ میں مطالعہ صرف ان کتابوں تک محدود تھا جو مجھے بہ آسانی دستیاب ہوگئی تھیں یا پھر اکثر اسلام کے بنیادی افکار ونظریات کے بارے میں میں نے اہل علم حضرات سے سوالات کے ذریعے یا اپنے رفقائے درس سے ان مسائل پر بحث ومباحثہ کے ذریعے کسی حد تک معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

مثال کے طور پر گذشتہ سال میں نے اپنے ایک سوڈانی ساتھی سے اسلامی

افکار ونظریات کے سلسلے میں بہت ساری معلومات حاصل کیں، اور اسی طرح مغربی فلسفوں سے ان اسلامی افکار ونظریات کے تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں بھی میں نے اس طالب علم سے استفادہ کیا۔ یہ سوڈانی طالب علم ہر ہفتہ ایک حلقہ درس منعقد کرتے تھے جس میں دس طلبہ حاضر ہوا کرتے تھے، اور اس حلقہ درس میں ہمارے مطالعہ کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے قرآن حکیم کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پڑھی جاتی، پھر اس ترجمہ کو قرآن کریم کی اصل عبارت (نص قرآنی) سے ملایا جاتا تاکہ اس طرح قرآن کی اصل عبارت تک پہنچنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ پھر مختلف تفاسیر کی روشنی میں ہم لوگ قرآن کے معنی کے تعین میں آپس میں گفتگو کرتے اور قرآنی اوامر ونواہی کو سمجھنے اور اپنی عملی زندگی سے اس کا ربط تلاش کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اس بحث ومباحثہ میں تفسیر طبرانی سے خاص طور پر استفادہ کیا جاتا تھا۔

مجھے اب انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے اس سوڈانی بھائی کے چلے جانے سے یہاں ایک بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے، اب مجھے پورے لندن میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس درجہ کا علم رکھتا ہو، یا اگر کوئی اس درجہ کا عالم مل بھی جاتا ہے تو اس میں وہ دینی حمیت وغیرت ایمانی مفقود ہوتی ہے جو ہمارے سوڈانی بھائی میں پائی جاتی تھی اور جس کی ایمانی حرارت ہمارے ہفتہ واری درس کے حلقوں کو گرمائے رکھتی تھی اور انہیں جمود اور تعطل کا شکار ہونے سے بچائے رکھتی تھی۔

میرے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو مغربی تہذیب اور اسلام کے تاریخی تہذیبی سنگم سے الگ نہیں کا کیا جا سکتا، بلکہ مغربی تہذیب کی موجودہ خطرناک صورت حال اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا پرامن اور صالح نظام حیات، یہ ہی دو بنیادی محرک ہیں جو میرے قبول کا سبب بنے۔ آج مغربی تہذیب پر ظلمت کے مہیب بادل چھائے ہوئے ہیں اس تاریکی میں امید کی ایک کرن بھی چمکتی نظر نہیں آتی جو انسانیت کو نجات دلا سکے، اور اس معاشرے کی موجودہ حقیقی صورتحال سے جو شخص واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ترقی کے پیچھے کس درجہ بوداپن اور ان عیش و عشرت کے مادی نقشوں کی تہہ میں کس درجہ بے چینی وانتشار پایا جاتا ہے۔ آج مغرب میں لوگ اپنے ان سنگین مسائل کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بعید، بالکل بعید از

امکان بات ہے کہ وہ اس تمدنی نظام میں کہ جس نے انہیں معذور کررکھا ہے کوئی نجات کی سبیل پائیں، بلکہ تہذیب وتمدن کے اس تیز وتند بہاؤ میں ان کی کوششیں ضائع جائیں گی اوران کے سامنے سوائے اس کے کہ وہ مزید دشواریوں میں الجھیں اور ہلاکت کے غار میں جاگریں، کوئی راستہ نہیں ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جسم وروح کے مطالبوں کے درمیان اسلام نے جو کمال درجہ کا توازن اور ہم آہنگی وحسن امتزاج پیدا کیا ہے آج اس کی طرف مغرب کا میلان بڑھتا جارہا ہے صرف اور صرف اسلام ہی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ مغرب کی رہنمائی کرسکے، اوراسے حقیقی کامیابی وابدی سعادت سے ہم کنار کرسکے اور صرف اسلام ہی ایک مغربی انسان کوزندگی کے حقیقی مفہوم سے روشناس کراسکتا ہے اوراسے دنیا میں اللہ کی رضا جوئی کے لئے ایسی جدوجہد کرنے پر اکسا سکتا ہے کہ جواس کی اخروی زندگی میں کامیابی کی ضامن ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ ہم سب کو دنیا وآخرت کی کامیابی عطا فرمائے۔

اسلام ومغرب کی موجودہ صورت حال کے نتیجہ میں ہم پر اسلام کے پیش کرنے کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں اوران ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بنیادی چیز اسلام کا فہم صحیح ہے اس لئے کہ اس فہم صحیح ہی کی مدد سے ہم ہر قسم کے اعتراضات اور سوالات کے قابل اطمینان جواب دے سکتے ہیں اوراسی طرح مختلف اسلامی موضوعات پر کتابیں بھی بکثرت شائع کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ دعوت کے کام میں کتابیں بھی بڑی معین ومددگار ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ آپ کسی غیر مسلم کو کوئی کتاب ہدیۃً عنایت کرتے ہیں تو وہ بحث ومباحثہ کی بہ نسبت اس کتاب کا زیادہ سنجیدگی سے مطالعہ کرتا ہے۔ لیکن بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر بہت کم دستیاب ہے اور ہاں دعوتی کام کے سلسلے میں ایک اہم ترین بات کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ قرآن جو ایک مثالی انسان کی تصویر پیش کرتا ہے اس مثالی انسان کے اوصاف وخصائل، داعی کی شخصیت میں نمایاں ہونے چاہئیں اور داعی کی شخصیت قرآن کے اس مثالی کردار کی آئینہ دار ہونی چاہیئے۔

اسلامی طرز زندگی کی ضرورت اور اسوۂ حسنہ کی اہمیت کا ہمیں شدت سے

احساس ہے اور یہ مستقل ہماری گفتگو کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس لئے کہ برطانیہ میں بسنے والے مسلمانوں کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ متعدد بھی ہیں اور مختلف بھی، اس لئے کہ ہر نئے اسلام قبول کرنے والے کے اپنے ماحول وحالات کے اعتبار سے ان مسائل کی نوعیت میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے، اس لئے کہ اگر برطانیہ میں ایک خاندان کے تمام افراد ایک ساتھ اسلام قبول کر لیتے ہیں تب تو انہیں اسلامی زندگی گذارنا آسان اور ممکن ہو جاتا ہے، برخلاف اس کے جب شادی شدہ یا غیر شادی شدہ مرد عورتیں اسلام قبول کرتی ہیں تو انہیں مختلف قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر اسلامی زندگی گذارنے کے لئے مغربی معاشرے کی ناسازگار فضا کا احساس تو ان کے لئے سخت ابتلاء وآزمائش کا سبب بنتا ہے اور ان کے لئے اسلامی عبادات اور شعائر کے مطلوبہ اہتمام کے ساتھ ادائیگی ایک ایسے معاشرے میں جو اسلامی معاشرے کی بالکل ضد ہے انتہائی دشوار ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر نماز کے اوقات میں ادائیگی یا روزوں کی پابندی وغیرہ وغیرہ بہر حال یہ ضرور ہے کہ واجبات وفرائض کی ادائیگی میں مسلمان خاندان ایک دوسرے کی مدد ضرور کرتے رہتے ہیں اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہاں برطانیہ میں ایسی مثالی شخصیتوں کا فقدان ہے، جو اسلامی علوم وثقافت کی نمائندگی کرتی ہوں اور نئے مسلمان ہونے والوں کے لئے قرآن فہمی میں مددگار ثابت ہوسکتی ہوں، یہاں بہت سارے انگریز مسلمان ہیں جو قرآن سمجھنے کے لئے بے چین ہیں لیکن انہیں کوئی قابل اطمینان سمجھانے والا نہیں ملتا اور مجھے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوتا ہے کہ لندن میں ثقافت اسلامی کا مرکز اس پہلو سے کچھ بھی کارکردگی انجام نہیں دے رہا ہے اور یہاں برطانیہ میں دعوت کا کام اور قرآن کی تعلیم وہ مسلم طلبہ انجام دیتے ہیں جو یہاں باہر سے حصول تعلیم کے لئے آتے ہیں، یہ طلبہ باوجود وقت کی تنگی کے دعوت کی اس ذمہ داری کو بہت حد تک ادا کرتے ہیں اور یہاں میں ایک بات یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتی ہوں کہ اسلام کے سلسلے میں مغربی لوگوں کے منفی نقطہ نظر میں بہت بڑا دخل ان مسلمان طلباء کو ہے جو یہاں مغرب میں آ کر اس کی چمک دمک سے مرعوب ہو جاتے ہیں، بہر حال میں یہاں اس کے اسباب وعلل سے بحث کرنا نہیں چاہتی ہوں ہاں البتہ جو چیز مجھے رنجیدہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان مسلمان طلباء کی نظروں کو مغربی تہذیب کے کھوکھلے اور سطحی مظاہرے خیرہ کر دیتے ہیں اور یہ مرعوبیت کا

شکار ہو جاتے ہیں۔

قبل اس کے کہ میں اپنی بات ختم کروں، مناسب سمجھتی ہوں کہ اپنے ان محبت و احترام کے دلی جذبات کا یہاں اظہار کر دوں جو میرے دل میں اسلام کے پیدا کردہ خاندانی نظام اور اس کی آغوش میں پلنے والے معاشرتی زندگی کے سلسلے میں پائے جاتے ہیں اگر اسلام کے اس صالح نظام حیات کا موجودہ مغرب کی معاشرتی زندگی سے موازنہ کیا جائے تو اسلامی نظام حیات کا تفوق اور مغربی معاشرہ کا کھوکھلا پن کھل کر سامنے آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(تحریر نگہت عائشہ)

**اسلامی نام:** آمنہ ملک **ملک کا نام:** کینیڈا

# تبلیغی جماعت میرے قبول اسلام کا ذریعہ بنی

اپریل ۱۹۸۷ء کے رمضان المبارک کی وہ بہت ہی مبارک شام تھی، جب ہمیں پاکستانی تبلیغی جماعت کی طرف سے فون آیا کہ وہ مختلف گروہوں میں کینیڈا کا دورہ کررہے ہیں اور ایک گروپ ہمارے پڑوس کا برٹش کولمبیا میں پہنچا ہوا ہے، اور ایک دن بعد وہ ہمارے ہاں آئیں گے دوسری صبح تبلیغی جماعت کے منتظم اعلیٰ محمد رفیق اور ایک کینیڈین پاکستانی کے ہمراہ تشریف لائے کہ ہمارا حال احوال جانیں۔ ہم لوگوں کو ان کے آنے کی بہت خوشی تھی، ہم نے ان سے اصرار کیا کہ بجائے کیمپ گراؤنڈ میں خیمے نصب کرنے کے ہمارے گھر رہیں۔ کینیڈا میں کچھ جگہوں پر برف جون تک گرتی اور جمی رہتی ہے اور یہ مردان خدا برف کے اوپر ہی خیمے لگا کر رات گذارتے تھے ان کا مقصد بے دینوں میں ہی دین کی تبلیغ نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو جو دور دراز علاقوں میں روزی کی خاطر رہتے ہیں، تلاش کرکے آپس میں ملانا اور ان کے لئے ایک طرح کے ریفریشر کورس جیسا کام کرنا بھی تھا۔

ان لوگوں نے ٹرانٹو سے چلتے وقت ایک وین خرید لی تھی، پرانی سی، لیکن وہ ان کا کام خوب کرتی تھی، وہ سارا سامان اس میں لادتے اور خود جہاں تک ہوسکتا تھا پیدل چلتے، صرف ڈرائیور ہمہ وقت سواری کرتا تھا تیسرے دن سحری کے بعد یہ لوگ ہمارے ہاں آنے کے لئے روانہ ہوئے کوئی ۱۱ بجے قبل از دوپہر ہمارے ہاں پہنچ گئے۔ کل آٹھ مرد مومن تھے، وہ اپنے علاقائی لمبے کرتے اور بھاری شلواریں پہنے ہوئے تھے، پاؤں میں کسی نے ہاتھ کی بنی ہوئی چمڑے کی جوتیاں اور کسی نے جوتے پہن رکھے تھے، ہاتھوں میں تسبیح، ورد کرتے اور برف کے بڑے کوٹ پہنے ہوئے، چونکہ ہم ایک چھوٹے سے قصبے پنچر کریک میں رہتے ہیں، مقامی لوگ سب ہمیں جانتے ہیں جب ان لوگوں کو دیکھا تو اکثر مقامی افراد حیران ہوئے اور قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض کا خیال تھا،

یہ تو یسوع مسیح کے زمانے کے لوگ ہیں، لیکن ہمارے پاس کیا کرنے آئے ہیں؟ پولیس نے خاص طور پر تفتیش کی، پنچر کریک میں ہفتے میں ایک بار اخبار نکلتا ہے اس کے رپورٹر نے فوراً فون کیا کہ وہ ان عجیب الخلقت لوگوں کا انٹرویو لینا چاہتا ہے اور ان کی تصویریں بھی، لیکن وہ نہ مانے۔

اپنے اس تبلیغی سفر میں ان نیک لوگوں نے ہمارے علاوہ اور بہت سے چھوٹے قصبوں کے لوگوں کو بھی دریافت کیا یہ لوگ صرف تین دن ہمارے گھر رہے اور ہمارا گھر ذکر الٰہی سے گونج اٹھا۔ سحری اور افطاری کے علاوہ ذکر، ذکر اور ذکر۔ یہ وہ سماں تھا جس کو دیکھے اور سنے ہوئے ۱۸ طویل سال گذر گئے تھے۔ انفرادی عبادت اپنی جگہ لیکن اس طرح ذکر کی فراوانی کانوں کو یہاں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس تبلیغی جماعت کا سن کر کچھ لبنانی مسلمان کیلگری سے بھی آ گئے تھے۔ اسی دوران ایک لبنانی بھائی کی طبعیت بہت خراب ہوگئی۔ انہیں ہسپتال داخل کروانا پڑا۔ ہسپتال میں بھی یہ آٹھ حضرات ہاتھوں میں تسبیح لئے، اپنے علاقائی کپڑوں میں آزادی سے گھوم پھر رہے تھے ہسپتال کا تمام عملہ ان کو دیکھنے کے لئے جمع ہوگیا تھا لوگ اب تک پوچھتے ہیں کہ وہ یسوع کی زمانے کے لوگ پھر کب آئیں گے۔ ہم نے مقامی لوگوں کو اس جماعت کے بارے میں سب کچھ بتایا تھا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ لوگ خود بھی ان سے باتیں کرتے۔

ہمارے ہاں سے روانہ ہوکر وہ ۷۰ میل مشرق میں گئے تو انہوں نے وہاں بھی ایک پاکستانی بھائی کو دریافت کیا اور اس علاقے کے کیمپ گراونڈ میں خیمے نصب کر لئے، وہاں ان کا قیام صرف دو روز کا تھا۔ ہم لوگ صبح کو ڈیوٹی سے فارغ ہوتے ہی افطاری کا سامان لے کر وہاں پہنچ گئے۔ یہ سنہری موقع ہمیں اور بھی پرکشش لگا جب ہمارے بچوں کو بھی نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی کیونکہ مسجد ہم سے ۱۴۵ میل دور ہے اور وہاں جانے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ جب ہم افطاری کا سامان لے کر پہنچے تو عصر کا وقت تھا، نماز کی تیاری ہو رہی تھی مجھے اس نیک بخت پاکستانی بھائی کے گھر پہنچا دیا گیا مع سامان افطاری کے اور یہیں سے وہ مبارک سفر شروع ہوتا ہے۔ جس نے میری روح کو سرشار کر دیا۔

مجھے کینیڈا میں رہتے ہوئے ۱۸ سال کا طویل عرصہ گذر گیا۔ چونکہ میرا رجحان

بچپن ہی سے مذہب کی طرف تھا اپنی مشرقی اقدار بھی مجھے ہمیشہ ہی عزیز رہی ہیں، کینیڈا ماحول کے لحاظ سے مجھے کبھی پسند نہیں آیا۔ اس دوران میں مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اللہ پاک نے ضرور کسی ایسی غلطی یا خطا کی پاداش میں مجھے یہاں پہنچا ہے جو شاید نا قابل معافی ہے۔ بہر حال میں بہت روتی تھی اور اللہ سے معافی بھی مانگتی کہ مجھے اس بے دین دنیا سے نجات دلا۔ جب میں پاکستانی بھائی ملک صاحب کے گھر پہنچی تو ان کی کینیڈین بیوی نے میرا استقبال بھی کیا اور اپنا تعارف بھی کرایا ۔ان کے دو نہایت پیارے پیارے بچے ہیں۔ عصر کے بعد جب مرد حضرات ان کے گھر تشریف لائے تو اس خاتون نے جلدی سے سندھی طرز کا کرتہ پہن لیا اور بڑے رومال سے سر اور کندھے ڈھانپ لئے۔ افطاری کے بعد مغرب کی نماز ان کے گھر ہی میں ادا کی گئی، ملک صاحب بہت خوش ہوئے کہ ۲۰ سال بعد انہوں نے باجماعت نماز پڑھی تھی۔

اس فیملی سے یہ ہماری پہلی ملاقات تھی اس کے بعد چند ملاقاتیں ہوئی وہ خاتون اکثر مجھ سے کہتی تھیں کہ میرے طور طریقوں اور مذہب کی وابستگی نے انہیں بہت متاثر کیا ہے۔ میں ایک قدم اور آگے بڑھنا چاہتی ہوں کہ بچوں کے اسلامی نام رکھنے کا مشورہ دوں اور ان کو مذہب کی طرف مائل کروں، لیکن خدا کی قدرت کہ میں کچھ نہ کہہ سکی۔ پھر ایک دن خاتون نے بتایا کہ چونکہ ان کے میاں مسلمان ہیں، لہٰذا وہ آئندہ ذبیحہ گوشت ہی استعمال کریں گی۔ ہم دونوں خاندانوں نے ملکر گائے ذبح کر لی، پھر اس کے بعد جب بھی ملاقات ہوئی خاتون نے مذہب کے بارے میں پوچھا۔ میں تو اللہ سے موقع مانگ رہی تھی، چنانچہ میں نے اپنی دسترس کے مطابق تمام تر معلومات فراہم کر دیں۔ فروری ۱۹۸۸ء کے آخر میں انہوں نے فون کر کے معلوم کیا کہ رمضان کب ہے کیونکہ وہ بھی روزے رکھنا چاہتی تھیں، مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی (تبلیغی جماعت والے بھی ان کے گھر انگریزی میں مذہب کے بارے میں ایک کتاب چھوڑ گئے تھے اور یہ خاتون اس کتاب کو پڑھتی تھیں) پھر رمضان میں کئی بار فون کیا کہ افطاری پر انہیں مدعو کرسکوں لیکن ان کا فون کٹ چکا تھا۔ یہ معلوم کر کے، کہ وہ لوگ بلا اطلاع کہیں اور چلے گئے ہیں میرے دل کے اندر وہ خوشی ختم ہوگئی جو ان کو مسلمان دیکھنے کے خاطر جاگ اٹھی تھی، میں مایوس ہوگئی تھی۔

جولائی تک وقت نہایت خاموشی سے گذر گیا۔ ایک دن بیٹھے بٹھائے مجھے ملک صاحب کے گھر جانے کا سودا سمایا۔ میں نے اپنے میاں سے ذکر کیا کچھ ردو کد کے بعد ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ جب ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ بھی کھلا ہے اور تمام گھر میں باہر سیڑھیوں تک ڈبے اور بکس پڑے ہیں، وہ لوگ ہم سے ملکر بہت خوش ہوئے اور استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ پاکستان چلے گئے تھے اور ابھی ابھی لوٹے تھے اور سامان اندر رکھ رہے تھے۔ دراصل پچھلے اگست میں ان کا پاکستان جانے کا پروگرام تھا ان کا خیال تھا کہ وہاں جا کر کوئی مناسب ملازمت مل گئی تو وہ پاکستان ہی میں سیٹل ہو جائیں گے، کیونکہ مسز ملک بچوں کی اسلامی ماحول میں پرورش کرنا چاہتی تھیں، اور خود بھی ان کا ارادہ تھا کہ اسلام قبول کر کے اسلامی تعلیم حاصل کریں گی اور قرآن پاک بھی پڑھیں گی۔ اس لئے رمضان سے پہلے اچانک یہ لوگ پاکستان چلے گئے۔

پھر نہ جانے وہاں ان کے حالات کیسے رہے کہ مسز ملک نہایت بد دل ہو کر واپس آ گئیں اور اپنے ساتھ علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے والا قرآن پاک لیتی آئیں اور ترجمہ ہی پڑھتی رہیں، لیکن قرآن پاک کا صرف ترجمہ پڑھنے سے ایک غیر مذہب کا فرد سمجھ نہیں پاتا کہ اس کے اندر کیا حکم یا نصیحت موجود ہے۔ پھر اسی دوران میں ان کا کیلگری جانا ہوا، شاید عید ملن پارٹی کے سلسلے میں وہاں مسلمان عورتوں نے ایک کینیڈین گوری کو نہایت تحقیر آمیز سلوک کا نشانہ بنایا۔ مسز ملک کو ان خواتین کی بدسلوکی نے خاصا ہراساں کر دیا اور ان کے دل میں مذہب اسلام کے لئے عقیدت کے بجائے شک سا پڑ گیا اور یہ یقین پختہ ہو گیا خدا نے انہیں اسلام کے دائرے میں قبول نہیں کیا۔ ان خیالات نے مسز ملک کو نفسیاتی مریضہ بنا دیا اور انہیں گھر میں بدروحیں اور روشنی کے دائرے نظر آنے لگے اور عجیب وغریب آوازیں سنائی دیتیں۔

مسز ملک نے نماز زبانی یاد کر لی تھی اس کتاب سے جو تبلیغی جماعت انہیں دے کر گئی تھی۔ جب بھی نماز کے لئے وہ نیت باندھتیں (ان کے کہنے کے مطابق) گھر میں زلزلہ آ جاتا، گھر کا فرش اور در و دیوار کانپنے لگتے، وضو کے لئے غسل خانے میں جاتیں تو روشنی کے دائرے اور مختلف شکلیں نظر آتیں، کوئی اسلامی کتاب یا کلام پاک پڑھنے لگیں تو روشنی کے دائرے آنکھوں کے آگے، جہاں پڑھ رہی ہوتیں، ناچنے لگتے، انہوں نے

اپنے شوہر ملک صاحب سے اس بات کا ذکر بھی کیا، لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال گئے کہ تم سوچتی بہت ہو۔ ان کو چاہیئے تھا کہ بیٹھ کر اطمینان سے مذہبی امور پر باتیں کرتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے اور ان کی ڈھارس بندھاتے کہ تم نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے، لیکن وہ تو خود بھی مذہب سے بیگانہ تھے۔

پھر ایک دن ملک فیملی ہمارے ہاں آئی، سب ہی کچھ سہمے ہوئے اور پریشان سے نظر آئے، میں نے مسز ملک سے خیریت پوچھی تو انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والے واقعات بتائے اور کہا کہ بیٹی کو بھی یہی چیزیں نظر آتی ہیں، ایک طرف یہ نفسیاتی معاملہ تھا اور دوسری طرف شیطان بھی اپنی سی کوشش میں تھا کہ ان کو ورغلائے۔ وہ کہتی تھیں میں اس حد تک ڈر گئی تھی کہ میں نے شیطان سے مدد چاہی کہ مجھے ان حالات سے نکالے اور جیسے ہی میرے دل میں شیطان کی مدد کا خیال آیا، مجھے نماز ایک نہایت ہی مضحکہ خیز حرکت معلوم ہوئی لیکن دل کی گہرائیوں میں میں بہت بے چین ہوگئی کہ شیطان سے مدد چاہنا بہت ہی غلط بات ہے اور اب میں تمہارے پاس مدد کے لئے آئی ہوں، میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔

میں نے ان کے شبہات جوان کے دل میں مذہب یا اللہ تعالیٰ کے متعلق تھے، دور کیئے اور کہا ''اللہ تو پیار ہی پیار ہے، وہ ہر سیدھی راہ پر چلنے والے کو قبول کرنے والا، مہربان اور رحیم، بڑی سے بڑی خطا بخشنے والا اور بڑے سے بڑے عیب کی پردہ پوشی کرنے والا ہے''۔ میری باتیں سن کر وہ رو پڑیں وہ رات ان سب نے ہمارے ہاں گزاری سب نے ملکر خوب نماز پڑھی اور ذکر کیا میرے پاس بچوں کے لئے اسلام کے متعلق جتنی بھی بنیادی کتابیں تھیں، ان کو دیں کہ خود بھی پڑھیں اور ان کے میاں اور بچے بھی پڑھیں۔ ان سب کو ''یا حفیظ'' کا ورد بھی بتایا اور روحانی علاج کے طور پر بدروحوں سے نجات کا تعویذ لکھ کر دیا کہ پورے گھر میں دیواروں پر لگا دیں اور ''اللہ ھو'' کا ورد کرنے کو بھی کہا۔ رخصت کے وقت ایک جائے نماز، حجاب اور مولانا مودودی کا انگریزی تفسیر والا قرآن بھی دیا کہ پڑھا کریں۔ اور پھر کیلگری اسلامک اسکول کے معلم صاحب سے وقت مقرر کیا کہ انہیں باقاعدہ مسلمان کیا جاسکے۔

۲۵ نومبر کے مبارک دن ہم لوگ خوب تیاری کے ساتھ انہیں وہاں لے گئے

اور کلمہ شہادت اور باقی اسلامی آیات پڑھا کر معلم صاحب نے ان کو باضابطہ طور پر مسلمان کر دیا ہم نے مسز ملک کا نام آمنہ ان کی بیٹی کا نام مومنہ اور ان کے بیٹے کا نام علی رکھ دیا۔ ۲۵ نومبر کا یہ دن ہمارے لئے کتنی خوشی لیکر آیا، بیان سے باہر ہے، اس چھوٹے قصبے سے میں نے کئی بار کہیں باہر ملازمت کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی یقیناً اللہ پاک نے ہمیں اس مبارک کام کیلئے چنا ہوا تھا اس لئے یہاں سے کہیں نہ جا سکے۔

دل میں حج بیت اللہ کی بہت آرزو ہے، لیکن کبھی دعا بن کر لبوں پر نہ آتی تھی کیونکہ مجھے بھی وہم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے اسی لئے تو مجھے کینیڈا الا پٹخا ہے یہ وہم اب دور ہو گیا ہے۔ انسانی عقل پر جو پردے غیب کی طرف سے کسی خاص مقصد کے لئے ڈالے گئے ہیں ان کی بھی قائل ہو گئی ہوں ہم سطحی لوگ صرف ظاہر پہ نظر رکھتے ہیں جیسے ہی میرا وہم دور ہوا، حج بیت اللہ کی دعا میرا ورد بن گئی ہے۔ آپ سب سے بھی استدعا ہے کہ اللہ کے حضور ہمارے لئے بچوں سمیت حج بیت اللہ کی دعا ضرور کریں، پچھلے ہفتہ آمنہ بہن پوری فیملی کے ساتھ آئیں تھیں اور تین دن ہمارے ہاں رہیں، سب ملک صاحب سمیت نماز پڑھتے رہے آمنہ اپنے آپ کو نہایت اچھی طرح ڈھانپتی ہیں۔ بیٹی کو بھی اسی طرح پردہ سکھا رہی ہیں مجھ سے اسلام کے متعلق کچھ اور بنیادی معلومات فراہم کرنے کا تقاضہ کیا کیونکہ ان کی والدہ بھی اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے اپنی الماری کھنگال ڈالی اور سب کچھ دے دیا اللہ کرے کے ان کی والدہ کو بھی یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ آمین

**سابقہ نام**: ایرین **سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: سمیہ **ملک کا نام**: امریکہ

# ایک عیسائی خاتون کی مشرف بہ اسلام ہونے کی سرگزشت

میرا سابقہ نام ایرین اور اسلامی نام سمیہ ہے میں نے آج سے کوئی سات سال پہلے اسلام قبول کیا۔ میں نے مائیکرو بیالوجی ماسٹرز آف سائنس کی ڈگری حاصل کی ہے، دین اسلام سے میرا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب میں یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی میں مذہباً عیسائی تھی اور اس وقت تک قرآن کریم کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ یہ یہودیوں کی کتاب ہے اور مسلمان بتوں کی پوجا کرتے ہیں، تاہم امریکہ کے ماحول میں کسی بھی مذہب سے لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں اور اسی طرح مجھے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں عیسائیت کے بارے میں اتنا ہی جانتی تھی کہ بائبل اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ لیکن اس میں افسانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں تاہم جب میں نے بائبل کا مطالعہ کیا تو اس کی بہت سی آیات ایسی تھیں جن میں بے حد عجیب اور فحش باتیں پیغمبروں سے منسوب کردی گئی تھیں اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ جب پیغمبر ایسے ایسے گناہوں میں ملوث تھے تو ایک عام آدمی کا گناہ کرنا کونسی حیرت کی بات تھی، عیسائیت کے عقیدے کے مطابق ان تمام پیغمبروں اور عام آدمیوں میں گناہ بخشوانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خون کی قربانی پیش کی کیونکہ عام آدمی کمزور ہونے کی وجہ سے یہ قربانی خود پیش نہیں کرسکتا تھا۔

میرے لئے عیسائیت کو سمجھنے کی کوشش میں مشکل ترین عقیدہ تثلیث تھا ایک خدا تو وہ ہے جو ہماری زمین کا خالق، مالک اور حاکم ہے، دوسرا خدا وہ ہے جس نے انسانوں کے گناہوں کو معاف کرانے کے لئے خون دیا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرا روح القدس۔ ان تینوں خداؤں پر عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ میرا مسئلہ یہ تھا کہ میرے ذہن میں ہر خدا کے بارے میں علیحدہ علیحدہ تصور آتا اور میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا

کہ میں آخران میں سے کس کی عبادت کروں، اور کس سے مانگوں؟ میرے قبول اسلام کے بعد یہ مسئلہ خودبخود حل ہوگیا کہ اسلام کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے اور اس کی خصوصیات میں کسی دوسرے کے شریک نہ ہونے پر ہے۔

میں جب ہائی اسکول میں پڑھتی تھی تو سب سے زیادہ پریشانی مجھے پرانے اور نئے ''ٹیسٹا ماؤنٹس'' کے تضادات کی بنا پر ہوئی، میری رائے میں ''ٹین کمانڈمنٹس'' بالکل سیدھے سادے اور قابل عمل قوانین تھے، لیکن حضرت عیسیٰ کو خدا کا شریک تصور کرکے پوجتے ہوئے پہلے کمانڈمنٹ کی قطعی نفی ہورہی تھی اسی طرح خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بھی پہلے کمانڈمنٹ کی نفی تھی، کفارہ کا تصور بھی پریشان کن تھا ''اولڈ ٹیسٹا ماؤنٹ'' میں کہا گیا کہ لوگ اپنے گناہ کا کفارہ خود ادا کریں لیکن نئے ''ٹیسٹا ماؤنٹ'' کے مطابق اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے گناہ کا کفارہ اپنا خون دے کر ادا کردیا۔ سینٹ پال نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کئے جانے کو تمام گناہوں پر اللہ کی فتح قرار دیا۔ سینٹ پال نے لوگوں پر زور نہیں دیا کہ وہ اچھے اور نیک کام کریں (دیکھئے رومنز ۴۴، ۵) تاکہ اللہ انہیں بخش دے اور معاف کردے میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ ایسے عقائد کی موجودگی میں لوگ نیک کام کیوں کریں؟ یہی وجہ تھی کی عیسائیت کے پیروکار بگڑے ہوئے بچوں کی طرح گناہ پر مائل ہوگئے، ایک اور چیز نے مجھے پریشان کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک علیحدہ شخصیت یا خدا نہیں تھے بلکہ خدا کا حصہ تھے تو انہوں نے پھر کس کے سامنے اپنی قربانی پیش کی اور ''گارڈن آف گیتھی مین'' میں وہ کس کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے، یوں بھی یہ بات ''اولڈ ٹیسٹا ماؤنٹ'' کی نفی میں تھی۔ ان سب چیزوں نے مل کر مجھے اس قدر پریشان کیا کہ میں نے تنگ آکر ان پر غور کرنا چھوڑ دیا، مجھے بڑی شدت سے یہ احساس ہونے لگا کہ میں خود اپنے مذہب کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔

میں ان دنوں کالج میں پڑھ رہی تھی اور میری ایک مسلمان سے دوستی ہوگئی تھی جب میں نے اپنی یہ پریشانی اس کے سامنے بیان کی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں عقیدہ تثلیث اس کے سامنے بیان کروں، میں نے اس کو عقیدہ تثلیث سمجھانے کی کئی مرتبہ کوشش اور ناکام رہی۔ تنگ آکر میں نے کہا میں کوئی اسکالر نہیں ہوں، اس نے نہایت

اطمینان سے جواب میں کہا ''تو کیا تمہارے مذہب کو سمجھنے کے لئے آدمی کا اسکالر ہونا ضروری ہے؟'' مجھے اس کی بات سے سخت تکلیف پہنچی لیکن حقیقت یہی تھی کہ یہی مرحلہ تھا جب میں اس کی جانب سے بیان کیئے گئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر غور کرنے پر مجبور ہوگئی، اسلام کے تصور کے مطابق اللہ تعالیٰ کی شریعت اور حکم ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور کسی زمانے میں تبدیل نہیں ہوا، یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انسانوں کے رہنمائی کے لئے پیغمبر اور نبی بھیجے کیونکہ انسان بار بار صراط مستقیم سے بھٹک جاتے تھے، میں نے اپنے مسلمان دوست سے کہا کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں تفصیل سے بتائے لیکن یہ توقع نہ کرے کہ میں اس کا مذہب قبول کرلوں گی۔

اس کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے کیلئے مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالے گا تاہم بطور مسلمان یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں پوری معلومات فراہم کرے۔

اسی دوران میرے ایک اور دوست نے مجھے قرآن مجید کا ایک ترجمہ دیا، اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ قرآن مجید کا یہ ترجمہ ایک عراقی یہودی نے کیا ہے، جس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ میں یہ ترجمہ پڑھ کر بہت پریشان ہوئی، میں نے اس ترجمے پر متعدد جگہ نشان لگائے اور اپنے مسلمان دوست سے رائے طلب کی اس نے مجھے قرآن مجید کا دوسرا ترجمہ فراہم کردیا، یہ درست ترجمہ تھا اور اس کے مطالعے نے میری زندگی بدل کر رکھ دی۔ میں جوں جوں آگے بڑھتی گئی میری زندگی میں تبدیلی آتی چلی گئی اسے پڑھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اصل کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور انعامات کا ذکر تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ وہ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کردے گا، میں قرآن پڑھتے بے اختیار رونے لگی میری روح کی گہرائیوں میں چھپا ہوا کرب اور درد باہر آنے لگا مجھے اپنی حماقتوں، نادانیوں اور غفلتوں پر رونا آیا اور سچ کو پالینے پر مسرت بھی ہوئی۔ قرآن حکیم کی سائنسی توجیہات پڑھ پڑھ کر میں حیران ہوئی، قرآن حکیم نے سائنس کے ہر شعبے کے بنیادی اصولوں کی اس دور میں نشاندہی کردی تھی، جب اس کا کوئی تصور بھی موجود نہیں تھا، جب مجھے یہ یقین کامل ہوگیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا، اللہ تعالیٰ ان

تمام لوگوں پر اپنا رحم فرمائے اور اپنی سلامتی نازل کرے، جنہوں نے دین حق کو قبول کرنے میں میری مدد کی اور سلامتی ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ ان کی زندگی تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ اور قابل تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے اور مرتے دم تک قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(شکریہ۔ تحریر سید عرفان علی)

**اسلامی نام:** سمیہ خالد **ملک کا نام:** کینیڈا

# میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں مکمل تبدیلی آ گئی اور میں اس زندگی کے ہر ہر لمحہ سے پیار کرتی ہوں میں ہر عورت کو خواہ وہ مسلمان، عیسائی، یہودی یا ہندو ہو یہی مشورہ دوں گی کہ وہ قرآن مجید اٹھائے، اور اس کو تھوڑا تھوڑا پڑھنا شروع کرے اور اس کو مکمل کرے کینیڈین نومسلمہ سمیہ خالد کے ایمان پرور تاثرات (ادارہ)

بہت سے لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ ایک جوان عورت جو کینیڈا میں پیدا ہوئی، سفید جلد والی (Caucaslan) عورت نے مذہب اسلام کیوں قبول کر لیا؟ ایسا مذہب جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم روا رکھتا ہے، ان کی آزادی سلب کر لیتا ہے، اور ان کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیتا ہے، میں نے مذہب اسلام پر لگائے گئے ان تمام الزمات کو مسترد کر دیا اور درج ذیل سوالات پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر دی۔

آخر کینیڈا، امریکہ اور یورپ میں پیدا ہونے والی خواتین جو خود کو مہذب اور متمدن (Cvilised) معاشرے کا فرد سمجھتے ہیں کثیر تعداد میں ایسے مذہب (اسلام) کو قبول کر رہی ہیں جو ان کی آزادی چھین لیتا ہے، ان پر ناروا ظلم کرواتا ہے اور ان کے حقوق سے تعصب برتتا ہے۔ کینیڈا کی شہری ہونے کی حیثیت سے اور پھر ایک نومسلمہ ہونے کی حیثیت سے میں اپنے تاثرات پیش کر رہی ہوں آخر میں نے کن وجوہات کی بنا پر اس نام نہاد آزادی کو مسترد کر دیا جس کا مغرب کی سوسائٹی کی عورتیں دعویٰ کرتی ہیں اور ایک ایسے سچے مذہب (اسلام) کو اپنے لئے منتخب کیا جو عورتوں کو صحیح اور سچی آزادی عطا کرتا ہے اور ان کو ایک ایسا مقام عطا کرتا ہے جو بالکل منفرد (Unique) ہے۔

جب میں چھوٹی بچی تھی تو باوجود عیسائی ہونے کے میرا گھرانہ غیر مذہبی (Non- Religious) تھا۔ میں اکثر اپنے والدین سے پوچھتی تھا کہ اگر واقعی خدا ہے

تو وہ کون ہے؟ کہاں ہے اور آخر کہاں سے آیا ہے؟ ان کا جواب ہمیشہ یہ ہوتا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو اور جو عقیدہ رکھنا چاہتی ہو رکھو، ان کا یہ جواب مجھے مطمئن نہیں کرتا تھا کیونکہ میرے مختلف دوست مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور میں ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ میں غیر مذہبی مزاج (Non-Religious) کیوں ہوں؟

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں چھ سات سال کی تھی تو میں کچھ عرصہ مقامی چرچ کے اتوار اسکول (Sunday School) میں اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھنے جاتی تھی، میں نے اس تجربہ کو بہت غیر دلچسپ پایا، میں اپنے انسٹریکٹر اور ان بچوں کے درمیان خود کو بہت بوجھل، غیر مطمئن اور غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی، جبکہ میں اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus Christ) کے متعلق زیادہ جانتی بھی نہ تھی۔ اس صورتحال سے تنگ آ کر میں نے اتوار اسکول جانا بند کر دیا اور غیر مذہبی انداز سے پروان چڑھتی رہی، میں خدا کے تصور سے بالکل بیگانہ تھی، اس صوتحال نے مجھے تنہائی پسند بنا دیا، یہ صورتحال میرے ہائی اسکول جانے تک رہی جب میں ہائی اسکول میں پہنچی تو مجھے سوشل اسٹیڈیز کی کلاس میں مذاہب کے بارے میں بتایا گیا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری استانی نے کتنی شد و مد اور زور دار طریقہ سے یہ بتایا تھا کہ اسلام میں عورت کو کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں، اسلام میں ان کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے، ان کی جبری طور پر ختنہ کی جاتی اور ان کو زبردستی مرد کی اطاعت پر مجبور کیا جاتا ہے ورنہ مردوں کو مار پیٹ کی بھی کھلی اجازت ہے، ان باتوں نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

میں اکثر اوقات یہ سوچتی تھی کہ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ استانی نے مجھے بتایا ہے سب سچ ہو، میں ایک جانب مذہب اسلام سے متعلق طنزیہ باتیں سن رہی تھی اور اس کا اثر بھی قبول کر رہی تھی، اسی دوران میری ملاقات ایک مسلمان نوجوان سے ہوئی جس کا نام خالد تھا، وہ اسی جگہ کام کرتا تھا جہاں میں کام کرتی تھی، میں نے اس سے وہ تمام باتیں پوچھیں جو میری استانی نے اسکول میں مجھے بتائیں تھیں، اس کو یہ سب کچھ سن کر سخت افسوس ہوا کہ جدید دنیا میں مذہب اسلام کے متعلق کتنا غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، خالد نے مجھے بتایا کہ یہ سب غلط ہے۔

اب جب میں نے اسکول جا کر اپنی استانی کو یہ سب کچھ بتایا اور اپنے ساتھی

طالبعلموں سے بھی اس موضوع پر بات چیت کی تو میری استانی نے میرے ذرائع کو غلط بتایا اور اپنی معلومات کو درست قرار دینے پر زور دیا اور کہا کہ اس نے ساری معلومات حوالہ جاتی کتابوں (Reference Books) سے حاصل کی ہیں۔ میری استانی نے مزید کہا کہ اگر میں اپنی معلومات کے ذرائع پر اصرار کروں گی تو وہ ہماری کلاس کو سوشل اسٹیڈیز نہیں پڑھائیں گی۔ میری استانی نے اس سلسلے میں مجھے کافی پریشان کیا لیکن میرے ہم جماعت ساتھیوں نے اس پر یقین کیا۔

میں نے خالد سے مسلم خواتین کے بارے میں مزید معلومات جمع کیں، دراصل میں خواتین اور مذہب اسلام میں ان کے حقوق کے بارے میں بہت متجسس تھی۔ خالد کے ذریعے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں مگر میں نے اس کی باتوں پر مکمل یقین نہیں کیا، میں اس وقت بھی مذہب سے بیگانہ تھی اور ابھی مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہوئیں تھیں، لیکن ایک خاص بات میرا دل موہ لیتی تھی کہ مسلمان عورتیں کتنے اچھے طریقہ سے لباس پہنتی ہیں اور خود کو ڈھانپتی ہیں اور ان کے چہروں پر کتنا اطمینان، سکون و چین نظر آتا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ میں بھی ان مطمئن خواتین کی طرح ستر پوشی والے لباس پہنوں گی۔

دو سال کے بعد میں نے اور خالد نے شادی کرلی اور ہمارا بیٹا پیدا ہوا، اس کے بعد پھر ہمارے ہاں ایک اور بیٹے کی ولادت ہوئی، میں نے پھر خود کو غیر مطمئن اور دل شکستہ پایا اور اپنے اندر ایک روحانی خلا کو محسوس کیا، میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی کی کوئی متاع ابھی گم گشتہ ہے۔ اس مرحلہ پر آ کر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اسی دوران میں نے قرآن مجید با ترجمہ خریدا اور باقاعدگی سے اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا اس سے مجھے زندگی کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھ آیا، میں نے دیگر مذاہب کا مطالعہ بند کر دیا، میرے دل نے گواہی دی:

﴿لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ﴾

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں''

میرے ذہن میں جتنے بھی سوالات تھے قرآن مجید نے تمام کا جواب دے دیا تھا، اسی اثناء میں رمضان کا مقدس مہینہ کی آمد میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا، میں نے نماز سیکھ لی اور چند سورتیں بھی زبانی یاد کرلیں اور اسلام قبول کرلیا۔ الحمد للہ! اب میں شکستہ

خاطر اور آزردہ دل نہیں ہوں، اللہ کی ذات پر مجھے کامل یقین ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے راہ ہدایت سے نوازا۔

اسکارف (حجاب) کے معاملہ میں شروع میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن سکون واطمینان نے مجھ پر غلبہ پالیا، میں پہلے کیا تھی اور کیا نہیں تھی؟ مجھے نہیں معلوم مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے پر مجھے فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے برائیوں سے محفوظ فرمادیا ہے، میں خود کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتی ہوں، اسی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں مومن عورتوں کو حکم دیا کہ خود کو ڈھانپیں اور نگاہوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

> اے پیغمبرؐ! مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کی زیادہ صفائی (پاکبازی) ہے اور جو کچھ بھی کیا کرتے ہیں بیشک اللہ کو سب خبر ہے۔ اے پیغمبرؐ! مسلمان عورتوں سے کہو وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں، بجز اس چیز کے جو (چارو ناچار) کھلی رہتی ہیں سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانکے رہیں اور اپنی زینت بناؤ سنگھار کو کھلے نہ رکھیں۔ مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ کے یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی میل جول کی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال (باندی غلام) یا ایسے خدمت میں مشغول رہنے والوں کے سامنے جو مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے آگے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں زمین پر ایسے زور سے نہ رکھیں کہ پاؤں کے زیور کی آواز سے لوگوں کو ان کے چھپے ہوئے سنگھار کی خبر ہوجائے اور اے مسلمانو! تم سب ملکر اللہ کی جناب میں توبہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ''۔

میں جانتی ہوں کہ یہ چیز میرے شوہر کو بہت پریشان کرتی ہے کہ اس کی بیوی

نے نہ صرف اسلام قبول کرلیا ہے بلکہ وہ ایک عملی مسلمہ ہے، جبکہ وہ نہیں ہے، میرے اور میرے شوہر کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ سے ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ جب سے میں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کیا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں مکمل تبدیلی آ گئی اور میں اس زندگی کے ہر ہر لمحہ سے پیار کرتی ہوں، میں ہر عورت کو خواہ وہ مسلمان، عیسائی، یہودی یا ہندو ہو یہی مشورہ دوں گی کہ وہ قرآن مجید اٹھائے، اور اس کو تھوڑا تھوڑا پڑھنا شروع کرے اور اس کو مکمل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہمت عطا فرمائے تاکہ وہ سیدھے، سچے اور ہدایت کے راستے پر چل پڑے جس طرح گزشتہ سال اللہ نے مجھے راہ ہدایت پر گامزن کیا۔

**سابقہ نام**: کارلا بارٹیل **سابقہ مذہب**: عیسائیت

**اسلامی نام**: سکینہ **ملک کا نام**: جرمنی

# (سابق جرمن اداکارہ کارلا بارٹیل)

## سکینہ

کارلا بارٹیل فلم اور اسٹیج کی انتہائی مشہور جرمن اداکارہ تھی، اس کے اپنے ملک جرمنی کے ہر حصے میں اس کے لاکھوں شیدائی موجود تھے، لیکن اس شہرت اور چمک دمک کے باوجود یہ مشہور اور حسین اداکارہ خود کو انتہائی غیر مطمئن محسوس کرتی تھی۔ اسے کسی گمشدہ چیز کی تلاش تھی جو اس کی روح اور باطن کا خلا پر کردے جو اس کی زندگی کو بامقصد اور بامعنی بنادے۔

اسے یہ کھوئی ہوئی چیز صرف اسلام میں ملی، آج اسّی برس کی عمر میں وہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کی رہنمائی کی اور کیسے اس کی زندگی کے شب و روز اسلام کے نور سے روشن کردیئے۔ یورپ کی ہر مسلمان عورت اپنے بارے میں بتاتی ہے کہ اس نے کس طرح اسلام قبول کیا۔ اسلام کی طرف سے ان کی جو درست اور اچھی رہنمائی ہوئی اس کے بارے میں ہر ایک کا تجربہ منفرد اور بے مثال ہے۔ یہ تجربہ انہیں برسوں کی الجھنوں اور تلاش کے بعد ہوا اور جس تسکین کی تلاش انہیں عرصے سے تھی وہ آخر کئی برسوں بعد اسلام کی صورت میں مل گئی۔

''عرب نیوز'' کے ایک جریدے ''المسلمون'' کا نمائندہ اس جرمن مسلم عورت سے ملا جس نے فلم اور اسٹیج کی عظیم فنکارہ کی حیثیت سے اپنی شہرت کے بام عروج پر ہوتے ہوئے روحانی تسکین کی خاطر شہرت کا تاج اپنے سر سے اتار دیا تھا اور اسلام قبول کر کے گھر میں بیٹھ گئی تھی اس کے پاس مادی آرام و آسائش کی تمام فانی چیزیں موجود تھیں اور وہ لاکھوں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے اندر کسی چیز کی کمی محسوس کرتی تھی، ایسی کمی جس نے اس اداکارہ کے اندر ایک زبردست

روحانی خلا پیدا کر دیا تھا۔

اللہ نے کس طرح اس کی رہنمائی کی اور کسی طرح ایمان کی روشنی نے اس کے دل کو منور کر کے اس کی زندگی کو با مقصد بنا دیا اسلام کے متعلق وہ اپنی کہانی اس طرح بیان کرتی ہے:

۱۹۲۴ء میں، میں نے برلن میں اداکاری کا فن سیکھا اور کئی ڈراموں میں اداکاری کی۔ میں نے ہالی وڈ میں چار فلموں اور جرمنی میں دس فلموں سے زیادہ میں کام کیا تھا، اس طرح میرے پاس نہ دولت کی کمی تھی اور نہ شہرت کی۔ میرے لاکھوں پرستار تھے اور دنیا کی ہر سہولت اور عیش کی ہر چیز میسر تھی لیکن عجیب بات ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود میری زندگی میں سکون اور سچی مسرت ناپید تھی اور باطنی اضطراب اور روحانی بے کلی مجھے ہر وقت ڈستے رہتے تھے ایک بھیانک خلا تھا جس میں میں بھٹکتی رہتی تھی۔

تنگ آ کر میں نے مذہب کی آغوش میں پناہ لینے کی کوشش کی۔ اتوار کو چرچ جانے لگی، لیکن اس بے کلی میں ذرا بھی کمی نہ آئی اور چرچ کی عبادت روحانی پیاس کا کوئی مداوا نہ کر سکی۔ بائبل کی تعلیم، عیسائیت کے عقائد اور مذہبی اور رہنماؤں کا کھوکھلا پن، اپنے مذہب کی کوئی بات بھی تو مجھے مطمئن نہیں کر رہی تھی۔

تب میں نے سوچا کہ آخر سچائی کی تلاش میں خود کیوں نہ کروں؟ اس کے لئے جو بہترین طریقہ سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کی سیاحت کر کے میں وہاں کے لوگوں میں گھل مل جاتی اور ان کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کرتی تھی ۱۹۳۴ء میں ہٹلر نے جرمنی میں دولت مند لوگوں کے ملک سے باہر جانے کی ممانعت کر دی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اپنے ایک شناسا کی مدد سے جو جرمن حکومت میں کام کرتا تھا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا، اس نے مجھے مسولینی کی وساطت سے ملک سے باہر جانے کی اجازت دلا دی ورنہ مجھے اپنے ملک سے باہر جانے کا موقع نہ ملتا۔ فرانسیسیوں نے مجھے تیونس میں بند کر کے بے حد پریشان کیا، لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے شہر میں گھومنے پھرنے کا اجازت نامہ مل گیا۔ چند روز بعد میں مصر چلی گئی، قاہرہ میں مسجدوں کے میناروں سے بلند ہوتی اذانوں سے میں بہت متاثر ہوئی تھی، چنانچہ میرے دل میں اسلام سے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی اور بڑھتے بڑھتے یہ خواہش ایک تڑپ کی

صورت اختیار کرگئی۔

اسلام سے تعارف ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں مسلمان ہی پیدا ہوئی تھی، حالانکہ میرے ماں باپ عیسائی تھے اور انہوں نے مجھے بچپن سے رومن کیتھولک مذہب کے اصولوں کے مطابق تربیت دی تھی۔ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے مطابق میرے والدین، باپ بیٹے اور روح القدس کے ایک ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ جس پر مجھے ہمیشہ شبہ ہوتا۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ خدا کا کوئی بیٹا ہوسکتا ہے چنانچہ اسلام کے حقانیت ثابت ہونے پر میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ جس سے مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہوا، میں نے اپنے لئے سکینہ نام پسند کیا، اس کے بعد میں مصری عوام کے ساتھ کُھل ملکر ان سے گفتگو کرتی اور جامعۃ الازہر میں جاکر اسلام کے بارے میں اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتی، مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میں مسلمان پیدا ہوئی ہوں اور مجھے احساس ہوگیا کہ اسلام ہی دین فطرت ہے اور انسانی زندگی کے تمام مادی اور روحانی مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔

میں نے صحرائے سینا کا سفر کیا اور کچھ عرصہ مصر کے دیہات میں گزارا۔ میں مصر کے کسانوں کے قبیلے فلاحین کے ساتھ بھی رہی۔ کچھ عرصہ بعد میں برلن واپس آئی اور پھر میں نے فن لینڈ کا سفر کیا اور اس بارے میں ایک کتاب لکھی بعد ازاں میں سعودی عرب گئی اور وہاں ایک سعودی خاندان کے ساتھ چھ ماہ رہی۔ جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے انہیں مصر اور سعودی عرب میں قیام کے دوران متاثر کیا تو انہوں نے کہا میں نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی، تاہم میں مصر میں ایک گاؤں میں رہتی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں جنت میں رہ رہی ہوں۔

وہ مصری کسان جن کے ساتھ میں رہتی تھی اپنی سادہ زندگی سے بے حد خوش تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ قدیم طرز زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے طریق عبادت یعنی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوکر نہایت متانت اور وقار سے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ جو کچھ میں نے اپنے ملک اور دوسرے ممالک میں دیکھا اس کا مقابلہ کرتے ہوئے میں سمجھتی ہوں کہ مغرب میں اکثر لوگ ہر قسم کی مادی سہولیات کے باوجود باطنی طور

پر خوش نہیں ہیں اور ان کی زندگیاں از حد تاریک ہو چکی ہیں، لیکن میں جن مسلمان ملکوں میں گئی وہ مادی طور پر اتنے خوش نہ تھے جتنے روحانی طور پر خوش نظر آتے تھے۔ موجودہ دور کی مادی آسائش والی چیزوں کی قلت پر وہ کبھی پریشان نہیں دیکھے گئے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشترکہ خاندانوں کو اکٹھے رہتے دیکھا ہے اور یہ صفت یورپ میں نایاب ہے۔ مسلمانوں میں دادا ور دادی کی پورا خاندان بہت عزت کرتا ہے اور ان بزرگوں کو خاندان میں بڑی اہمیت حاصل ۔ ہے۔ خاندان کے تمام افراد اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں جب کہ یورپ میں بوڑھے والدین کو اولاد نہیں پوچھتی اور یہ بیچارے زندگی کے آخری دن سخت تنہائی اور اذیت میں کاٹ کر مر جاتے ہیں۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلام کے دشمن جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اسلام نے عورت کو معاشرے میں بنیادی حقوق دیئے ہیں، یورپ میں لوگ اول تو اس عظیم دین کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں اور جو برا بھلا جانتے ہیں تو صرف اتنا کہ یہ وحشی اور اجڈ لوگوں کا مذہب ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ اسلام کے بارے میں صدیوں سے کس قدر غلط فہمیوں کا شکار ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان پر اسلام کی تمام خوبیاں اور برکتیں روشن ہو جائیں تو یہ ایک لمحہ اس سے دور نہیں رہ سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی وسیع پیمانہ پر تبلیغ کی جائے۔

اسلامی آرٹ کے متعلق اس نے کہا اسلامی ثقافت بہت عظیم ہے اور اسلامی فن کا اظہار قدیم مسجدوں سے ہوتا ہے اور جو ثقافت اور معلومات کے مراکز ہیں۔ مسلمانوں نے لکڑی اور شیشے پر نقش و نگاری کے بڑے پائیدار نشانات چھوڑے ہیں۔ آرٹ کے جس میدان میں بھی وہ دلچسپی لیتے، اس میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لیتے تھے۔ انہوں نے عربی خطاطی کے فن میں سے ایک منفرد فن تخلیق کیا۔ حتیٰ کہ یورپی آرٹسٹ بھی اس سے بہت متاثر ہوئے اور وہ عربی گلگاری کے فن کو آرائش کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلامی آرٹ تخلیق کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ جسے عمارات کو زیورات سے مرصع کرنے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مسجدوں اور محلات میں اسلامی آرائش کا یہ فن اپنے کمال پر نظر آتا ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ سچائی اپنا ثبوت خود ہوتی ہے۔

**سابقہ نام**: اریکا
**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: عائشہ
**ملک کا نام**: اٹلی

# اریکا سے عائشہ تک

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: میں اپنے شہر میں مسیحی کیتھولک تحریک کی ممبر تھی، میرا مشغلہ بچوں کی تعلیم تھا، میں ان کو دین مسیح کی تعلیم دیتی تھی۔ اس وجہ سے دین کے سلسلہ میں اپنے مذہب پر سختی سے عامل تھی اور اس کی تعلیمات سے خوب واقف تھی۔ دین مسیح کی تعلیم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے مجھے بعض اوقات ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن کا جواب مجھے خود اپنے نزدیک تشفی بخش نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عقیدہ کے بارے میں بھی میرے اندر سوالات اٹھتے تھے، جن کے بارے میں اپنے آپ کو مطمئن نہ کرسکتی تھی، مجھے یہ بات عجیب لگتی تھی کہ مسیح بشر بھی ہیں اور خدا بھی اور خدا ایک ہی ہے، اور تین بھی؟ ہماری طرف سے ہمیشہ اس کا جواب یہی ہوتا کہ بغیر بحث و مباحثہ کے اس امر پر تمہارا ایمان لانا ضروری ہے۔ پھر ہمیشہ کلیسا کی دعا کے طریقے سے غیر مطمئن رہی، ہم واسطہ سے دعا کرتے ہیں حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے۔

سوال: کیا یہی وہ امور تھے جنہوں نے آپ کو دوسرے دین کی تلاش وجستجو پر آمادہ کیا؟

جواب: جب بھی میں نے غور وفکر کیا تو مجھے تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک دن طلبہ کے سامنے ہی میں ان شکلوں اور مورتیوں کا جو ہمارے یہاں رائج ہیں انکار کر بیٹھی۔ میں نے کہا کہ ہم ان مورتیوں کی عبادت کرتے ہیں، ہمیں خدا کی عبادت کرنی چاہیئے، میرے اس جواب پر کلیسا کے ذمہ دار ناراض ہونے لگے۔

سوال: پھر آپ نے تعلیم کیوں چھوڑ دی؟

**جواب**: میرے اندر شکوک وشبہات میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ میرا حق تھا کہ میں عقل کا استعمال کروں (عقلمندی اور دانشمندی سے کام لوں اور خوب غور وفکر کرلوں) اس سے مجھ

کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کسی کو یہ حق نہیں حاصل کہ مجھے غور کرنے سے روکے۔ آخر کلیسا میں لوگوں نے مجھ سے کہا، ہمارے یہاں دین میں جبر واکراہ نہیں اور انہوں نے میری آزادیٔ فکر کا احترام کیا۔

سوال: اسلام سے آپ کو کب واقفیت حاصل ہوئی؟

جواب: تعلیم ترک کرنے کے بعد سے مسلسل میں پریشانی میں مبتلا رہتی آخر کار تیونس کے ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی اور وہی بعد میں میرے شوہر ہوئے۔ انہوں نے مجھے اطالوی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ دیا اور بعض کتابیں جو اسلام سے متعلق تھیں مجھے دیں۔ میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔

سوال: یہ کس سنہ کی بات ہے؟

جواب: یہ ۱۹۹۳ء کی بات ہے۔

سوال: قرآن میں آپ نے کیا پایا (کیا محسوس کیا)؟

جواب: صحیح توحید اور الٰہ واحد کا تصور جس کی مجھے تلاش تھی اور عبادت کا طریقہ کہ کیسے ہمیں ایک رب کی عبادت کرنی چاہیئے (ہمیں یہ سب قرآن میں مل گیا) میں نے قران کریم کا گہرائی سے مطالعہ کیا یہاں تک کہ میرا دل اسلام کے لئے منشرح ہو گیا اور بالآخر میں نے ۲۷ سال کی عمر میں ۱۱ ستمبر ۱۹۹۸ء کو اپنے آبائی وطن اٹلی میں اسلام قبول کر لیا۔ اسلام سے پہلے میرا نام اریکا تھا اور اسلام کے بعد میرا نام عائشہ رکھا گیا۔

سوال: کیا آپ تیونسی شخص سے شادی کرنے کے لئے اسلام میں داخل ہوئیں؟

جواب: ہرگز نہیں بلکہ میں نے مسلمان سے اسلام لانے کی وجہ سے شادی کی ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔ اسلام سے واقفیت پیدا کرنے کے سلسلہ میں میرے شوہر نے میری مدد کی اور اس دین کے سمجھنے میں مجھے اپنے مطالعہ پر اعتماد ہے اور تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں، جس نے اسلام کو مجھ پر منکشف کیا اور مجھے ہدایت سے سرفراز کیا۔

سوال: آپ نے قرآن کریم میں عورت کے بارے میں کیا پایا؟

جواب: میں نے قرآن میں عورت کا بہت زیادہ احترام پایا، قرآن نے عورت کو نہایت بلند مقام عطا کیا ہے، اور عورت کو معاشرہ میں ایک بڑا کردار عطا کیا ہے، اور اولاد کی تربیت کے سلسلے میں اس کا قائدانہ اور مربیانہ رول عطا کیا ہے اور خاندان کی

تشکیل میں اس کو مرد کا شریک بنایا ہے۔

سوال: کیا آپ کے نزدیک موجودہ دور میں عورت کو قیادت کا کردار حاصل نہیں ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک عورت کا کردار معطل ہو کر رہ گیا ہے، مغربی معاشرہ عورت کو ایک زوایہ سے دیکھتا ہے اور وہ زاویہ یہ ہے کہ وہ خاندان کی اقتصادی حالت کی درستگی کے لئے کام کرے۔ جہاں تک اس کے اپنی اولاد کی تربیت کے کردار کا تعلق ہے، تو وہ فوت ہو چکا ہے، تمام دن وہ گھر سے غائب رہتی ہے اور معاشرہ کی تشکیل میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے، اس کی ذمہ داری صرف اقتصادی ہے۔

سوال: تیونس میں آپ نے مسلمان عورت کو کیسا پایا؟

جواب: مجھ کو مسلمان عورتوں کی حالت پر افسوس ہے، وہ اسلام اور قرآن کی تعلیمات پر عامل نہیں ہیں۔ انہوں نے قرآن کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے، قرآن کے احکام پر بحث ومباحثہ کی گنجائش نہیں جہاں عورت کی آزادی (آزادی نسواں) کے تصور کا سوال ہے کہ وہ برہنہ نکلے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، میں کہتی ہوں کہ عورت کی آزادی خدا کی بتائی ہوئی تعلیمات میں ہے۔ اگر معاشرہ اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھال لے تو عورتوں کی زندگیاں زیادہ بابرکت ہو جائیں گی اور عورتوں کے حالات سدھر جائیں گے۔

سوال: آپ نے ان لوگوں (تیونس معاشرہ) کو اسلام کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا، لیکن پھر بھی اسلام ایک عظیم مذہب کے طور پر آپ کے دل میں باقی رہا؟

جواب: اس میں اسلام کا کیا قصور ہے، مثلاً میرا شوہر میرے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو اس سے اسلام کا کیا تعلق، یہ اس کی غلطی ہے، دین کی تعلیمات کھلی ہوئی اور واضح ہیں اور قرآن کی تعلیمات بھی واضح ہیں۔ ہم فرشتوں جیسے نہیں ہیں کہ ہم غلطی نہ کریں، لیکن ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہماری یہ کوشش ہو کہ ہم سے بڑی غلطیاں نہ سرزد ہوں۔

سوال: اسلامی دعوت کے سلسلہ میں آپ کیا خیال ہے؟ کیا آپ اٹلی والوں کو قرآن کی تعلیم کی دعوت دیں گی؟

جواب: میں لوگوں کو خاص طور سے اٹلی والوں کو بغیر کسی بحث ومباحثہ کے اسلام کی دعوت دوں گی اس لئے کہ وہ میرے اس اسلامی لباس کو دیکھتے ہیں، جس پر مجھے فخر ہے

اور جسے میں باعزت سمجھتی ہوں، وہ میرے لباس پر تعجب کرتے ہیں، اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم ایسا لباس کیوں پہنتی ہو، تم نے اپنا لباس کیوں بدلا، اسلام کیسا مذہب ہے، میں کسی بھی شخص کو قرآن کریم دینے سے اس لئے خوف محسوس کرتی ہوں کہ کہیں وہ قرآن کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کرے۔ جسے وقت مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ قرآن کے ذریعہ اسلام سے واقفیت حاصل کریں گے تو میں ان کو قرآن تحفہ میں دوں گی۔ میں ایک نوجوان لڑکی سے ملی جس کو میں پہلے عیسائیت کی تعلیم دیتی تھی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا، یہ نیا دین کیا ہے؟ (اس سے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مغرب نے اپنی قوم کو اسلام سے کس قدر دور کر رکھا ہے کہ اسلام کی واقفیت ہی نہیں ہے پھر اس میں خود مسلمان داعیوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ انہوں نے دعوت اسلامی کے کام میں نہایت کوتاہی برتی ہے ورنہ اسلام ایسا دین ہے کہ آج اگر اسلامی دعوت کا کام صحیح طریقہ سے سرانجام دیا جاتا تو اسلام سارے عالم میں پھیلا ہوا ہوتا) میں نے اس سے کہا کہ میں نے کائنات کے سلسلہ کے تمام جوابات قرآن سے حاصل کئے ہیں اور میں تم کو قرآن کے سلسلے میں گفتگو کرنیکی دعوت دیتی ہوں۔ چنانچہ ہماری گفتگو مسلسل جاری رہی اور وہ اسلام سے بہت قریب ہوگئی۔

سوال: میں نے آخری سوال کیا کہ بہن عائشہ کیا آپ مسلمانوں کو کچھ نصیحت کریں گی؟

جواب: میں ہر اس مسلمان عورت کو پسند کرتی ہوں جس کو اپنے دین پر فخر ہو اور جو معبود کے حکموں کو سختی سے پکڑے ہوئے ہو اور مسلمان عورتوں کو پیغام دیتی ہوں کہ اے مسلمان عورتو! تم خود کو ضائع نہ کرو، قرآن کریم کی صورت میں جو چیز تمہارے سامنے اور تمہارے پاس ہے اگر یورپین عورتیں اور نوجوان لڑکیاں تمہارے پاس موجود اس خزانہ سے واقف ہو جائیں تو وہ تم سے اس کو لینے کے لئے جنگ پر آمادہ ہو جائیں گی۔

**سابقہ مذہب**: قادیانیت **ملک کا نام**: پاکستان

# ایک خاتون کی قادیانیت سے توبہ

## نومسلم خاتون کی وزیراعظم سے دردبھری فریاد

مکرمی و محترمی میں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور کے ایک معروف قادیانی گھرانے کی لڑکی ہوں، الحمد للہ اس وقت مسلمان ہوں کالج لائف میں ہی میں نے ربوہ سے بیزاری کا اظہار کر کے ایک مسلمان لڑکے طاہر نفیس سے شادی کا ارادہ کرلیا تھا لیکن مذہب دیوار بن گیا۔ ۸ جنوری ۱۹۸۴ء کو میں خطیب شاہی مسجد کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئی اور ۲۲ جنوری کو ہم نے اسلامی قانون کے مطابق شادی کرلی قادیانیوں نے اس معمولی واقعہ کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیا اور ابتداء میں میری واپسی کے لئے انتھک کوشش کی گئی لیکن میری ضد نے ہر کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس سلسلہ میں میرے شوہر کے سیاسی دشمن کامل علی آغا کونسلر حلقہ بلال گنج سے بھی ساز باز کی گئی آخری ناکام پنچائیت سابقہ ڈپٹی میر اشفاق شاہد کے گھر ہوئی اور اس کے بعد قادیانی انتقام پر اتر آئے۔ کئی لمبے خفیہ ہاتھ حرکت میں آئے پولیس اور انتظامیہ میں مرزائی افسران نے اشارہ پا کر اپنا فرض ادا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک پڑھے لکھے شریف شہری کو بدمعاش بنا کر جیل بھیج دیا گیا۔

۶/۸۶ کو تھانہ لوئر مال لاہور نے میرے شوہر کو پرائز بانڈ ڈکیتی میں ملوث کر کے قادیانی مجسٹریٹ بشیر احمد ناصر سے دس یوم کا ریمانڈ لیا اور اس پر بے پناہ تشدد کیا طاہر کے ڈسچارج ہونے کے چند روز بعد ہی اصل ملزم پکڑے گئے لیکن ایک بے گناہ پر ناجائز تشدد کا کوئی حساب نہ دیا گیا ۱۰/۸۵، ۱۰ کو طاہر نفیس کو ایک مقدمہ قتل میں ملوث کر کے انتہائی عجلت میں اسی قادیانی مجسٹریٹ نے اسے اشتہاری قرار دیا اور پھر کسی خفیہ ہاتھ نے مقدمہ مارشل لاء عدالت میں بھجوادیا لیکن چند روز بعد مارشل لاء اٹھالیا گیا مثل مقدمہ واپس آئی جناب نواز شریف کے حکم پر تفتیش کرائم برانچ کے سپرد ہوئی تو طاہر کو بے گناہ قرار دے دیا گیا، جن دنوں طاہر اشتہاری تھا کرشن نگر لاہور میں صرافہ بازار کی دوکان پر ڈکیتی ہوئی

اخبارات میں طاہر کا نام دے دیا گیا لیکن دس پندرہ روز بعد اس واردات کے اصل ملزمان بھی پکڑے گئے، غرض ایک منصوبہ کے تحت شہر میں ہونے والی ہر واردات میں اسے ملوث کر کے بدنام اور اس کا ریکارڈ خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، ۱۲ گولیاں جسم میں پیوست ہوئیں لیکن خدا نے اسے زندگی دی۔

جب طاہر مقدمہ قتل میں نکلتا نظر آیا تو ۱۸ مئی ۸۶ء کو اسے بغیر وارنٹ گرفتار کر کے بارہ تیرہ یوم تک ناجائز حراست میں رکھا گیا۔ لوئر مال راوی روڈ کرشن نگر اور شاہدرہ کے تھانیداروں اور ڈی ایس پی خالد مختار گوندل نے درندوں کی طرح اس پر تشدد کیا پاؤں کے ناخن جلائے گئے، الٹا لٹکایا گیا۔ دہکتے ہوئے انگاروں پر چلا گیا، اور برف پر لٹایا گیا۔ جب ہائیکورٹ میں رٹ دائر ہوئی تو پانچوں افسران نے دروغ گوئی کر کے طاہر کی گرفتاری سے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ بعد میں ایس ایس پی نے پریس کانفرنس کا ڈھونگ رچا کر اس کی گرفتاری کا اعلان کر دیا۔ اس پر ناجائز مقدمات قائم کئے گئے اور خطرناک ملزم کا لیبل لگا کر جیل بھیج دیا گیا، جہاں اسے بیڑیاں پہنائی گئیں اور قید تنہائی میں رکھا گیا اس مکمل کاروائی کے پیچھے ایس ایس پی احمد نسیم اور میجر مشتاق ڈی آئی جی کا ذاتی ہاتھ تھا۔ جس کی ہر پولیس افسر نے تصدیق کی، یہ وہی میجر مشتاق ہے جس نے ایس پی طلعت محمود سے مل کر مولانا اسلم قریشی کے مقدمہ کو الجھا دیا ہے۔ ہمیں فون پر مختلف پولیس افسروں نے یہ اطلاع دی کہ میجر مشتاق قادیانی ہے اور سب کچھ اس کے حکم پر ہو رہا ہے۔ ایس ایس پی احمد نسیم اور ڈی آئی جی میجر مشتاق مرزائی یا مرزائی نواز، یہ جاننا حکومت کا کام ہے، لیکن میرے شوہر کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے۔ اس کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ پولیس تشدد کے باعث میرے شوہر کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہے آنکھوں کی بینائی کمزور پڑ گئی ہے اور اسے معذور بنا دیا گیا۔

میں آپ سے اسلام اور انسانیت کے نام پر اپیل کرتی ہوں کہ مکمل واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے اور ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دیجائے ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ پاکستان میں سب سے مظلوم اور بے بس ''اسلام'' ہے اور جو اسلامی حکومت ایک مسلمان بیٹی کے گھر کی حفاظت نہ کر سکی وہ مملکت خداداد کی حفاظت کا فرض کس طرح پورا کرے گی۔

**سابقہ نام**: برتیاروز **اسلامی نام**: فاطمہ **ملک کا نام**: جرمنی

# میں کیسے مسلمان ہوئی؟

## نومسلم جرمن خاتون کے تاثرات

مسلمان خاندان اپنے آپس میں میل جول بلند اخلاقی قدروں اور اعمال روحانی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ان سارے مغربی خاندانوں سے فائق و برتر ہیں جہاں اخلاقی زوال اور بے راہ روی کا دور دورہ ہے یہ اور بات ہے کہ مسلم خاندانوں اور مغربی خاندانوں کے درمیان مادی وسائل کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے مختلف شعبہ زندگی میں مغرب زبردست ٹیکنالوجی ترقی کی بناء پر آگے بڑھا ہوا ہے جس نے مغربی خاندانوں کے لئے زندگی میں کافی زیادہ راحت و آرام کے دروازے کھول دیئے ہیں مگر مغربی خاندان روحانی سکون و اقدار اور آپس میں تعلقات و میل جول کی کمی شدت سے محسوس کرتا ہے انہی چیزوں کی بناء پر مسلم خاندان کو برتری حاصل ہے۔ یہی اقدار آپسی تعلقات اور روحانیت مسلم خاندان کو اطمینان اور نفسانی و روحانی سکون بخشتے ہیں اور اسے دوسرے خاندانوں سے ممتاز کرتے ہیں اور انہی چیزوں نے مجھے اسلام کی طرف کھینچا۔

اپنی اس رائے کا اظہار جرمن خاتون برتیاروز نے اس وقت کیا جب ہماری ان سے ملاقات جامعہ ازہر میں ہوئی جہاں وہ اپنے اسلام کے اعلان کے سلسلے میں آئی ہوئی تھیں۔

انہوں نے مزید کہا میرا بھی وہی حال تھا جو عام یورپین عورتوں کا ہے کہ ہم کلیسا نہیں جاتے تھے اور نہ ہی کسی نئے دین کی جستجو کرتے تھے لیکن میں خود اندرونی کرب محسوس کرتی تھی میں کسی ایسے خاندانی نظام کی جستجو میں تھی جو مغرب کے عائلی نظام سے زیادہ پائیدار اور مضبوط ہو۔ یہ سوچ و فکر میرے کئی سالوں سے بلکہ بچپن ہی پیدا ہوگئی تھی یہ سوچ و فکر میری بڑھتی رہی اور نشو و نما پاتی رہی یہاں تک کہ میرا تعارف پورٹ سعید کے

ایک مصری خاندان سے ہوگیا میں نے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا میں پورٹ سعید میں ان کے درمیان خاندان کے فرد کی طرح رہی پورے خاندان والوں نے میرے ساتھ محبت کا معاملہ رکھا۔ میں نے ماں کو ایسا محسوس کیا گویا وہ میری سگی ماں ہیں، ان کے بیٹوں کو ایسا محسوس کیا گویا وہ میرے سگے بھائی ہیں، ان کے درمیان رہ کر میں اپنے آپ کو واقعی مسلمان تصور کرنے لگی۔

ماں مجھے اسلامی تعلیمات سے واقف کرتی رہیں خاندان والے میرے ساتھ حسن وسلوک اور محبت کے ساتھ پیش آتے رہے ان کی ہر حکمت ہر بات، ہر معاملہ یہ کہہ رہا ہو کہ اسلام ایک فائق اور پرکشش مذہب ہے۔

ایک رات پورٹ سعید کی پرسکون اور خوبصورت فضاء میں تنہا بیٹھی کافی دیر تک اس خاندان کے ماحول کے بارے میں سوچتی رہی اور یقین کرلیا کہ اس خاندان کی خوبصورت ہم آہنگی اور آپس کے تعلقات کا راز اسلام ہی ہے، اسی سوچ نے مجھے اپنے اسلام کے اعلان کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔

میں ماں کے پاس آئی اور جو کچھ میرے دماغ میں گھوم رہا تھا اور جو کچھ میں نے سوچا تھا ان کو بتایا ماں نے خوش آمدید کہا اور جب میں نے اسلام میں داخل ہونیکا طریقہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ کہو:

اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمد رسول الله

میں نے کلمہ پڑھ لیا اس کے بعد وہ مجھے نماز کی تعلیم دینے لگیں اور قرآن پڑھانے لگیں پھر مجھ سے کہا اسلام کا اعلان ضروری ہے اس کے لئے ازہر جاکر رجسٹریشن کرانا چاہیئے۔

میں نے ازہر شریف میں وہاں کے علماء کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا اور میرا نام فاطمہ رکھا اب میں مسلم ماحول میں رہوں گی، اور پردہ اور عفت وطہارت کا پورا پورا احترام کروں گی، پردہ وحجاب مجھے عورت کے حسن وجمال اور اس کی پاک دامنی وعفت کا سرچشمہ نظر آتا ہے۔

**سابقہ نام**: لوسیا دوھلاب **سابقہ مذہب**: عیسائیت **ملک کا نام**: سوئٹزر لینڈ

# اللہ کی توفیق کے بغیر حق نہیں ملتا

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

اللہ تعالیٰ کی ذات جس سے نیکی اور بھلائی کا فیصلہ کرے تو اسے ہدایت کی راہ دکھا دیتی ہے۔ ایسے ہزاروں خوش بخت افراد اس وقت بھی دنیا میں موجود ہیں جنھوں نے غیر مسلم گھرانوں میں آنکھ کھولی اور اپنے ماحول اور معاشرے کے زیر اثر طویل مدت تک اسلام سے نا آشنا رہے مگر اپنی سلیم الطبع فطرت کے سبب حق کی تلاش میں سرگرداں رہے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر حق و صداقت کے نور کی طرف گامزن فرما دیا۔ اور پھر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جو افراد اسلام کو شعوری طور پر اختیار کرتے ہیں وہ اکثر و بیشتر ''پیدائشی مسلمانوں'' کی بنسبت زیادہ پر جوش، متقی، مستقل مزاج، ایثار پرور اور دین کی تعلیم کے شیدائی ہوتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والی صعوبتوں اور سختیوں کو خندہ پیشانی سے ہی برداشت نہیں کرتے بلکہ اس جادۂ پر کیف و پر خطر پر استقامت کے ساتھ چلنے میں ایک لذت اور روحانی سرور بھی محسوس کرتے ہیں، اور مصائب کے سامنے ایسے ناقابل تسخیر کوہ گراں ثابت ہوتے ہیں کہ ان کے خدا پر بھروسے اور توکل اور راہ وفا میں اولوالعزمی اور پامردی پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ دیگر مذاہب کے پیرو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ایسا بغض اور عناد رکھتے ہیں کہ جب شعائر اسلام کی حرمت و جبلت کے بات ہوتی ہے تو وہ انتہائی تنگ نظری اور پست فکری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بالخصوص ان افراد کے ساتھ حقوق انسانی کے ان نام نہاد علمبرداروں کا رویہ انتہائی ظالمانہ اور قابل نفرین ہوتا ہے جو کفر و ضلالت کے اندھیروں سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔

آیئے ایک نومسلم خاتون کی داستان عزیمت کا ایمان افروز تذکرہ کریں جو ایک

کافر معاشرے میں اسلام کی شمع فروزاں ہے، شعائرِ اسلامی پر کاربند ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود بھی انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہے۔

اس پرعزم خاتون کا نام لوسیا دوھلاب ہے اور تعلق سوئزر لینڈ سے ہے۔ لوسیا ابتداء ہی سے مادہ پرستانہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل سے بہت بیزار تھی اور اپنے معاشرے کے مادی اور مذہبی رجحانات پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک ایسے مذہب کی جستجو میں سرگرداں ہو گئیں جو فطرت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو۔ جو حقیقی طور پر انسان کی روحانی تسکین وارتقاء کا باعث بن سکے اور انسانیت کو اس کی معراج تک پہنچا سکے۔ دس سال پہلے کی بات ہے جب وہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہی تھی تو اس وقت بھی سوس معاشرے کا پرتعیش رہن سہن اسے نہ تو متاثر کر سکا اور نہ ہی راہ حق کی جستجو میں حائل ہو سکا۔ ایک ایسی راہ کی تلاش جو اسے قلبی اطمینان کی منزل تک پہنچا سکے۔ ایک ایسی راہ جو اس کو روحانیت کے بامِ عوج تک لے جائے، ایک ایسا جادۂ حق جو اسے اپنے خالق اور مالک کی اطاعت اور خوشنودی اور پھر ابدی راحتوں کی منزل تک لے جائے۔ لوسیا نے اس راہ حق کی تلاش میں تحقیق و مطالعہ، بحث و مباحثہ اور سفر و سیاحت میں برس ہا برس گزار دیئے۔ مغرب کے لاکھوں باسیوں کی طرح لوسیا بھی مغرب کی تہذیب و ثقافت اور انداز بود و باش سے اکتا چکی تھی، چنانچہ لوسیا نے مغرب کے اس مادہ پرست معاشرے کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا، اور حق کی تلاش میں نئے سفر کو آغاز کرتی ہوئی عازم ہند ہوئی یہاں پہنچ کر دہ ہندو مندروں اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی خاک چھانتی رہی۔ کہ شاید اسے وہ حق مل جائے جس کی خاطر وہ ایک انوکھا سفر شروع کئے ہوئے ہے اور اسے روحانی تسکین کی متاع لازوال ہاتھ آ سکے۔ لیکن بے جان مورتیوں، گائے، بھینسوں اور دوسری مخلوقات کو داتا سمجھ کر پوجنے والوں کا مذہب اسے قطعاً متاثر نہ کر سکا اور یہاں کے دیو مالائی قصوں پر مبنی مذہب کا ناٹک اس کی سوچوں کے دھاروں کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ وہ دیویوں اور دیوتاؤں کے مہمل تصورات کو ہند کی دہلیز پر چھوڑ کر واپس اپنے ملک چلی گئی۔ ۱۹۸۹ء میں لوسیا جنیوا کے ایک پرائمری اسکول میں بحیثیت استاد تعینات ہو گئی لیکن اس نے جستجوئے حق کی جدوجہد کو ترک نہ کیا۔ ترک کر بھی کیسے سکتی تھی؟ اس نے تو مطمعِ حیات ہی حق کو پانا قرار دے دیا تھا، وہ تو ملک ملک، شہر شہر اور قریہ قریہ اس حق کی جستجو

کررہی تھی جو اسے دنیا اور آخرت کی ابدی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز کردیتا جو اس کے قلب و ذہن کو سکون اور اطمینان کی دولت سے مالا مال کردیتا۔ اور جو اسے روحانیت کے ارتقاء کی جادہ سدا بہار پر گامزن کردیتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف لپکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتے ہیں۔ اللہ کو اپنے بندوں سے، اپنی مخلوق سے اتنا پیار ہے جس کا اندازہ ماں کی ممتا بھی نہیں کرسکتی۔ راہ حق کی تلاش میں سرگردہ لوسیا کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کی آغوش میں لے لیا۔ اس کی رہنمائی کی اور اسے ہدایت اور نجات کے پر کیف راستوں سے آشنا کردیا، یوں ۱۹۹۱ء میں لوسیا حلقۂ بگوش اسلام ہوکر ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہوگئی۔ لوسیا نے اسلامی تعلیمات کا ادراک ہی حاصل نہیں کیا بلکہ اس پر صدق دل سے عمل پیرا بھی ہوگئی، اب وہ اسلام کے احکامات پر عمل کرنے میں پر جوش بھی ہے اور مستقل مزاج بھی۔ الحاد اور مادہ پرست سوس معاشرہ، جو اخلاقی اور روحانی اقدار سے سراسر عاری ہے لوسیا کے عزائم کی راہ میں حائل نہیں ہوسکا، لوسیا اسلامی پردہ (حجاب) کی سختی سے پابندی کرتی ہے اور وہ اس پر کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی کیونکہ اسلامی احکامات اور تعلیمات کے مطابق پردہ کی پابندی ہر مسلم خاتون پر فرض ہے۔ چنانچہ لوسیا نے پردہ کی پابندی کے ساتھ اپنی اسکول کی ملازمت کو جاری رکھا اور بعد ازاں لوسیا کی الجزائر کے ایک صالح نوجوان سے شادی ہوگئی۔ اس کی زندگی کے شب و روز سکون و آرام سے گزر رہے تھے کہ اسی دوران تعلیمی سال کا اختتام آن پہنچا۔ اسکول کی انتظامیہ نے اساتذہ اور طلباء کے لئے ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کی، لوسیا نے دیگر اساتذہ کے ہمراہ تقریب میں شرکت کیا تاہم وہ حسب معمولی شرعی پردہ میں ملبوس تھی، اسلامی حجاب میں ملبوس لوسیا اس تقریب میں ایک سوس صحافی کی توجہ کا مرکز بن گئی جو دیگر اساتذہ کے ہمراہ ایک مسلمان خاتون کو اسلامی پردہ کی حالت میں دیکھ کر سیخ پا ہوگیا۔ اس نے مذہبی تعصب اور بغض کی بنا پر لوسیا کی اسلامی شعار کے اپنانے کی اس روش کو قابل نفرین گردانا چنانچہ متعصب صحافی جنیوا کی مقامی حکومت کے وزیر تعلیم کے پاس گیا اور ایک سرکاری اسکول میں اسلامی حجاب کے ساتھ کام کرنے والی ایک مسلم خاتون (لوسیا) کے خلاف درخواست دے دی۔ بقول اس صحافی کے وزیر تعلیم نے اس کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے کہا کہ وہ کسی بھی مسلم خاتون کو پردہ پہن کر بحیثیت استاد سرکاری اسکول میں کام

کرنے کی قطعی اجازت نہیں دے گا اگر چہ سرکاری اسکولوں میں طالبات کو پردہ کی اجازت دی گئی ہے۔

ڈائریکٹر نے ماہ جون میں لوسیا کو اپنے دفتر بلا کر اسلامی حجاب ترک کر دینے کی درخواست کی۔ لوسیا نے اس امر سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ خالصتاً شخصی آزادی کا معاملہ ہے اور سوس قوم میں شخصی آزادی کا احترام پایا جاتا ہے، گویا کہ شخصی آزادی کو سوس قانون کا ایک اہم جز تصور کیا جاتا ہے۔ وزارت تعلیم کے حکام نے سرکاری طور پر لوسیا کو ایک تنبیہ آمیز نوٹس روانہ کیا جس میں کہا گیا کہ پردہ (حجاب) ملک میں تعلیمی نظام کے قوانین کی خلاف ورزی کا باعث ہے۔

لوسیا کے کیس کے سلسلہ میں سوس مسلم خواتین بالخصوص جو سرکاری اداروں میں خدمات انجام دے رہی ہیں، کے مستقبل کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، اس لئے مسلم خواتین نے ''اسلامک کلچر سوسائٹی جنیوا'' کے ڈائریکٹر شیخ یحیٰی باسلاما کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلاتے ہوئے عہد کیا ہے کہ وہ لوسیا کے کیس کو مسلم خواتین کی شخصی آزادی کا سنگین مسئلہ تصور کرتے ہوئے اس کی مکمل طور پر پیروی کریں۔ انہوں نے لوسیا کے کیس کا دفاع کرنے کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دے دی ہے اس نوتشکیل شدہ کمیٹی نے ایک ممتاز سوس وکیل سے رابطہ کیا ہے جس نے مقامی حکومت کو ایک میمورینڈم (یادداشت) پیش کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ لوسیا کے حجاب کا معاملہ شخصی حقوق کے زمرے میں آتا ہے جسے سوس قانون کا مکمل تحفظ حاصل ہے اس کے برعکس مقامی حکومت نے ۶ ستمبر کو ڈائریکٹر تعلیم کے اس فیصلے کی حمایت کی ہے جس میں لوسیا کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حجاب پہننا ترک کر دے ورنہ اسے ملازمت سے برخاست کر دیا جائے گا۔ جبکہ لوسیا اس ظالمانہ اور غیر قانونی فیصلہ کو مسترد کر چکی ہے۔

لوسیا کے حجاب کی داستان کا معاملہ اس وقت مزید افشاں ہوا جب عیسائیوں کے کیتھولک فرقہ کے ایک وکر (Vicar) یعنی نائب نے ۱۳۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ایک سوس اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے مسلم خاتون استاد لوسیا دھلاب پر الزام لگایا کہ وہ ایک سیکولر ملک میں رہتے ہوئے پردہ کرنے کی پابندی پر خواہ مخواہ اصرار کر رہی ہے۔ یہ ناہنجار اور متعصب وکر (نائب مہتمم کلیسا) یہ گل افشانی کرتا ہے۔

''حجاب اس استانی (یعنی لوسیا) کے مذہب کا اشتعال انگیز نمونہ اور شعار ہے۔کلیسا کے نائب نے مقامی حکومت کے اس فیصلے کا کہ اگر مسلم خاتون ٹیچر نے اسلامی لباس اور حجاب ترک نہ کیا تو اسے نوکری سے نکال دیا جائے، خیر مقدم کیا ہے۔ سوئزر لینڈ کے بہت سے اخبارات لوسیا کے حجاب کے معاملہ میں حکومتی فیصلے کی تائید میں مسلسل مضامین لکھ رہے ہیں۔

اسلامک کلچر سوسائٹی جنیوا کے ڈائریکٹر شیخ باسلاما نے عیسائی وکر کے بیان کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ حجاب نیکی اور وقار کی علامت اور شعار ہے۔ یورپ میں خود عیسائی خواتین پچھلی صدی تک پردہ پہنتی رہی ہیں جبکہ عیسائی رہبائیں (Nuns) آج بھی حجاب کا اہتمام کرتی ہیں۔

سوئزر لینڈ میں لوسیا کے وکیل نے مقامی حکومت کے فیصلہ کے خلاف وفاقی عدالت میں ایک درخواست دائر کروادی ہے۔

شیخ باسلاما جو جنیوا میں ایک ممتاز مسلمان لیڈر ہیں، انہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ لوسیا کے کیس کی حمایت اور تعاون کریں۔ بالخصوص مالی اعتبار سے، کیونکہ اس پر بہت زیادہ اخراجات اٹھنے کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کی اعانت بہت ضروری ہوگی، ان کا کہنا ہے کہ ابتدائی اخراجات ۳۵۰۰۰ سوس فرینس ہونے کا تخمینہ ہے جب کہ اب تک صرف ۱۲۰۰۰ سوس فرینس اکٹھے ہو چکے ہیں شیخ سلاما کہتے ہیں کہ لوسیا کا کیس ایک فرد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس سے سوئزر لینڈ کی تمام مسلم خواتین کا مستقبل سے وابستہ بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کا بھی اس پر انحصار ہے۔ اس لئے دنیا بھر کے مسلمانوں کو لوسیا کے کیس کی پیروی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔ یہ تھی اس عظیم نومسلم خاتون لوسیا دھلاب کی داستان عزیمت، ہماری خواتین کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ایک غیر مسلم معاشرے اور کفر والحاد کی جکڑ بندیوں میں جکڑے ہونے کے باوجود بہن لوسیا کس طرح ایک اسلامی شعار کی پابندی اور دفاع کر رہی ہیں اور کسی قسم کی ترغیب اور تنبیہ کو در خور اعتنا سمجھے بغیر استقامت، اولوالعزمی اور وقار کے ساتھ عالم اسلام کو بلند کئے ہوئے ہیں۔ جبکہ ہماری خواتین پاکستان کی آزاد فضاؤں میں بھی شعار اسلامی کو اختیار کرنے میں پس وپیش سے کام لیتی ہیں اور حجاب جیسے بنیادی اسلامی حکم کی

پرواہ بھی نہیں کرتیں بلکہ بعض مغرب زدہ خواتین تو حجاب کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔اس کوتاہ اندیشی اور اندھی تقلید کرنے والی خواتین کو لوسیا دھلاب جیسی نومسلم خاتون کے جذبہ استقامت سے ہی سبق حاصل کرتے ہوئے اپنی گمراہ کن روش کو ترک کر کے عملی طور پر اسلام کی آغوش میں آجانا چاہیئے۔

بہن لوسیا کے اسلامی حجاب کے معاملہ میں اس حقیقت کو بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیئے کہ غیر مسلم اپنے تمام تر اختلافات اور اخلاقی و روحانی کمزوریوں کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معاندانہ روش کو کسی طور پر ترک نہیں کرتے ہمیں بھی چاہیئے کہ باطل پرست اگر اپنے شیطانی عزائم کی تکمیل کے لئے متحد اور متفق ہوتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے رحمانی مقاصد کے حصول کے لئے باہم شیر و شکر ہوکر ہر محاذ پر مسلمانوں کی پشتبانی کرنی چاہیئے۔ چاہے وہ بوسنیا اور کشمیر کے مظلوم مسلمان ہوں یا ارض الانبیاء فلسطین کے مجاہد مسلمان، یا کسی بھی خطہ اراضی کے مسلمان جو اسلام اور اسلامی شعار کے دفاع اور غلبہ کے لئے سرگرم عمل ہیں اور نرم گرم حالات میں اپنے دینی اور ملی فرائض ادا کر رہے ہیں۔ (بحوالہ نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں)

**سابقہ مذہب**:عیسائیت **اسلامی نام**:ڈاکٹر صوفیہ **ملک کا نام**:سویڈن

# عیسائی ڈاکٹر سے میں اسلام کی داعیہ کیسے بنی

ڈاکٹر صوفیہ سویڈن کی لوند یونیورسٹی میں علم الادیان کی پروفیسر ہیں۔ اور سویڈن میں خواتین کی ایک بین الاقوامی تنظیم کی صدر ہیں جو لیکچرز، تدریس، ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے ذریعے اور اخبارت کے ذریعے دعوت دین کا کام کرتی ہیں۔ وہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کرچکی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صوفیہ ایک مکمل گھریلو خاتون ہیں ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ ان سے ہفت روزہ **المجتمع** کویت نے ایک انٹرویو کیا جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے کا سبب کیا بات تھی؟

جواب: میں نے ایک کٹر عیسائی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ میری والدہ ہمیں ہر ہفتے چرچ میں لے جانے کی کوشش کرتی تھیں جبکہ میرے والد ریاضی کے استاد تھے وہ بہت مذہبی نہیں تھے۔ میں اپنی تعلیم کے دوران حیران و پریشان رہا کرتی تھی، کیونکہ مخصوص رسم ورواج اور چرچ میں حاضری کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں ایمانیات اور توحید سے متعلق بعض ایسے سوالات آتے تھے جن کا جواب چرچ کے پاس نہیں تھا۔ پھر میں نے ناروے کی اوسلو یونیورسٹی میں مذہبی علوم کے شعبے میں داخلہ لیا۔ وہاں تاریخ اور تقابل ادیان کے لئے گہری نظر سے مطالعہ کے باوجود میں اسلام کے متعلق بدظنی کا شکار رہی۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے میں نے جو کتابیں پڑھی تھیں وہ صحیح نہیں تھیں کیونکہ وہ مستشرقین کی لکھی ہوئی تھیں۔ آخر میں مجھے مولانا مودودی صاحب کی کتاب ''دینیات'' نارویجن زبان میں ملی اور سید قطب کی ''**المعالم فی الطریق**'' کا انگریزی ترجمہ ملا جس سے مجھے اپنے سوالات کا تسلی بخش جواب ملا۔ اس کے بعد میں نے ان کتابوں کو پڑھنا شروع کیا جنہیں مسلمان مفکرین نے لکھا تھا۔ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ خریدا اور قرآن کی آیات پر غور وخوض شروع کر دیا۔ جب میں اسلام کے متعلق پوری طرح یکسو اور مطمئن

ہوئی تو اسلامی مرکز گئی اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کا اعلان کر دیا۔

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے پر آپ کے اہل خانہ کے کیا تاثرات تھے؟

جواب: انہوں نے اسے معمول کی بات سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ لیکن میری چند سہیلیوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ خصوصاً جب میں نے یونیورسٹی میں حجاب استعمال کرنا شروع کر دیا تو بعض دوستوں نے میرے ساتھ بحث ومباحثے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

سوال: کیا آپ کو پردہ کرنے کی وجہ سے یونیورسٹی میں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: نئی چیز ہمیشہ دوسروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواتی ہے اور شروع میں یقیناً بعض مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اب تو وہ عام ہو چکا ہے، مجھے مشکلات کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کریں اور اس راستے میں آنے والے مصائب کو صبر وتحمل سے برداشت کریں۔ الحمد للہ اس سلسلے میں کوئی خاص مشکل نہیں ہے۔

سوال: آپ نے یونیورسٹی میں رہتے ہوئے کیا دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت دی ہے؟

جواب: میں نے اپنی قریبی سہیلیوں کو اسلام کی دعوت دی ہے اور ان میں سے بعض نے اسلام قبول بھی کر لیا ہے۔ لیکن میری شادی کے بعد کافی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ میرے خاوند مجھ سے کہتے ہیں کہ جب تم نے خیر کو پالیا ہے تو اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ عربی سیکھنے میں انہوں نے میری بڑی مدد کی، الحمد للہ میرے پاس روزانہ کی مصروفیات تدریس، لیکچرز، ٹیلی ویژن پروگرام اور دیگر پروگراموں میں شرکت پر مشتمل ہے۔

سوال: آپ اس (مغربی) معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی اولاد کی تربیت کس طرح کرتی ہیں؟

جواب: اولاد کی تربیت سب سے اہم کام ہے اور اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، دیگر طلبہ کی طرح ہمارے بچے بھی سویڈش اسکول میں جاتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ گفتگو کرتی ہوں اس کے علاوہ عربی سیکھنے کے لئے ویڈیو کیسٹ دیکھتے ہیں۔ نمازوں اور ذکر کے اہتمام کے ساتھ ساتھ سونے سے پہلے ہم انہیں کوئی ایک آدھ اسلامی قصہ سناتے ہیں اور بعض نصیحتیں کرتے ہیں۔ ہر ہفتے کے آخر میں عربی پڑھنے اور سیکھنے کی مشق کراتے

ہیں اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے اخلاقی اور تعلیمی امور بہت اچھے ہیں اور وہ عربی سویڈش اور نارویجن زبانوں میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

سوال: دعوت دینے کے سلسلے میں فعال کردار ادا کرنے کے لئے خواتین کی راہ میں کیا رکاوٹیں درپیش ہیں؟

جواب: عورت مرد کی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ عورت اور مرد یکساں طور پر گھر، اولاد اور دعوت دین کے لئے کام کریں۔ موجودہ زمانے میں ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ گھر عورت کے لئے بنیادی اور اہم ذمہ داری ہے۔ لیکن جاہل عورت کوئی کام بھی صحیح طرح نہیں کر سکتی، بچوں کی تربیت کے لئے زندگی اور معاشرے کے تجربات اور مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے نتیجے میں بچوں کی تعلیم وتربیت اور والدین کی خدمت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ہمارا موجودہ تربیتی نظام خواتین کو مربی اور داعی بنانے کے بجائے انہیں بے کار اور پسماندہ بناتا ہے۔ حالانکہ وہ آنے والی نسلوں کی تربیت کی ذمہ دار ہیں۔

سوال: مستقبل میں آپ کے کیا ارادے ہیں؟

جواب: میں نے قرآن کا اسکنڈے نیوی زبان میں ترجمہ شروع کیا ہے اس کے علاوہ فریضہ حج ادا کرنے کا ارادہ ہے اور میں صحابیات کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان عورت کی مدد کرنا چاہتی ہوں تا کہ وہ اپنے فریضہ منصبی فعال طور پر ادا کرے۔ اللہ میری مدد فرمائے اور ہماری تمام کوششوں کو اپنی رضا کے لئے خالص کر دے۔ (آمین)

سوال: مسلمان خواتین کی عالمی تنظیم بنانے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: سویڈن میں مختلف قوموں کی مسلمان خواتین رہتی ہیں جن کا تعلق یورپ، ایشیاء، افریقہ، امریکہ اور عرب ممالک سے ہے۔ ہم نے خواتین کو شریک کرنے کے لئے ایک متحدہ پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کی تا کہ اس تنظیم کے ذریعے خواتین آسانی سے ہمارے ساتھ رابطہ کر سکیں۔

سوال: آجکل آپ کی تنظیم کی کیا اہم سرگرمیاں ہیں؟

جواب: خواتین، لڑکیوں اور بچوں کے لئے ہفتہ وار عربی اور سویڈش زبان میں درس ہوتے ہیں۔ عورت کے مسائل اور ضروریات کے متعلق سیمینارز اور ورکشاپ منعقد ہوتی

ہیں۔ تربیتی کیمپ اور سالانہ کانفرنس کا اہتمام کیا جاتا ہے، عورت کے مسائل، مشکلات اور اس کے حق کے دفاع کے لئے کوشش کی جاتی ہے اس کے علاوہ ضرورت مند اور پناہ گزینوں کے لئے ہم فنڈ جمع کرتے ہیں۔

سوال: آپ کی ان سرگرمیوں کے مسلمان خواتین پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: پروگرام کی نوعیت اور خواتین کی ضروریات کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بوسنیا اور یورپ کے خواتین قرآن وحدیث کی تعلیمات سیکھنے میں دلچسپی لیتی ہیں۔ جبکہ عرب خواتین بچوں کی تربیت اور کھانا پکانے سے متعلق لیکچرز میں زیادہ دلچسپی لیتی ہیں، جبکہ صومالی خواتین کی کوشش عربی سیکھنے کے لئے ہوتی ہے۔ میرے خیال میں میاں بیوی کی تعلیمی قابلیت اور مقام ان کے رجحانات کی سمت متعین کرتا ہے۔ لیکن ہماری مسلسل کوشش ہوتی ہے کہ ہم عورت کی مکمل مدد کریں تاکہ وہ دین کے مطلوبہ مقام تک پہنچ جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کے لئے بڑے صبر اور ضبط کی ضرورت ہے۔

سوال: آپ تنظیم کی مالی ضروریات کس طرح پوری کرتی ہیں؟

جواب: ابھی تک ہم نے اپنی ضروریات اپنے اراکین کی مدد اور ذاتی اعانت سے پوری کی ہیں۔

سوال: آپ کا تعلق چونکہ یورپ سے ہے اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کی آزادی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: عورت کی آزادی کا نعرہ خرافات اور جہالت پر مبنی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ہم خواتین کو یہ باور کروائیں کہ اسلامی اصولوں کے اندر رہتے ہوئے معاشرے کی تعمیر وترقی میں عورت کا کیا کردار ہے۔ لیکن عورت کو اس کے اخلاقی دائرے سے باہر لاکر آزادی کی بات کرنا کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے لئے یا اپنی اولاد کو ممتا کی محبت سے محروم کرکے انہیں خادموں کے حوالے کرے اور خود دوسروں کی خدمت کرے؟ یہ ہمیں ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ ضروری ہے کہ مرد اور عورت اپنی عصمت کی حفاظت کرتے رہیں، اس طرح فطری امنگوں کی تکمیل ہوتی ہے اور خاندان کے افراد میں محبت اور الفت پنپتی ہے۔ اور پورے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔

سوال: تسلیمہ نسرین کی سویڈن آمد پر آپ نے سویڈن ٹی وی پر تبصرہ کیا تھا اس کے

متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: تسلیمہ نسرین کا کوئی علمی مقام نہیں ہے۔ اس نے سیاسی پناہ اور سستی شہرت کے حصول کے لئے مغرب کو استعمال کیا، حالانکہ وہ اپنے مخالفین اور حامیوں دونوں کی طرف سے اس قسم کے اہتمام کی ہرگز مستحق نہیں تھی۔ قرآن پاک اس زمانے کا معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس طرح کے لوگوں کو اہمیت نہ دیں اور انہیں آزادی اظہار کے ہیرو نہ بنائیں قرآن تو اس لئے آیا ہے کہ وہ غلاموں کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کرے۔ لیکن مسلمانوں کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے کہ قرآن پاک کو آزادیٔ رائے کے نظریئے کے دشمن کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ دلیل کا جواب دلیل سے دیا جانا چاہیے نہ کہ جذبات اور اشتعال کا اظہار کیا جائے۔

سوال: کیا آپ نے بین الاقوامی خواتین کانفرنس میں شرکت کی اور آپ کی ان کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب: مجھے پہلے پاکستان، سوڈان اور الجزائر میں خواتین کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملی۔ اس کے علاوہ میں نے تین بین الاقوامی کانفرنسوں، بالترتیب عمان، لاہور اور استنبول میں شرکت کی۔ الجزائر میں منعقد ہونے والی خواتین کانفرنس مجھے پسند آئی جس میں معروف داعیہ زینب الغزالی اور اردن سے سمیرہ نے شرکت کی۔ یہ میری تمنا ہے کہ کارکنان کی فعالیت اور ان کی سرگرمیوں کو مربوط اور فعال بنانے کے لئے خواتین کانفرنسوں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ ان کی سرگرمیوں کی موجودہ صورتحال بہت ناتواں ہے اور میرے خیال میں یہ داعی حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی خواتین اور بیٹیوں کو اس میدان میں جلد کام کرنے کی ترغیب دیں تا کہ وہ اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام اس طرح سرانجام دیں جس طرح وہ اپنی دیگر ضروریات اور مسائل کے لئے کرتی ہیں۔

سوال: اسلامی ممالک کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: مجھے عمرہ ادا کرنے سے بہت سکون حاصل ہوا۔ میں مکہ اور مدینہ بار بار جانا چاہتی ہوں، جدہ شہر کی ترقی اور جدت بہت پسند آئی جبکہ اردن میں معاشرتی زندگی اور بالخصوص خواتین کی صورتحال دیگر اسلامی ممالک کی نسبت قابل اطمینان ہے جہاں عورت

معاشرے میں اپنا حقیقی کردار ادا کر رہی ہے۔ عمان ایک خوبصورت شہر ہے، خصوصاً موسم بہار اور گرمیوں کے شروع میں ہر شہر کی اپنی خصوصیات ہیں۔ جبکہ مصر کے لوگ مشکل زندگی اور غربت کے باوجود بڑے صابر اور قانع ہیں۔ مراکش کی صورتحال بھی دیگر شہروں سے ملتی جلتی ہے اس کے قدرتی مناظر قابل ذکر ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ممالک میں دین بس روایات اور رسم و رواج کا نام ہے ماسوائے اس کے کہ نوجوانوں میں اسلامی احیاء اور معمول کی زندگی میں مثبت تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں۔ میں نے یہ دورہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہی کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے یہ کام پہلے نہیں کیا تھا کیونکہ اگر میں عرب اور اسلامی ممالک کا دورہ اس سے قبل کر لیتی تو شاید پھر میں دین پر اتنی سختی سے کاربند رہنے والی نہ بن سکتی۔ کیونکہ کتابوں میں اپنے مطالعے کے دوران ان کے جو افکار، عقیدے اور ثقافت و تمدن کی میں نے حسین صورت دیکھی تھی، وہ ان ممالک کے لوگوں کی زندگیوں سے مفقود نظر آئی، بلکہ بعض ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آئے جو بالکل اسلامی روح کے خلاف تھے۔ تو پھر یہ بات حق کے متلاشی پر کس طرح اثر انداز ہوتی۔

**سابقہ نام**: میریولا
**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: لیلیٰ
**ملک کا نام**: کینیڈا

# کفر سے اسلام تک کا میرا سفر

میں پولینڈ کے ایک چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوئی، والدین سادہ مزاج اور مذہبی قسم کے لوگ تھے، جنہوں نے مقدور بھر میری بہتر پرورش کرنے کی کوشش کی۔ میں ایک خاص مزاج کی حامل، اوسط طبقے کی لڑکی تھی اور کیتھولک مذہب رکھنے والے لوگوں میں پلی بڑھی جو کسی حد تک میرے مزاج سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ گھر کی مذہبی فضاء کی وجہ سے مجھ پر چرچ جانا لازم تھا چنانچہ رواج کے مطابق میں ہر اتوار اور دیگر تمام خصوصی تقریبات پر چرچ جایا کرتی تھی۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میری طبعیت ذرا مختلف قسم کی تھی۔ میں کم میل جول رکھنے والی شرمیلی اور اداس قسم کی لڑکی تھی۔ میں اپنے لڑکپن کے سالوں میں عملی طور پر تنہائی پسند تھی۔ کوئی بوائے فرینڈ ہونا تو درکنار میری کوئی سہیلی تک نہ تھی۔ بس میں تھی اور مذہب پر غور وفکر۔

زندگی یونہی بسر ہو رہی تھی کہ میں اپنے خاندان کے ہمراہ کینیڈا چلی آئی، یہاں ایک نئی زندگی کا مشکل اور غیر متوقع ماحول میرا منتظر تھا۔ مجھے ہر چیز آغاز سے سیکھنی تھی۔ کینیڈا میں فروکش ہونے کے بعد جلد ہی میری ملاقات ایک لبنانی طالب علم سے ہوئی جو اس وسیع ملک میں میری طرح نو وارد تھا۔ اس کی طبیعت بھی ذرا عام مزاج سے ہٹ کر تھی۔ مجھے سب سے پہلے اسی نے اسلام کے متعلق آگاہ کیا جسے اس وقت تک میں ایک سنکی قسم کا مذہب کا خیال کرتی تھی۔

ہم ایک دوسرے سے متضاد نظریات رکھنے کے باعث اکثر لمبی چوڑی گفتگو اور بحث کرتے۔ اس سے قطعی مختلف نقطہ نظر رکھنے کے باوجود ایک جملہ کہ ''خدا صرف ایک ہے'' ہر وقت میرے ذہن میں گونجتا رہتا۔ تاہم مجھے پورا یقین تھا کہ ایسی سوچ

رکھنے والا یقیناً پاگل ہے اور اور کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا کہ دراصل میں ہی غلطی پر ہوں۔

جب سے میں اس لبنانی لڑکے سے ملی تھی، زندگی انتشار کا شکار ہوگئی تھی، اس لئے نہیں کہ وہ مسلمان تھا بلکہ اس لئے کہ میں اب اس سوچ تلے پسی جا رہی تھی کہ ہم دونوں میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط۔ تقریباً دو تین ماہ تک میں اس ادھیڑ پن میں رہی تب ایک معجزہ ظہور میں آنا شروع ہوا۔ ایک دن میں اپنے گھر والوں کے ساتھ چرچ میں تھی تو یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: کس قدر بے تکی بات ہے کہ یہ چرچ والے کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے۔ ان الفاظ نے مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں سوچنے لگی کہ اگر خدا ایک ہے تو عیسی علیہ السلام اس کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر روح القدس اور تثلیث ناقابل فہم باتیں تھیں۔

جب سے میں نے اس حقیقت کو پایا تھا، میں نے شاید ہی چرچ میں کسی سے کوئی بات کی ہو۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں میرے والدین کو احساس ہوگیا کہ میں نے چرچ جانا چھوڑ دیا ہے اور چرچ سے دور رہنے کے لئے بہانے تلاش کرنے لگی ہوں۔ وہ جان گئے کہ یقیناً کوئی گڑبڑ ہے۔ انہوں نے سارا الزام اس بے چارے لبنانی لڑکے پر تھوپ دیا اور اس سے نہ صرف سخت رویہ اپنایا بلکہ اسے بے عزت بھی کیا مگر میرے رویئے میں تبدیلی نہیں آئی۔

میں نے خفیہ طور پر پولینڈ سے قرآن کریم کا ایک نسخہ منگوایا، نماز سیکھی اور چپکے چپکے روزہ رکھا کہ کوئی نہ جان سکا۔ ادھر والدین کو خوش رکھنے کے لئے میں دکھاوے کے طور پر کبھی کبھار چرچ بھی چلی جاتی لیکن صرف اللہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے لئے کتنا تکلیف دہ تھا اور میں کس کرب میں مبتلا تھی۔

میرے لئے قرآن کا مطالعہ ایک مسرور کن تجربہ تھا۔ رات کو جب سب اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوتے، میں قرآن کا مطالعہ شروع کر دیتی۔ میں اسے پڑھتی جاتی، اس دوران آنکھیں برستی رہتیں اور میں منہ پر تکیہ رکھ کر چلا چلا کر روتی رہتی۔

مسلم حلقے سے میرے لئے میریولا کے بجائے مریم نام تجویز کیا گیا مگر اس نام سے مجھے اپنے پرانے عقیدے کی یاد آتی تھی۔ اس لیئے میں نے اس کے بجائے

اپنے لیئے لیلیٰ کا نام منتخب کیا۔ عربی میں اس کا مطلب رات ہے اور چونکہ یہ رات ہی کا وقت ہوتا تھا جب مجھے قرآن پڑھنے کا موقع ملتا اور میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتی تھی اور جب اس نے سورۂ فاتحہ کے ذریعے مجھے آگہی اور ہدایت سے نوازا تھا۔

یہ فیصلہ کرنے میں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے تقریباً ایک سال لگا۔ اس دوران میں نے نماز ادا کرنا اور صحیح طور پر روزہ رکھنا سیکھا۔ اب میری زندگی سراپا مسرت تھی یہ شادمانی اس روشن دریچے سے چھن چھن کر آ رہی تھی جو میرے رب نے میرے اوپر کیا تھا۔

ہر نیا دن ایک نیا مشاہدہ لیکر آتا اور ہر ہر لمحہ تکمیل ذات کی طرف لے جانے والا تھا۔ میں بہت خوش تھی اور شکر گزار تھی کیونکہ اللہ نے مجھے عرفان و علم سے نوازا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ زندگی اتنی آسان بھی نہ رہی تھی گو اندرونی طور پر میں پُر امید اور پر سکون تھی مگر باہر کی دنیا کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔

تقریباً دو سال کا عرصہ رہا ہوگا، جب میں مکمل طور پر مسلمان ہو چکی تھی اور اہل خاندان اور میرے درمیان بیگانگی کے پردے حائل ہو گئے تھے گو میں اب بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ جونہی ان کے کانوں میں میرے ایمان لانے کی بھنک پڑی، مجھے گھر سے نکال دیا جائے گا۔ مگر میں منتظر تھی، جو کچھ بھی اللہ نے میرے لئے غیب میں چھپا رکھا تھا۔

کرسمس کا موقع آیا تو مزید ضبط کا یارا نہ رہا۔ میرا دل بھر آیا اور میں نے سب کو اپنے ایمان لانے کے بارے میں بتا دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس سے وہ خاصے دکھی ہوئے ہوں گے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ یہ ان کی خوشی کا دن تھا، مجھے مزید انتظار کر لینا چاہیئے تھا مگر اللہ کی یہی مرضی تھی کہ میں مزید انتظار نہ کروں میں زیادہ دیر تک تاریکی سے سمجھوتہ نہ کر سکی اور نہ ہی فضولیات اور لغویات سے بھری اس محفل میں ٹھہر پائی۔

توقع کے مطابق مجھے فوراً گھر سے نکال دیا گیا۔ میں نے اپنا بیگ لیا اور رہنے کے لئے ایک جگہ تلاش کر لی دل اس خیال سے مسلا جا رہا تھا کہ گھر والے چھوٹ گئے، مگر جلد ہی سکون سے معمور ہو گیا کہ میں نے اپنے رب کو پا لیا تھا۔

والد کے علاوہ خاندان کے تمام افراد نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ صرف انہوں

نے کہا کہ میں آزادی سے اپنا راستہ منتخب کرسکتی ہوں وہ اب بھی مجھ پر شفیق تھے اور اس مشکل وقت میں اخلاقی و جذباتی لحاظ سے دلجوئی کرتے رہے۔ وہ مسلمان تو شاید ہی ہوں مگر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ بدستور ان کی بیٹی ہوں اور باپ کی حیثیت سے وہ مجھے اب بھی چاہتے ہیں۔

تب سے میں الگ رہ رہی ہوں اور زندگی کے ہر دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے سب سے قیمتی چیز ایمان وقرآن سے نوازا ہے۔ اس نے اس وقت رحمت کے دروازے پر مجھ پر وار کئے جب میرے گھر والوں نے مجھ پر اپنے دروازے بند کردیئے تھے۔ میری دعا ہے کہ ایمان کی روشنی ان سب لوگوں تک پہنچے جو اب بھی ان تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں جن میں کبھی میں بھی ان کی ہمسفر تھی۔

**سابقہ نام** :محترمہ انجلیس **سابقہ مذہب** :عیسائیت **ملک کا نام** :امریکہ

# محترمہ انجلیس (مانچسٹر)

اس واقعہ میں عبرت ہے ان خواتین کے لئے جو مغربی تہذیب کی دلدادہ ہیں، ان کی عریانیت کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتی ہیں، اس منحوس کلچر کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں، اور مغرب کی اس کھوکھلی ثقافت میں خود رنگنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کرتی ہیں۔

مانگتی ہے مغرب مغربی تہذیب سے تو روشنی
ظلمت شب سے نہیں ممکن اجالے کا حصول

انہیں گہرائی اور گیرائی سے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ آج جس سوسائٹی کی وہ خواہاں ہیں، وہاں کی خواتین لمبے تجربے کے بعد خود ایسی تہذیب وتمدن سے بیزار ہیں جس میں ان کی عزت وناموس کی کوئی حفاظت نہیں، ان کی عفت وعصمت کی کوئی ضمانت نہیں، جس طرف نظر اٹھاتی ہیں، حرص وہوس کی ترچھی نگاہیں انہیں نشانہ بناتی ہیں، ایسے گندے سماج میں اپنی آبرو تار تار ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ اسلام کے دامن عفت و عصمت میں پناہ ڈھونڈنے کے لئے مجبور ہوتی ہیں، جس میں روحانیت کی غذا ہے اور معاشرے کے ہر مرض کی دوا ہے۔

آیئے اس واقعہ کو پڑھیں، اس سے عبرت حاصل کریں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا مطالعہ کریں کہ اس نے حجاب اور پردہ کے احکامات سے صنف نازک پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ صومال میں بھوک مری اور قبائلی لڑائی نے اتنی تباہی مچائی کہ لاکھوں مسلمان سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے یورپ ہجرت کر گئے۔ انہیں لوگوں میں ایک صومالی دوشیزہ ''شمسہ'' کا خاندان بھی تھا، جس نے برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں قیام کیا چونکہ وہاں کوئی بھی مناسب اور باحیثیت کام کرنے کے لئے انگلش زبان کا جاننا ضروری ہے اس لئے شمسہ نے ''معهد تعليم اللغة الانجليزية'' نامی انگریزی زبان کے تعلیمی ادارہ

میں داخلہ لے لیا جو آرٹ اور ٹیکنیکل کالج مانچسٹر کے ماتحت ہے۔

یورپ کی آزادی کے نام پر ہر قسم کے تباہ کن ماحول کو پانے کے باوجود بھی شمسہ ایک مثالی مسلم خاتون تھی جو دینی تعلیمات کی پابندی کرتے ہوئے ہمیشہ پردے کا اہتمام کرتی تھی، جس نے اس کی ایک انگریزی استانی ''انجلیس'' کو اپنی طرف متوجہ کیا جس کے والدین مسیحی اور دادا یہودی تھے۔ وہ بارہا شمسہ سے سوال کرتی کہ ''تم یہ عجیب و غریب لباس کیوں پہنتی ہو، اور شمسہ کا جواب ہوتا میں مسلم ہوں۔ اللہ نے مجھے پردہ اور حجاب کا حکم دیا ہے میں اس کے فرمان کی اطاعت ہر جگہ اور ہر وقت کرتی ہوں۔

شمسہ ہر ایک سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتی، اس کے معاملات بہت صاف ستھرے رہتے، اس کے اخلاق و کردار بہت بلند تھے، وہ شائستگی اور تہذیب کی ایک نمونہ تھی جس کی کشش نے اس کی ساتھیوں اور استانیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، خاص طور سے انجلیس نے تو ایک روز گھیر کر کہا'' مجھے صاف صاف بتادو کہ تمہارا لباس اور تمہاری بات اتنی اچھی کیوں لگتی ہے'' شمسہ نے جواب دیا، یہ اسلام کی برکت ہے جس نے مجھے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اپنی زبان کو بھی ایک دائرے کے اندر استعمال کروں تا کہ ان لوگوں کی دل آزاری نہ ہو جنہیں مجھ سے سابقے پڑتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

انجلیس نے کہا کہ اس ادارہ میں بہت ساری مسلمان لڑکیاں ہیں لیکن تمہاری جیسی پردہ نشین نہیں ہیں، تم اتنی زیادہ متشدد کیوں ہو؟ شمسہ نے بتایا کہ میں متشدد نہیں ہوں بلکہ قرآنی احکام کی پابند ہوں، خاص طور سے سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المومنین ید نین علیھن من جلا بیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلایؤذین و کان اللہ غفورا رحیماo

''اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں، یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔

انجلیس کو اس کی باتوں نے سخت حیرت و استعجاب میں ڈال دیا کہ وہ اپنے

رب کے کلام کا کتنا احترام اور پردے کا کتنا التزام کرتی ہے، چنانچہ اس نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ اور مراقبہ شروع کر دیا، اس نے دیکھا کہ وہ کھانے میں خنزیر کا گوشت نہیں استعمال کرتی ہے، پھر ادارہ کے باہر اور ہفتہ وار چھٹیوں میں بھی اس کے ساتھ رہ کر دیکھا کہ وہ نہ شراب پیتی ہے اور نہ جوا کھیلتی ہے، اور نہ ہی کبھی دوران گفتگو اس نے جھوٹ بولا، اس نے شمسہ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے اسلامی اخلاقیات کے بارے میں مزید معلومات بہم پہنچائے لہٰذا شمسہ نے اسے بتایا کہ اسلام انسان یا کسی بھی جاندار کو تکلیف دینے سے روکتا ہے، نیز جھوٹ، دھوکہ بازی اور مکر وفریب کے ذریعہ ہو یا مے کشی، جوابازی اور خنزیر کے گوشت خوری سے بھی منع کرتا ہے، انجلیس اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے اسلام میں داخل ہونے کی رغبت ظاہر کی، لیکن شمسہ نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی نہیں، اس لئے کہ آپ اسلام کے دیگر احکامات کو ابھی نہیں جانتی ہیں، حالانکہ انجلیس نے پورے ایک سال سے جب سے شمسہ سے متعارف ہوئی تھی، شراب، جوا اور خنزیر کے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، جبکہ یہ بات شمسہ یا کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

دوسرے لفظوں میں انجلیس نے شروع سال ہی سے اسلامی اخلاق کا مطالعہ اور اس کی عملی تنفیذ شروع کر دی تھی تاکہ نفسیاتی اور عملی طور پر اسلام میں داخل ہو سکے، لیکن صومالی دوشیزہ شمسہ نے حکمت ومصلحت کے پیش نظر اس کے دخول اسلام کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا کہ انجلیس زیادہ سے زیادہ اسلام کے بارے میں مطالعہ کرے اور شریعت کے مقاصد اور عبادت کی حکمت کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ وہ فکری استعداد اور اسلامی کلچر وتہذیب سے اس طرح مسلح ہو کہ اسلام کے خلاف تمام شکوک و شبہات اور ہر طرح کے اتہامات کا منہ توڑ جواب دے سکے۔

واقعی یہ دوسرا سال انجلیس پر بہت گراں گزرا، روزانہ حسرتیں کیا کرتی تھی کب وہ کلمہ شہادت پڑھ کر حجاب سے مزین ہو اور اس کے حسرت وارمان جتنے ہی زیادہ ہوتے اتنا ہی زیادہ مطالعہ اور بحث میں غرق ہو جاتی تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ اسلامی فکر وثقافت کے بارے میں علم ہو سکے۔ اس سال کے گزرتے ہی انجلیس شمسہ کے پاس یہ گزارش لے کر آئی کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے وہ اس کے ساتھ تعاون کرے اور مرکز اسلامی مانچسٹر میں اس کے ساتھ جائے تاکہ وہاں کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف

باسلام ہوا اور سرکاری سند حاصل کرے۔

یہ اللہ کی مشیت ہی تھی کہ انجلیس اور اس کی ساتھی شمسہ جس جمعہ کو مرکز اسلامی مانچسٹر پہنچیں اسی جمعہ کو میں جدہ سے لندن ہوتے ہوئے وہاں پہنچا تھا، کتنا خوشنما اور مبارک تھا وہ منظر، جس کے لئے دو سال سے دو دوشیزائیں منصوبہ بندی کر رہی تھیں، ہر طرح کی جذباتی تعبیرات اور مبالغات سے ہٹ کر بذات خود یہ منظر بہت ہی خوبصورت ،سعادت بخش اور بابرکت تھا، خشوع وخضوع اور ہیبت ورعب سے پُر تھا۔

محترم قارئین آپ اپنے آپ کو اس پوزیشن میں رکھ کر سوچیں جہاں کہ خوشی کے آنسو بہہ رہے ہوں اور اللہ اکبر کی صداؤں میں مبارک باد دی جا رہی ہو تو اس دین کی عظمت کا یقین بڑھ جائے گا اور یقین ہوگا کہ روح پرور ایمانی گھونٹ کی تاثیر ہر زمانے اور ہر جگہ ہوا کرتی ہے۔

اسلام کے بارے میں ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس ہونا چاہیئے۔ جبکہ اسلام روح، جسم اور ساری کائنات کے لئے سلامتی اور رشد وآشتی کا پیامبر ہے، اسی لئے ہر اچھی چیز کی دعوت دیتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے اس کی نشر واشاعت کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کو حکمت ودانائی اور اچھے اسلوب سے پھیلایا جائے نہ کہ تنگ نظری اور تعصب کی راہ اختیار کی جائے جو تشدد اور دہشت گردی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

اس کے بعد فضیلۃ الشیخ محمد سعید البادنجی امام وخطیب جامع مسجد دیز بری مانچسٹر نے انجلیس کو کلمہ شہادت کی تلقین کی اور بتایا کہ اسلام تمام انبیاء ورسل اور آسمانی کتابوں کا احترام کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان لائیں جن کا ذکر قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں ہے، ایک سورت کا تو نام ہی سورۃ انبیاء ہے، ایک سورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں حضرت مریم سے منسوب ہے اور ایک دوسری سورت حضرت مریم اور ان کے اہل وعیال سے منسوب ہے جس کا نام سورہ آل عمران ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تشریح فرمائی۔

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل آمن باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ و قالوا سمعنا واطعنا○

(بحوالہ نومسلم خواتین)

**اسلامی نام:** سناء **ملک کا نام:** مصر

# میرے کلمہ پڑھنے سے پورا کمرہ مبارک، مرحبا کی آواز سے گونج اٹھا

انسان کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں کہ اللہ عزوجل اسے راہ ہدایت اور ایمان کی دولت سے نواز دے۔ ایمان ایسی لازوال نعمت ہے جس کی ابدی حلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے جسے خدا چاہے، اور مجھ سے زیادہ خوش بخت اور سعید دنیا میں اور کون ہوگا جسے اللہ کریم نے صراط مستقیم یعنی اسلام اور ایمان کی راہ سمجھائی اور مجھے ضلالت وگمراہی کی جہالت سے اور دوزخ کی آگ سے نجات دی؟''

ان کلماتِ تشکر کے ساتھ نومسلمہ سناء کفر وشرک کی ضلالت کو چھوڑ کر اپنے قبول اسلام کا واقعہ بڑے پرجوش انداز میں بیان کرتی ہے۔

سناء مصر کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ہر عیسائی کی طرح ہر اتوار کو اپنے والدین کے ساتھ گرجا جانا اس کا معمول تھا۔ وہاں وہ پادری کے ہاتھ چومتی اور سب کے ساتھ مل کر یسوع مسیح کی حمد اور ترانے گاتی۔ پھر پادری سب کو اناجیل اربعہ کی کچھ عبارتیں سناتا اور یہ بڑے غور سے سنتی۔ پادری عقیدۂ تثلیث پر جمے رہنے کی یہاں تک تلقین کرتا کہ تثلیث پر عقیدہ رکھے بغیر کوئی غیر مسیحی نیکی اور بھلائی کا کوئی بھی کام سرانجام دے وہ عند اللہ ماجور ومقبول نہیں بلکہ مغضوب ہے کیونکہ اس کے گمان کے مطابق یہ کفر والحاد ہے۔

سناء پادری کے وعظ کو دوسرے بچوں کی طرح بے دھیانی سے سنتی اور پھر جیسے ہی گرجا گھر سے نکلتی اپنی مسلمان سہیلی حناء کے ساتھ کھیلنے کے لئے دوڑ پڑتی۔ کیونکہ بچپن میں انسان کا ذہن صاف سلیٹ یا کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے اس پر پادری کے وعظ بھی ایک دوسرے سے نفرت اور تعصب پیدا نہیں کر سکتے۔

ثناء جب ذرا بڑی ہوئی تو اسکول میں داخل کر دی گئی جہاں اس کا واسطہ کئی مسلمان لڑکیوں سے پڑا جو پادری کے وعظ و نصیحت کے برعکس اس کے ساتھ بہنوں کا سا سلوک کرتیں اور اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیتیں کہ وہ ایک غیر مسلم ہے۔ یہاں ان کے محبت و مؤدّت اور اُنس بھرے سلوک نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ ان میں سے ایک کے ساتھ تو اس کے بہت گہرے مراسم ہوگئے اور ان دونوں میں اتنی گہری دوستی ہوگئی کہ وہ ایک لمحہ بھی اس سے جدائی برداشت نہیں کرسکتی تھی سوائے اس پیریڈ کے جس میں ایک عیسائی معلّمہ اسے مسیحی مذہب کی تعلم دیتی تھی۔ اس پیریڈ میں بارہا ثناء کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ اپنی معلّمہ سے پوچھے کہ مسلمان اس قدر با اخلاق، مہذب و متمدن اور غیر متعصب ہونے کے باوجود آخر کیسے غیر مومن اور ملحد و کافر ہیں جب کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں؟ لیکن استانی کے غیظ وغضب کے ڈر سے وہ یہ سوال نہ کرسکتی۔ لیکن ایک دن تو وہ جرأت کر بیٹھی اور اس اچانک سوال نے استانی کو حیران و پریشان کر دیا۔ اس نے اپنا غصہ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے اتنا کہا ثناء تم ابھی چھوٹی ہو کم سن ہو، یہ باتیں ابھی نہیں سمجھو گی۔ ان کے اخلاق و مروت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ جب بڑی ہوگی تو ہماری طرح ان کی اصل حقیقت خود بخود تم پر آشکارا ہو جائے گی۔ ثناء کو معلّمہ کا یہ غیر مناسب اور قطعی غیر منطقی جواب مطمئن نہ کرسکا۔

اسی اثنا میں ثناء کی عزیز ترین سہیلی حناء کے والد کا تبادلہ قاہرہ ہوگیا اور وہ قاہرہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ جس دن حناء نے قاہرہ جانا تھا دونوں سہیلیاں جدائی کے غم میں آپس میں مل کر خوب روئیں۔ پھر اپنی دوستی کی یادگار کے طور پر دونوں نے تحائف کا تبادلہ کیا۔ حناء نے ایک خوبصورت ڈبے میں بڑے سلیقے اور احترام کے ساتھ قرآن مجید کا تحفہ ثناء کو پیش کیا اور کہا ''میں نے بہت سوچا اور غور و فکر کیا لیکن مجھے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ اور کوئی نظر نہیں آیا۔ ثناء نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ اس انمول تحفے کو بوسہ دیا اور حناء کا بہت بہت شکریہ ادا کیا ظاہر ہے اسے یہ تحفہ اپنے خاندان والوں کی نظروں سے چھپا کر رکھنا تھا۔

حناء کے قاہرہ چلے جانے کے بعد یہی تحفہ اس کا واحد سہارا رہ گیا تھا جونہی پڑوس کی مسجد سے مسلمانوں کو نماز کی دعوت دینے کے لئے اذان کی آواز گونجتی، ثناء

قرآن مجید نکالتی اور اسے عقیدت سے چومتی اور ساتھ ہی اپنے اردگرد تجسس کی نظر ڈالتی کہ گھر کا کوئی فرد اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ ایسا کر کے اسے ایک قسم کی ڈھارس سی ملتی، دن گزرتے رہے یہاں تک کہ سناء کی شادی کنواری مریم کے گرجا کے نگران سے ہوگئی وہ اس قیمتی تحفے کو لیئے پیا کے گھر سدھاری جہاں اسے اس تحفے کو خاوند کی نظروں سے بھی چھپانا تھا۔

پھر سناء کو محرمات کو روکنے والے دفتر میں ملازمت مل گئی جہاں باپردہ مسلمان لڑکیاں ملازم تھیں، یہاں سناء کی دوستی کا دائرہ اور وسیع ہوگیا اور حناء کی دوستی کا اثر اور گہرا ہوگیا۔ ان مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں کے دین اور اخلاق و مروت سے متاثر ہوکر سناء اسلام اور مسیحیت کا باہم موازنہ کرنے لگی۔ وہ گرجا گھر میں پادری اور دیگر متعصب عیسائیوں کی زبان سے مسلمانوں اور اسلام کے متعلق جو کچھ سنتی اس کا موازنہ وہ مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں کے حسن سلوک سے کرتی تو ان میں واضح تضاد نظر آتا نیز نہ جانے کیوں جب بھی قریبی مسجد سے اذان گونجتی تو ثناء اپنا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کرتی اس کا سبب اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے اندر حقیقت اسلام جاننے کا زبردست داعیہ پیدا ہوگیا۔ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر شیخ الشعراوی، شیخ النجار اور شیخ النمر جیسے مشائخ کی اسلام کے مختلف موضاعات پر تقریریں سنتی جن میں اس کے دل و دماغ میں ابھرنے والے پریشان کن سوالات کا شافی جواب ملتا۔ مزید برآں شیخ محمد رفعت اور قاعی عبدالباسط عبدالصمد کی دل آویز تلاوت قرآن سنتی جو اسے بہت اچھی لگتی اور وہ دل ہی دل میں سوچتی کہ یہ دل نشین کلام کسی بشر کا نہیں ہوسکتا۔ (جیسا کہ پادری صاحبان کا دعویٰ تھا کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے) بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ وحی الٰہی ہے۔

ایک روز جبکہ اس کا خاوند گرجا میں تھا، سناء نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے وہ مخفی خزانہ یعنی قرآن مجید نکالا جب اسے کھولا تو اس کی نظر اس آیت کریمہ پڑی:

''بے شک مثال عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہوجا تو وہ ہوگیا''۔ (آل عمران)

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور پیشانی عرق آلود تھی بلکہ اس کے سارے بدن پر کپکپی طاری تھی وہ خود حیران تھی کہ اس نے بارہا قرآن مجید ریڈیو، ٹیلی ویژن پر اور اپنی مسلمان سہیلیوں سے سنا تھا کہ لیکن ایسی حالت اس کی کبھی نہ ہوئی تھی جو آج قرآن کی یہ آیت پڑھنے سے ہوئی تھی وہ اور پڑھنا چاہتی تھی کہ اس کے خاوند کے بیرونی دروازہ کھولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جلدی سے قرآن چھپا دیا اور کچن میں چلی گئی جہاں وہ اس کے لئے خنزیر کے گوشت سے اس کی مرغوب ڈش تیار کر رہی تھی۔

اس واقعے کے اگلے دن جب وہ اپنے دفتر گئی تو کئی سوالات اس کے دل و دماغ میں ایک عجیب ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ اس آیت کریمہ نے اس قضیئے کا فیصلہ کر دیا تھا، آیا عیسیٰؑ ابن اللہ تھے جیسا کہ عیسائی پادریوں کا عقیدہ تھا یا اللہ کے نبی جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی صلب آدم سے تھے پھر وہ ابن اللہ کیسے ہوئے؟ اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے پاک ہے:

**لم یلد و لم یولد و لم یکن له کفواً احد**

اب سناء پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے رسول ہیں وہ دل میں کلمہ طیبہ پر ایمان لا چکی تھی۔ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لیکن اپنی دفتر میں بیٹھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کیا اس مرحلے پر وہ اپنے اسلام کا اعلان کر سکتی ہے؟ وہ انہی سوچوں میں مبتلا تھی کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کس طرح کرے؟ ابھی کرے کہ نہ کرے یا مزید انتظار کرے؟ حالات کے سازگار ہونے تک اسے ملتوی کرے؟ بظاہر وہ اپنے کام میں مشغول تھی لیکن اس کے دل و دماغ انہی سوچوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے کہ اس کا یہ اقدام یعنی اعلان اسلام کا عمل اس کے خاندان، گرجا اور اس کے خاندان کی طرف سے کئی قسم کے رد عمل پیدا کرے گا۔

کئی ہفتے وہ اس قسم کے خیالات کے ادھیڑ پن میں غلطاں و پیچاں رہی، عمل اور رد عمل کے خوف میں مبتلا رہی آخر وہ فیصلہ کن ساعت آ ہی گئی، وہ گھڑی آ گئی جب اس نے ضلالت و گمراہی کے کمر توڑ بوجھ سے آزادی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دفتر میں انہی خیالات و تفکرات میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس نے قریبی مسجد سے اذان کی آواز سنی جو مسلمانوں کو اپنے رب سے ملاقات اور نماز ظہر ادا کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس

اذان نے اس کے اندر ایک طوفان بپا کر دیا اسے ایسا لگا کہ وہ ضلالت و جہالت اور باطل کے گراں بوجھ تلے دبی ہوئی ہے، اور حق کو جان لینے کے بعد اور ایک عرصے سے اپنے رواں رواں کے اندر حق کی طلب موجود ہونے کے باوجود حق کے اظہار سے گریز کر کے گناہ عظیم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ جب مؤذن نے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے بعد اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو وہ دفعتاً اٹھ کھڑی ہوئی اور بلا جھجک بلند آواز سے گویا ہوئی

﴿اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ﴾

اس کے کمرے میں موجود اس کی مسلمان سہیلیاں جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں سناء کے منہ سے کلمۂ اسلام سن کر بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔ مبارک مبارک مرحبا کی آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ فرط مسرت سے ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ ہر ایک نے مبارک باد دیتے ہوئے اسے گلے لگایا اور وہ بھی خوب بھینچ بھینچ کر انہیں گلے ملی۔ اس کی آنکھیں بھی خوشی سے پرنم ہوگئیں اس نے ان سے کہا سب میرے لئے دعا کرو کہ اللہ کریم میری گزشتہ کوتاہیاں اور گناہ معاف کر دے اور مجھے اسلام پر استقامت بخشے۔

سناء کے قبول اسلام کی خبر آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح تمام دفتر میں پھیل گئی اور اس کی عیسائی رفیق کار لڑکیوں نے یہ خبر اس کے خاوند اور خاندان تک پہنچانے میں ذرا دیر نہ لگائی اور غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ قبل اس کے کہ وہ عدالت میں جا کر باضابطہ طور پر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دے اسے اس فعل سے روکیں۔ ادھر سناء نے بھی فوراً عدالت میں جا کر باضابطہ طور پر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا کہ کہیں اس کا خاوند اور خاندان والے اسے جبراً اعلان اسلام سے روک نہ دیں۔ یہ سب کچھ کر کے جب وہ گھر گئی تو اسے یہ معلوم کر کے ذرا بھی ملال نہ ہوا کہ اس کے خاوند نے اس کے ملبوسات اور زیورات اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسے اگر فکر تھی تو یہ کہ خاوند اس کے بچوں کی تربیت گرجا میں دی جانے والے عقیدۂ تثلیث کے مطابق نہ کرے اور انہیں بھی اپنی طرح جہنم کا ایندھن نہ بنائے۔

اللہ کریم نے اس کی یہ دعا قبول کر لی، مسلمانوں کی ایک انجمن نے اس کی

طرف سے عدالت میں یہ درخواست گزاری کی کہ بچے چونکہ کم سن ہیں، نابالغ ہیں، تو والدہ کا حق ہے کہ ان کی پرورش کرے لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ عدالت نے خاوند کو بلا کر پوچھا آیا وہ بھی اسلام قبول کر کے سناء کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنے آبائی دین پر قائم رہ کر سناء سے علیحدگی چاہتا ہے کیونکہ قرآن کی رو سے ایک مسلمان عورت غیر مسلم خاوند کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے خاوند نے قبول حق سے انکار کیا تو عدالت نے دونوں کے درمیان علیحدگی کرادی اور نابالغ بچوں کی پرورش کا بھی سناء کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ وہ فطری طور پر والدہ سے زیادہ مانوس ہونے کی وجہ سے والدہ کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔

سناء کی مشکلات و مصائب اور ابتلاء و آزمائش کا دور اب شروع ہونے والا تھا۔ اگر اس کا خاوند اور خاندان فیصلہ ہو چکنے کے بعد اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال لیتی لیکن انہوں نے ایک طرف تو اس سے قطع تعلق کر لیا اور دوسرے اسے اپنے آبائی مذہب پر لوٹانے کے لئے کئی حربے آزمائے اور بڑے جتن کئے نیز اس کے جن مسلمان خاندانوں سے تعلقات تھے انہیں دھمکیاں دینی شروع کر دیں کہ کسی طرح اس کی مدد نہ کریں لیکن انہیں شاید علم نہیں تھا کہ اس کی مددگار تو اللہ کریم کی ذات عالی ہے۔ سناء نے اپنے رب سے دعاء کی کہ اللہ کریم اسے ابتلاء و آزمائش کی ہر گھڑی میں ثابت قدم رکھے اور مخالفین کی تمام مذموم کوششوں کو جو وہ اسے آبائی دین پر لوٹانے کے لئے کر رہے تھے ناکام بنا دے۔ اللہ کریم نے اپنی مومنہ کی دعاء اس طرح قبول کر لی کہ ایک بیوہ خاتون جس کی اپنی چار بیٹیاں تھیں اور اس کا واحد کفیل اس کا جوان بیٹا تھا وہ سناء کے عزم و استقامت سے بہت متاثر ہوئی اس نے سناء کے سر پر دست شفقت رکھا اور اپنے بیٹے محمد کا نکاح سناء سے کرنے کی پیشکش کی جو سناء نے کچھ غور و خوض کے بعد قبول کر لی اور ہنسی خوشی اس کی چار بہنوں اور بیوہ ماں کے ساتھ پر مسرت زندگی گزار رہی ہے اور خدا سے ہر لحظہ اسلام پر استقامت کی دعاء کرتی ہے۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: ہدیٰ ڈاج **ملک کا نام**: امریکہ

# اسلام میرا انتخاب

''چرچ میں سوائے گانے بجانے کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا، میں اس ماحول سے جلد ہی بیزار ہوگئی کیونکہ یہ ماحول انسان کو خدا کی عبادت سے بہت دور لے جاتا تھا، میں نے اسلام کی تعلیمات کو نہایت موزوں اور باقاعدہ تناظر میں اور اپنے دل و دماغ کو متاثر کرنے والا پایا، یہ قطعی فطری بات تھی اس میں کوئی بات پریشان کن نہیں تھی۔کوئی تضاد نہیں تھا میں حق کی تلاش میں تھی بالآخر حق مجھے مل گیا''۔(نومسلمہ ہدیٰ ڈاج کے تاثرات)

میرا نام ہدیٰ ڈاج ہے، میں سان فرانسسکو کیلیفورنیا میں پیدا ہوئی اور بے ایریا کے نواحی علاقے میں پلی بڑھی۔میرے قصبے سان انسلھ کی زیادہ تر آبادی سفید فام افراد پر مشتمل تھی جو بالائی متوسط درجے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا مذہب عیسائیت تھا۔سان فرانسسکو کے شمال میں گولڈن گیٹ برج سے آگے یہ علاقہ بے حد خوبصورت اور پہاڑیوں پر مشتمل ہے جو بحرالکاہل تک پھیلتی چلی گئی ہیں۔میرے پڑوسی لڑکے اور لڑکیاں کلبوں میں فٹ بال کھیلا کرتے تھے، پہاڑوں میں گھڑسواری کرتے یا درختوں پر چڑھتے تھے، ہمارا ایک اور مشغلہ جھاڑیوں میں مینڈک پکڑنا تھا، میرے والد عیسائی کے ایک فرقہ پریزبیٹیرنیزم سے تعلق رکھتے تھے اور میری والدہ کیتھولک تھیں وہ ہمیں اکثر گرجا گھر لے جاتی تھیں، جب میں نویں گریڈ میں پہنچی تو گرجا کے منسٹر کی اہلیہ کے سنڈے اسکول کو چلانے میں مدد کرنے لگی۔ہائی اسکول میں میں نے چرچ یوتھ گروپ قائم کیا جس میں میرے چار دوستوں کے علاوہ ایک نوجوان میاں بیوی اور ان کے بچے بھی شامل تھے۔ہم بائبل کا مطالعہ کرتے، خدا کے بارے میں گفتگو کرتے

اور فلاحی وخیراتی مقاصد کے لئے چندہ کرتے۔

ہم سب دوست اکثر مل بیٹھتے اور روحانی معاملات پر گفتگو کرتے۔ ہم عیسائیت کے عقائد کے بارے میں اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات پر بحث کرتے، مثلاً ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دنیا میں آئے؟ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ آخر کیوں بہت سے اچھے لوگ عیسائی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھے دوزخ میں جائیں گے؟ بہت سے خراب لوگ جو مجرم ہیں صرف عیسائی ہونے کی وجہ سے جنت میں کیوں جائیں گے؟ آخر کیوں اپنی مخلوق سے پیار کرنے والے اور انتہائی رحم دل خدا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون کی ضرورت پیش آئی کہ لوگوں کے گناہ معاف ہوسکیں؟ آخر حضرت آدم علیہ السلام کے کئے ہوئے گناہ کی ذمہ داری ہم پر کیوں عائد ہوتی ہے؟ آخر کیوں خدا کی آیات بائبل اور سائنسی حقوق کے مابین تضاد ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟ آخر کیسے ایک خدا تین مختلف شخصیات میں تقسیم ہوگیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے عیسائیت کے عقائد کے ان تضادات اور سوالات پر بھرپور بحث و مباحثہ کیا، لیکن ہمیں ان سوالات کا کبھی اطمینان بخش جواب نہ مل سکا۔ چرچ کبھی ہمیں مطمئن نہ کرسکا، لیکن اس کا ہم سے مطالبہ تھا کہ ہم اختلافات کئے بغیر اس پر ایمان رکھیں۔

اس زمانے میں شمالی کیلیفورنیا میں ایک چرچ کا موسم گرما کا کیمپ ہوا۔ اس سے قبل ایسے ایک کیمپ میں اس وقت گئی تھی جب میں صرف دس سال کی تھی اس کے بعد ہر سال اس کیمپ میں شریک ہوتی رہی۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں بغیر کسی اشتباہ کے خالق کائنات کے ساتھ تعلق محسوس ہوتا تھا۔ ان کیمپوں میں شرکت سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں یقین اور ایمان پیدا ہوا۔ ان کیمپوں میں ہم اپنا خاصا وقت کھیل کود اور تفریحات میں گزارتے تھے، لیکن ہر روز ہمیں عبادات، بائبل کے مطالعے اور روحانی مذہبی نغموں میں شرکت کرنی ہوتی تھی۔ سب سے اہم سرگرمی ''تخلیہ'' تھا جس میں ہر فرد کو بالکل تن تنہا کہیں بیٹھنا ہوتا تھا۔ میں ایک مرغزار میں یا ایک گھاٹی کے سامنے ایک پل پر بیٹھتی اور مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے دنیا کے خالق اور بنانے والی ذات پر غور وخوض کرتی۔ یہ عمل مجھے بے حد سکون بخشتا۔ میں اللہ تعالیٰ کی صناعی اور تخلیق کو دیکھ دیکھ کر اس

کا شکر ادا کرتی۔

کیمپ کے اختتام پر جب میں اپنے گھر لوٹتی تو یہ تمام احساسات اور جذبات میرے ساتھ ہمیشہ رہتے۔ میں گھر سے باہر تنہا وقت گزارنے کو ترجیح دیتی جہاں مجھے خدا کے بارے میں اپنی زندگی اور خدا کی کائنات میں، خود اپنے مقام کے بارے میں سوچنے کا موقع ملتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بطور مبلغ اور معلم جو کردار ادا کیا مجھے اس سے انتہائی عقیدت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ پیغمبر سے یہ محبت اور تعلق چرچ کے عقائد کی متضاد باتوں پر غالب آ گیا۔

جب میری عمر ۱۴ سال کی ہوئی تو میں نے ایک آئس کریم اسٹور میں ملازمت کرلی۔ جب مجھے اپنی پہلی تنخواہ ملی تو میں نے امریکہ سے باہر بچوں کی دیکھ بھال اور امدادی مہم کے ایک پروگرام کو ۲۵ ڈالر بھیجے۔ ہائی اسکول میں چار سال تک زیر تعلیم رہنے کے دوران میں ایک مصری لڑکے شریف کی مالی امداد کرتی رہی۔

میں ہر ماہ اسے اپنی تنخواہ کا چیک بھیج دیتی وہ جواب میں مجھے خط لکھا کرتا تھا۔ اس کے خطوط ہمیشہ عربی زبان میں ہوتے تھے اور وہ مجھے ایک بڑی عمر کا آدمی تصور کرتا تھا۔ اس کے علم میں نہیں تھا کہ میں اس سے صرف ۵ سال بڑی ایک لڑکی ہوں۔ اس کی عمر صرف ۹ سال تھی، اس کا باپ مر چکا تھا، اس کی والدہ بیمار تھی اور کام کرنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کے دو چھوٹے بھائی اور ایک بہن میری ہم عمر تھی۔ یہ پہلے مسلمان تھے جن سے میرا اپنی زندگی میں واسطہ پڑا۔

جب میں نے لوئس اینڈ کلارک کالج میں فرانسیسی اور اسپینی زبانوں میں میجر ڈگری حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا تو اس وقت میری خواہش آئندہ زندگی میں غیر ملکیوں کو انگریزی زبان سکھانے یا مہاجرین کی فلاح و بہبود کے لئے خدمات انجام دینے کی تھی۔ یہاں بھی مقامی چرچ کی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہتی تھی، لیکن یہاں کے چرچ میں سوائے گانے بجانے کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس ماحول سے جلد ہی بیزار ہوگئی، کیونکہ یہ ماحول انسان کو خدا کی عبادت سے دور لے جاتا تھا۔ یہاں بھی میں نے تنہا وقت گزارنا شروع کردیا۔ میں گھنٹوں تنہا بیٹھ کر کائنات پر اور کائنات کے خالق پر غور کرتی رہتی جس سے مجھے بے حد سکون ملتا۔ اس دوران میری ملاقات متعدد غیر ملکی طلبہ

سے ہوئی ۔میرے گروپ میں ایک جاپانی مرد اور ایک عورت، ایک اطالوی مرد ایک فلسطینی مرد شامل تھے۔ ہم اکثر اپنی خاندانی زندگیوں کے بارے میں گفتگو کرتے۔ فلسطینی مرد کا نام فارس تھا۔ اس نے اپنے مذہب، عقائد، اپنی زندگی اور اپنے خاندان کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ یہ ملاقات میرے اعصاب کے لئے ایک جھٹکا ثابت ہوئی، اس سے قبل میں فاطمہ اور سیون دو مسلمان خواتین سے مل چکی تھی۔ مجھے ان کے عقائد اور طرز زندگی غیر ملکی محسوس ہوئے تھے۔ ان کا کلچر میرے اپنے کلچر سے متضاد اور مختلف تھا، میں نے ان ثقافتی فاصلوں کی بناء پر ان کے مذہب کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی، لیکن فارس سے ملاقات میں اسلام کے بارے میں مجھے جتنی معلومات حاصل ہوئیں، میری اسلام میں دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔ اس دوران میں نے مذہبی مطالعے کے ایک شعبہ میں داخلے کے لئے خود کو رجسٹرڈ کرالیا۔ میری پہلی کلاس اسلام کے تعارف پر تھی۔ کلاس میں وہ تمام سوالات زیر بحث آئے جو عیسائیت کے بارے میں پہلے بھی ابھر چکے تھے۔ اس دوران اسلام کے بارے میں مجھے سیکھنے کا موقع ملا اور میرے تمام سوالوں کے جوابات اسلام میں مل گئے۔ یعنی ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے کسی گناہ کی سزا ہمیں دی گئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور مغفرت کی دعا کی جو مہربان اور نہایت رحم کرنے والے اللہ رب العزت نے قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے گناہوں کی معافی کے لئے خون کی کسی قربانی کی ضرورت نہیں۔ ہم اخلاص نیت کے ساتھ اپنے برے اعمال سے توبہ کر کے اور اپنے عمل کو درست کر کے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے جو دوسرے نبیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر دنیا میں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، ہمیں صرف اس کی بندگی اور عبادت کرنی چاہیئے اور اسی کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ میں نے اسلام کی تعلیمات کو نہایت موزوں اور باقاعدہ تناظر میں اور اپنے دل و دماغ کو متاثر کرنے والا پایا۔ یہ قطعی فطری بات تھی۔ اس میں کوئی بات پریشان کن نہیں تھی، کوئی تضاد نہیں تھا، میں حق کی تلاش میں تھی اور بالآخر حق مجھے مل گیا۔

اس موسم گرما میں، میں اپنے گھر واپس لوٹ آئی لیکن اسلام کا مطالعہ جاری رہا۔ میرے تمام پرانے دوست میری طرح حق کی تلاش میں تھے ان میں بعض دوسرے، مشرقی مذاہب خاص طور پر بدھ ازم کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں کسی حد تک ایک مکمل عقیدے کی دریافت میں کامیاب ہو چکی ہوں۔ اب انہوں نے مختلف سوالات کئے مثلاً میں جو ایک آزاد لبرل سفید فام کیلیفورنین عورت ہوں تو اسلام میں میرا مقام کیا ہو گا؟ میں نے اپنا مطالعہ اور عبادات جاری رکھیں، میں نے اسلامی مرکز کی تلاش جاری رکھی، لیکن قریب ترین اسلامی مرکز سان فرانسسکو میں تھا جہاں میرے لئے جانا آسان نہیں تھا۔

گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد میں واپس لوئس اینڈ کلارک کالج چلی گئی۔ وہاں سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ جنوب مغربی پورٹ لینڈ میں ایک مسجد تلاش کی۔ میں نے مسجد کے لوگوں سے کہا کہ وہ میری ملاقات کسی ایسی امریکی مسلمان عورت سے کرا دیں جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ انہوں نے مجھے بہت سی مسلمان خواتین کے پتے اور فون نمبر دے دیئے۔ میں ایک مسلمان خاتون سے ملنے اس کے گھر گئی کچھ دیر گفتگو کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ میں پہلے ہی اسلام پر یقین رکھتی ہوں، میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک اچھی مسلمان بننے کے لئے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس نے مجھے ایک عقیقے کی تقریب میں مدعو کر لیا، اس رات وہ اس تقریب میں مجھے اپنے ساتھ لے گئی، وہاں میری دوسری مسلمان عورتوں سے ملاقات ہوئی اور میں نے خود کو ان کے درمیان بے حد خوش اور مطمئن محسوس کیا۔ وہیں میں نے ان خواتین کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ ان میں بہت سی خواتین امریکی تھیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں۔ انہوں نے مجھے نماز پڑھنا سکھایا، اس رات مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں ایک بالکل نئی اور مختلف زندگی کا آغاز کر رہی ہوں۔

میں کیمپس ہی میں رہ رہی تھی اور مسلمانوں کی برادری سے کٹی ہوئی تھی۔ مسجد تک جانے کے لئے مجھے دو بسیں بدلنا پڑتی تھیں، جس میں بہت زیادہ وقت صرف ہو جاتا تھا، میں کئی مرتبہ مسجد گئی، لیکن ہر مرتبہ میری ملاقات مسجد میں صرف مردوں سے ہوئی [illegible] میں پریشان ہو گئی، بعد میں مجھے بتایا گیا کہ عورتیں یہاں صرف [illegible]

شام کو آتی ہیں۔ اس سے مجھے سخت مایوسی ہوئی، تاہم میں اپنے ایمان پر قائم رہی اور تنہا رہ کر علم حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ میرے اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ کے بعد رمضان کا مہینہ آیا میں اس وقت تک چہرے پر اسکارف باندھ لیا کرتی تھی اور پورا حجاب نہیں کرتی تھی۔ یوں بھی میرے لئے اس ماحول میں پورے حجاب سے رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں نے اسلامی احکامات کے مطابق پورے جسم کو پوشیدہ رکھنے والا لباس پہننا شروع کر دیا تھا اور اسکرٹ میرے لباس سے خارج ہو گیا تھا، تاہم میری زندگی میں اصل انقلاب رمضان المبارک نے پیدا کیا، روزے نے میرے اندر ایمان اور یقین کی ایسی طاقت پیدا کر دی کہ میں پہلی مرتبہ پورے حجاب میں اپنی کلاس میں گئی۔ رمضان المبارک نے مجھے مسلمان ہونے پر فخر کرنا سکھا دیا۔ اب میں ہر ایک کے سوالات کا جواب دینے کے لئے تیار تھی، میں اپنا روزہ تنہا کھولا کرتی تھی، کیونکہ وہاں کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔

میرے والدین اور بھائی بہنوں کو میرے اسلام قبول کرنے پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ میری پوری جدوجہد سے واقف تھے انہوں نے کوئی اعتراض کئے بغیر خاموشی سے میرے فیصلے کو قبول کر لیا، تاہم وہ میرے ایمان میں شریک ہونے پر تیار نہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ میں معاشرے سے اور ترقی یافتہ دنیا سے کٹ کر رہ جاؤں گی، لیکن میں نے آنے والے زمانے میں ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ میں نے فلسطینی مسلمان فارس کے ساتھ شادی کر لی۔

شادی کے بعد میں اور فارس کارولیس، اوریگن منتقل ہو گئے جہاں مسلمان بہت بڑی تعداد میں رہتے ہیں، میں نے گریجویشن کر لیا ہے، میں نے پوری طرح حجاب میں رہتے ہوئے متعدد ملازمتیں نہایت کامیابی کے ساتھ کی ہیں۔ میرے شوہر فارس نے الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کر لی ہے۔ میں اس موسم گرما میں فارس کے والدین سے پہلی مرتبہ ملی۔ اب میں عربی زبان سیکھ رہی ہوں، میرے خاندان والوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ تاہم وہ مطمئن ہیں کہ میں نہ صرف خوش اور مطمئن ہوں بلکہ ایک جدید مغربی عورت کی طرح تمام معاشرتی اور اقتصادی ذمہ داریاں بھی

کامیابی سے انجام دے رہی ہوں، میں اللہ رب العزت کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میری رہنمائی کی اور حق اور سلامتی کی تلاش میں مجھے کامیابی عطا کی۔ مجھے اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری زندگی جو بے ترتیب ٹکڑوں میں تقسیم تھی، ایک منظم اسلوب اختیار کر چکی ہے اور یہی اسلوب اسلام کا سلامتی کا راستہ ہے۔

**سابقہ نام** : ڈیبی راجرس
**سابقہ مذہب** : عیسائیت
**اسلامی نام**: عائشہ بھٹہ
**ملک کا نام** : انگلینڈ

# گرجا گھروں میں دعا میں سکون نہ ملنا میرا قبول اسلام کا ذریعہ بنا

عائشہ بھٹہ جس کا قبول اسلام سے قبل نام ڈیبی راجرس تھا۔ ایک متین اور سنجیدہ خاتون ہے۔ جس وقت ہم اس کا انٹرویو لے رہے ہیں وہ گلاسکو شہر کی قریبی بستی کوکیڈنز کے ایک چھوٹے سے متوسط طبقے کے ایک فلیٹ کے ایک کمرے میں صوفے پر نشست فرما ہے۔ سامنے دیوار پر آیات قرآنی آویزاں ہیں، ایک خاص قسم کا کلاک بھی ایک جگہ رکھا ہے جو پوری فیملی کو اوقات نماز کی یاددہانی کراتا رہتا ہے۔ کئی جگہ پر کعبہ شریف کے پوسٹر نمایاں نظر آتے ہیں۔ عائشہ کی نیلگوں آنکھوں میں بلا کی نورانی چمک ہے وہ جب مسکراتی ہے تو اس کی مسکراہٹ پر ایمان کی روشنی پھوٹ پڑتی ہے، اس کے چہرے میں روایتی اسکاٹ لینڈ کی لڑکیوں کا حسن نمایاں ہے جسے حجاب نے ایک باحیا خاتون کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

ایک نیک عیسائی لڑکی کا اسلام قبول کرنا اور پھر ایک مسلمان سے رشتہ مناکحت میں منسلک ہونا ہی اپنے طور پر ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ لیکن اس سے کہیں بڑھ کر اس کا اپنے والدین اور خاندان سے بڑھ کر اپنی سہیلیوں اور تیں کے قریب پڑوس کے افراد کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا غیر معمولی نظر آتا ہے۔

اس کا سارا خاندان پختہ عیسائی عقائد کا مالک تھا جو باقاعدگی سے مکتی فوج کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ جب برطانیہ میں نوعمر لڑکے لڑکیاں اپنی عقیدت مندی کے جذبہ سے جارج مائیکل کے پوسٹروں کو بوسہ دیتے نظر آتے تھے، ان کے اپنے گھر میں دیواروں پر یسوع مسیح کی تصاویر آویزاں تھیں۔ لیکن اس تمام تر عیسائی ماحول کے

باوجود اپنی نوعمری میں وہ عیسائیت کے حوالے سے اپنے دل میں ایک خلا محسوس کرتی تھی۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھرتے تھے اور کہیں سے اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملتا تھا۔

''میں محسوس کرتی تھی کہ محض گرجا میں گڑگڑا کر دعائیں مانگنے سے سکون قلب حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس سے بڑھ کر کسی چیز کی ضرورت ہے''۔

اسی کیفیت میں اسے مستقبل میں ہونے والا خاوند محمد بھٹہ نظر آیا جب اس کی عمر صرف دس سال تھی اور وہ ان کے اسٹور کا مستقل گاہک تھا۔ وہ دیکھتی تھی کہ یہ نوجوان اپنی نماز ادا کر کے آتا ہے اور اس کے چہرے پر نور اور سکون برستا ہے۔ اس نوجوان نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔

''مسلمان کیا ہوتا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ بعد ازاں اس نوجوان کی مدد سے اس نے اسلام کو پوری گہرائی کے ساتھ نہ صرف سمجھنا شروع کیا بلکہ ۱۷ سال کی عمر کے پہنچنے تک عربی میں تمام قرآن پاک کی تلاوت کا ملکہ حاصل کر لیا۔ اس کا کہنا تھا۔

جو کچھ میں پڑھ رہی تھی، دل پوری شرح صدر سے اسے سمجھ رہا تھا''۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ''میں نے جب یہ فیصلہ کیا تو میں نے محسوس کیا کہ ایک عرصہ سے میں ایک بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہوں، اس فیصلہ سے وہ گراں بوجھ پھینک کر بالکل ہلکی پھلکی سی ہو گئی ہوں اور اب میری وہ کیفیت تھی جو ایک نوزائیدہ بچے کی ہوتی ہے''۔

اس کے قبول اسلام کے بعد محمد بھٹہ کے والدین شادی کے خلاف تھے۔ وہ اسے ابھی ایک مغربی لڑکی سے زیادہ درجہ دینے پر تیار نہ تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس شادی سے جو پہلا بچہ ہوگا وہ گمراہ ہوگا اور ان کے لئے باعث بدنامی بنے گا۔ بھٹہ کا والد ابھی تک نومسلمہ کو ''سب سے بڑی دشمن'' کہنے میں ذرا باک نہ کرتا تھا۔

اپنے والد کی ناراضگی کے باوجود یہ دونوں ایک مقامی مسجد میں نکاح اور ایجاب وقبول کے نتیجہ میں ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ رسم نکاح میں نومسلمہ عائشہ نے ہاتھ کی کڑھائی کا عروسی جوڑا زیب تن کیا، جو اس کی ساس اور نندوں نے اس کے لئے تیار کیا تھا، بھٹہ کا والد اس شادی کے خلاف اڑا رہا اور رسم نکاح میں شمولیت نہ کی،

لیکن ساس اور نندیں اس کے باوجود شریک ہوئیں۔

دراصل اس ازدواجی رشتہ کے لئے محمد بھٹہ کی دادی اماں نے اصل کردار ادا کیا اور اسی نے اس کی والدہ اور بہنوں کو رضامند کرنے کے لئے راہ ہموار کی۔ وہ خود پاکستان سے برطانیہ آئی، حالانکہ خود پاکستان میں اس قسم کی شادیوں کی کوئی گنجائش نہیں، مگر اس نے اس میں کوئی عیب نہ پایا۔ برطانیہ آکر سب سے پہلے وہ خود عائشہ سے ملی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عائشہ نہ صرف روانی سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہے بلکہ اس کے ساتھ پنجابی میں گفتگو کر رہی ہے تو کیا وجہ تھی کہ اس کا اثر نہ لیتی۔

دادی اماں کی آمد کو خیر و برکت کا باعث کہا جائے گا شادی تو ہونی تھی لیکن خاندان کی نیک خواہشات اور دعاؤں سے بڑھ کر کوئی دیگر رسوم نہیں ہوئیں۔ عائشہ کے والدین مائیکل اور مارجوری راجرس بھی اپنی بیٹی کی شادی میں پوری خوش دلی سے شریک ہوئے لیکن جس چیز سے وہ دونوں خاص طور پر متاثر ہوئے وہ ہاتھ سے کڑھا ہوا قمیض شلوار کا عروسی جوڑا تھا۔

چھ سال عائشہ اور محمد بھٹہ کی ازدواجی زندگی کے نہایت خوشگوار گزر گئے اور دونوں کے خاندان بھی شیر و شکر کی طرح ایک دوسرے سے مربوط رہے۔ چھ سال بعد عائشہ کے دل میں ایک تحریک ہوئی اور بعد ازاں زندگی کا مشن بن گیا کہ اپنے والدین، اپنی بہن اور اپنے خاندان کو دائرہ اسلام میں داخل کرا کے انہیں جہنم کی آگ سے بچاؤں۔ ''میں اپنی بہن پر کام کئے جا رہی ہوں جبکہ میں نے اور میرے شوہر نے میری امی اور ابا میں آہستہ آہستہ کچھ تبدیلی محسوس کی۔ اسلام کے بارے میں وہ ہم سے جو سوالات پوچھتے تھے ہم بڑی شائستگی سے ان کا جواب دیتے تھے''۔

والدہ کے بارے میں کوئی خاص مشکل پیش نہ آئی اور انہوں نے جلد ہی اسلام قبول کر لیا مارجوری راجرس کے بجائے انہوں نے اپنا نام سمیہ رکھ لیا ور شعائر اسلام کی اس شدت سے پابند ہوگئیں کہ سر پر دوپٹہ اوڑھنے کے ساتھ بروقت نمازوں کی پابندی اپنا شعار بنا لیا اور تعلق باللہ کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنا زندگی کا مقصد بن گیا۔ اب کچھ عرصہ قبل وہ کینسر کے موذی مرض کا شکار ہو کر پکی مومنہ کے طور پر دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔ لیکن اپنے شوہر اور میرے والد کو مسلمان بنا کر خوش خوش رخصت

ہوئیں، میں اور میری امی دونوں بڑی دلجمعی سے ان کو دعوت دین دیتے رہتے۔ بالخصوص جب ہم کچن میں صوفہ پر بیٹھے ہوتے تو اسلام ہی ہمارا موضوع ہوتا بالآخر مشیت ایزدی جوش میں آئی اور میرے والد پکار اٹھے:

''اگر کوئی شخص مسلمان ہونا چاہے تو وہ کیا الفاظ ادا کرے گا۔''

یہ الفاظ سن کر میں اور میری امی خوشی سے اچھل پڑے اور چند لمحوں بعد کلمہ شہادت کی ادائیگی کے ساتھ وہ اب مسلمان ہو چکے تھے۔ تین سال بعد عائشہ کے بھائی نے ٹیلی فون پر اپنی بہن کو یہ خوشخبری سنائی۔

''بہن! میں مسلمان ہو گیا ہوں''۔ بعد ازاں اس کی بیوی بچے بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ ''اس پر میرا کام ختم نہیں ہو گیا تھا، اب میری توجہ کا مرکز کوکیڈز بستی کے فلیٹ ہو گئے تھے''۔

گزشتہ ۱۴ سال سے ہر سوموار کو عائشہ نے بستی کی خواتین میں درس اسلام کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں اب تک تیس خواتین مسلمان ہو چکی ہیں۔

خواتین زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف مسائل سے دوچار اس کے درس میں شامل ہوتی ہیں۔ ایک خاتون ٹروڈی (Trudy) کا معاملہ بالکل عجیب ہے۔ یہ خاتون گلاسگو یونیورسٹی میں لیکچرار تھی اور کیتھولک مذہب کی حامل تھی اس نے محض ریسرچ کی خاطر عائشہ کی کلاسز میں آنا شروع کیا، لیکن چھ ماہ کا عرصہ کلاسیں اٹینڈ کی تھیں کہ مسلمان ہو گئی یہ کہتے ہوئے کہ ''عیسائیت منطقی تضادات کا مجموعہ ہے جنہیں پہیلیوں کا نام دیا جا سکتا ہے''۔

ٹروڈی نے البتہ حجاب کا استعمال نہیں اپنایا ہے یہ کہتے ہوئے کہ ''یہ مردوں کی اپنی قرآنی تشریح ہے'' ابھی اس کا خاندان اس کے قبول اسلام کے بارے میں لاعلم ہے۔ درس کے اس سلسلہ میں ایسی مسلمان لڑکیاں جو مغربی زندگی سے مرعوب ہونے کے ساتھ روحانیت کی متلاشی ہوتی ہیں شامل ہوتی ہیں۔ بعض ایسی مسلمان خواتین بھی اس سلسلہ درس میں شامل ہوتی ہیں جو دین کی پابند ہیں لیکن مقامی مسجد میں جس پر مردوں کا تسلط ہے اپنے مسائل کے بارے میں ان سے گفتگو کرنا محال ہے۔ یہ سلسلہ ان خواتین کے لئے بڑا جاذب ہے۔

عائشہ کے شوہر محمد بھٹہ جس کی عمر ۴۱ سال ہے، اسکاٹش نوجوانوں میں اس انداز سے دعوت اسلام کا کام نہیں کر سکتے۔ وہ فیملی ریسٹورنٹ میں کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ان کا زیادہ زور اس پر ہے کہ وہ اپنے پانچ بچوں کی تربیت خالص اسلامی طور طریقوں کے مطابق کر پائیں۔ بڑی بیٹی صفیہ، الحمدللہ چودہ سال کی ہے، خرابی کی جگہوں سے دور دور ہے۔

ایک دن وہ گلی میں ایک خاتون سے ملی جو اپنا شاپر لئے جا رہی تھی صفیہ نے اس کا شاپر اس سے لے کر اس کی مدد کی جس کا اس خاتون نے اثر لیا، ایک روز صفیہ کی دعوت پر وہ عائشہ کے درس میں شامل ہوئی اور اب وہ ایک مسلمان ہے۔

عائشہ کا اپنے قبول اسلام کے بارے میں کہنا ہے کہ:

''میں صدق دل سے یہ کہتی ہوں کہ قبول اسلام سے مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوا ہے''۔

ازدواجی زندگی کے بارے میں عائشہ کا کہنا ہے کہ:

''ازدواجی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں اور بعض اوقات بعض مسائل آزمائش کا باعث بن جاتے ہیں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر آزمائش کے بعد ایک آسانی ہے۔ اس فرمان کی روشنی میں جب آپ کسی آزمائش سے گزر رہے ہوں تو آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کسی آسانی کے لئے کام کر رہے ہیں''۔

بلاشبہ محمد بھٹہ ایک رومانوی شخصیت ہے، عائشہ کے بارے میں اس کا کہنا ہے:

''یوں لگتا ہے کہ گویا ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ہم انشاء اللہ کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہونے والے ہیں۔ ہم صرف اس دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے کے شریک حیات نہیں بلکہ جنت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ابدی زندگی گزاریں گے۔ کتنی خوبصورت زندگی ہوگی وہ بھی''۔

**سابقہ نام**: محترمہ خولہ لگا تا **سابقہ مذہب**: عیسائیت **ملک کا نام**: جاپان

# تلاش حق کا سفر

۱۹۹۱ء کے اوائل میں جب میں نے فرانس میں اسلام قبول کیا تو اسکول میں حجاب کا استعمال گرما گرم بحث کا موضوع بنا ہوا تھا۔ فرانسیسی معاشی مسائل سے دوچار تھے، جس کے نتیجے میں بے روزگاری عام ہوئی۔ بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب مسلم ممالک سے آنے والے تارکین وطن کو سمجھا گیا۔ اپنے شہروں اور اسکولوں میں حجاب کو دیکھ کر ان کے اندر زبردست منفی رجحانات پیدا ہوئے۔ عوام کی اکثریت کا خیال تھا کہ پبلک ایجوکیشن سسٹم میں حجاب استعمال کرنے کی اجازت دینا سیکولرازم کے خلاف ہے۔ میں اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھی، اس لئے یہ نہ سمجھ سکی کہ اگر کوئی طالبہ اپنے سر پر صرف کپڑا ڈال لیتی ہے، تو اسکولز اس کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟ میں یہ بھی نہ سمجھ سکی کہ مسلمانوں کے نزدیک حجاب استعمال کرنے کی اہمیت کیا ہے؟ لیکن میرا خیال تھا کہ عقائد اور مذہبی معاملات کی ادائیگی کے سلسلے میں اسکولوں کو غیر جانبدار رہنا چاہیئے۔ اور انہیں ان معاملات میں اس وقت تک دخل نہیں دینا چاہیئے جب تک اس سے اسکول کا ڈسپلن خراب نہ ہو۔ (حجاب استعمال کرنے کی وجہ سے کچھ مسلم لڑکیوں کا فرانسیسی اسکولوں سے اخراج بھی ہو گیا تھا)

فرانسیسیوں کو دوسرے اہل مغرب کی طرح یہ توقع تھی کہ تاریخ میں حجاب کا نام مغربیت اور سیکولرازم کے غلبے کے زیر اثر ختم ہو جائے گا۔ لیکن عالم اسلام میں خاص طور سے نوجوان نسل کے اندر مختلف ممالک میں پردے کی طرف مراجعت کی ایک زبردست لہر پھیل رہی ہے۔ یہ موجودہ بیداری یا اسلامی احیاء کا اظہار ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی عظمت اور تشخص کو خود آبادیاتی نظام اور معاشی استحصال کے ذریعے متعدد بار برباد کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہ عمل ان کی عظمت رفتہ کے دوبارہ حصول کی ایک علامت بن گیا ہے۔

میرا تعلق جاپان سے ہے۔ تاریخی اعتبار سے مغربی ثقافت کا تجربہ ہم نے پہلی بار مسیحی دور میں ۱۸۶۰ء کے عشرے میں کیا۔ جب جاپان دوسرے ممالک کے لئے بند کردیا گیا تھا اس دور میں جاپانیوں کے اندر مغربی طرز زندگی اور لباس کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ اسی طرح ہم لوگوں کو عربوں نیز دوسرے مسلمانوں کی حمایت کا سبب قدیم روایت پسندی یا مغربیت کی مخالفت میں تلاش کیا جاسکتا ہے،، جس کا خود جاپانیوں کو تجربہ ہے۔ انسان کے اندر قدامت پسندی کا میلان جھلکتا ہے، للہذو وہ غیر شعوری طور پر نئے اور غیر مانوس طرز حیات کو قبول کرنے کے بجائے شدید ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کبھی یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔

ایسا ہی ان غیر مسلموں کا معاملہ ہے جو حجاب کو ظلم کی ایک علامت سمجھتے ہیں، ان کا اعتقاد ہے کہ مسلم عورتوں کو رسم ورواج کا پابند بنادیا گیا ہے اور وہ اپنی قابل افسوس حالت سے ناواقف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلم عورت کی نجات تحریک آزادی نسواں یا کسی ایسی اقتصادی ومعاشرتی اصلاح کے ذریعے سے ہوگی جو اس کو آزادی دے، اس کے ذہن کو بیدار کرے اور اسے رسم ورواج نیز حجاب کی پابندیوں سے آزاد کرے۔

اس طرز فکر کو عام طور سے ان سب لوگوں نے اپنایا ہے جنہیں اسلام کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ سیکولرازم کے حامی غیر مسلم عام طور پر یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی شخص ان کی زندگی کے رخ کو بدل کر اس مذہب کے مطابق کیوں کرنا چاہتا ہے جو صدیوں پہلے رائج ہوا تھا۔ وہ اسلام کی قوت اور اپیل کو نہیں سمجھتے ہیں جو عالمگیر اور لازوال ہے۔ وہ اس حقیقت سے پریشان ہیں کہ دنیا کی مختلف قومیتوں میں ان عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہیں اور اپنے آپ کو مستور کر رہی ہیں اس ''انوکھی شے'' سے انہیں پریشانی لاحق ہے۔ یہ انوکھی شے جو صرف عورت کے سر کے بالوں ہی کو پوشیدہ نہیں رکھتی بلکہ اس مخصوص روح نسوانیت کو بھی پوشیدہ رکھتی ہے جس تک ان کی نظروں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ کوئی غیر مسلم باہر سے مؤثر طور پر یہ نہیں دیکھ سکتا کہ حجاب کے اندر کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق بہت سی کتابوں کا انداز بھی سرسری اور خارجی جائزے کا ہے۔ ان کے مصنفین کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں یہ بات نہیں آسکتی جو ایک عورت کی نگاہ، حجاب کے اندر سے بھانپتی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں

مسلمان ہونے کے بعد ہی میرے تصورات اس سلسلے میں واضح ہوئے۔

ان ایام میں جب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں اسلام قبول کروں یا نہ کروں، میں نے اپنے اندر سنجیدگی کے ساتھ روزانہ پانچ مطلوبہ عبادات ادا کرنے کے صلاحیت اور رجحان کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور نہ ہی حجاب پہننے کے بارے میں سوچا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس بات سے خائف تھی کہ میرے مسلمان ہونے کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کے لئے میرے اندر منفی رجحان پیدا ہوجائے۔ پیرس کی مسجد میں پہلی بار جانے سے قبل میں ایک ایسی دنیا میں رہتی تھی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نماز اور حجاب سے یکسر ناواقف تھی میں بہ مشکل یہ تصور کرسکتی تھی کہ کیا کبھی میں ان فرائض کو ادا کرسکتی ہوں یا ان طریقوں کو اپنا سکتی ہوں۔ پھر بھی میرے اندر کوئی چیز رونما ہوچکی تھی اور اسلامی برادری میں داخل ہونے کی میری خواہش اتنی شدید تھی کہ میں اس بات سے قطعاً پریشان نہ تھی جس سے مذہب تبدیل کرنے کے بعد میرا سامنا ہوتا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے اسلام کے لئے ہدایت نصیب ہوئی تھی۔

اگرچہ میں حجاب کی عادی نہ تھی لیکن اپنے مذہب کو تبدیل کرنے کے بعد میں فوراً ہی اس کا فائدہ محسوس کرنے لگی۔ مسجد میں اتوار کے اسلامی لیکچر میں پہلی مرتبہ شامل ہونے کے چند دن بعد اگلے اتوار کو سر پر پہننے کے لئے میں نے اسکارف خریدا۔ مجھ سے کسی نے اسکارف پہننے کو نہیں کہا تھا۔ میں مسجد اور وہاں کی دوسری مسلم بہنوں کے احترام میں ایسا کرنا چاہتی تھی۔ میں اتوار کی آمد کے لئے بے قرار تھی، کیونکہ گزشتہ لیکچر نے مجھے ایک ایسے روحانی جذبے سے سرشار کیا تھا جس کا اس سے قبل مجھے کوئی تجربہ نہ تھا۔ میرے دل میں روحانیت کے لئے اتنی جگہ تھی کہ میں نے پہلی ہی دفعہ لیکچر کے ہر لفظ کو اس طرح جذب کرلیا جیسے خشک اسفنج پانی کو جذب کرتا ہے۔ دوسرے اتوار کو لیکچر روم میں جانے سے قبل میں نے وضو کیا اسکارف پہنا۔ لیکچر کے بعد میں پہلی بار نماز والے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے دوسری بہنوں کے ساتھ نہایت خاموشی سے نماز ادا کی۔ مسجد میں گزارے ہوئے چند گھنٹوں نے مجھے اتنا مسرور اور مطمئن کردیا تھا کہ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی اس مسرت کو اپنے دل میں محفوظ کرنے کے لئے میں اسکارف پہنے رہی۔ چونکہ وہ سردیوں کا موسم تھا، اس لئے لوگوں کو میرا اسکارف پہننا اپنی طرف متوجہ نہ

کر سکا۔ عوام میں یہ میرا حجاب پہننے کا پہلا مظاہرہ تھا اور مجھے اپنے اندر ایک فرق کا احساس ہوا۔ میں نے اپنے آپ کو پاکیزہ اور محفوظ سمجھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگئی ہوں۔ دوسرے ممالک میں ایک جاپانی عورت ہونے کی وجہ سے لوگ مجھے پبلک مقامات پر گھور کر دیکھتے تھے تو میں مضطرب ہو جاتی تھی۔ اب میں اپنے آپ کو حجاب کی وجہ سے محفوظ سمجھتی تھی اور اپنے آپ کو غیر شائستہ نگاہوں کا مرکز نہیں سمجھتی تھی۔

اس کے بعد میں جب بھی باہر گئی تو حجاب میں گئی۔ یہ ایک ایسا بے ساختہ اور رضا کارانہ عمل تھا جس کو کسی نے مجھ پر جبراً نہیں لادا تھا۔ اسلام سے متعلق پہلی کتاب جس کا میں نے مطالعہ کیا اس میں ''حجاب'' کو معتدل انداز میں واضح کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ اس کی پرزور نصیحت کرتا ہے'' اگر کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا ہوتا کہ ''جیسے ہی تم اسلام قبول کرلو تو تم حجاب ضرور استعمال کرو'' تو میں اس حکم کے خلاف ضرور بغاوت کر دینا چاہتی۔ اسلام کا مطلب ہے اللہ کی مرضی کے لئے سپردگی اور اس کے احکام کی اطاعت کے لئے سر تسلیم خم کرنا۔ مجھ جیسی خاتون کے لئے جس نے برسوں بغیر کسی مذہب کے زندگی گزاری تھی۔ کسی حکم کی بلاشرط تعمیل کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات بغیر کسی غلطی کے ہیں اور صحیح اسلامی طریقہ انہیں بلا چوں چرا تسلیم کرنا اور نافذ کرنا ہے۔ یہ صرف انسانی فہم و ادراک ہے جس سے غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے میں بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اپنی قوت استدلال پر اعتماد کرتی تھی اور کسی حاکم اعلیٰ کے باوجود یا ضابطہ اخلاق کی ضرورت سے متعلق مسلسل سوالات کرتی تھی۔ بہرکیف میری زندگی کے اس موڑ پر میری خواہشات بے ساختہ طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگئیں۔ الحمد للہ میں اسلامی فرائض کو بلا کسی جبر کے ادا کرنے کے لائق ہوگئی تھی۔

میں اپنے نئے ماحول میں مطمئن تھی۔ یہ صرف اللہ کی اطاعت ہی کی علامت نہیں تھا بلکہ میرے عقیدے کا برملا اظہار بھی تھا۔ ایک حجاب پہننے والی مسلمان عورت جم غفیر میں بھی قابل شناخت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کسی غیر مسلم کا عقیدہ اکثر الفاظ کے ذریعے بیان کرنے پر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ حجاب کے بعد مجھے ایک لفظ کہنے کی ضرورت

نہیں ہوئی۔ یہ میرے عقیدے کا واضح اظہار ہے۔ یہ دوسروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے وجود کی یاد دہانی اور میرے لئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کرنے کی یاد دہانی تھی۔ میرا احجاب مجھے مستعد ہونے پر آمادہ کرتا ہے کہ ''ہوشیار ہو جاؤ'' تمہارا طرز عمل ایک مسلم کی طرح ہونا چاہیئے۔ جس طرح پولیس کا ایک سپاہی اپنی وردی میں اپنے پیشے کا لحاظ رکھتا ہے۔ اسی طرح میرا احجاب بھی میری مسلم شناخت کو تقویت دیتا ہے۔

اپنا مذہب تبدیل کرنے کے دو ہفتے بعد میں اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے جاپان واپس آئی۔ اسلام قبول کرتے ہی میں نے وہ شے دریافت کرلی تھی جس کی مجھے تلاش تھی اور اب میری فرانسیسی ادب میں ڈاکٹریٹ کے حصول میں مزید دلچسپی نہ رہی تھی۔ اس کے بجائے میرے جذبات عربی اور قرآن سیکھنے کے طرف مائل ہو گئے اس لئے میں نے تہیہ کرلیا کہ فرانس واپس نہ جاؤں گی۔

ایک چھوٹے سے جاپانی قصبے میں رہنا یقیناً ایک آزمائش تھی میں نے ماضی قریب ہی میں مذہب تبدیل کیا تھا۔ اسلام سے متعلق میری معلومات بھی کم تھیں، دوسرے مسلمانوں سے ابھی مکمل طور پر علیحدہ بھی تھی۔ تاہم اس علیحدگی نے میری اسلامی معلومات کو وسیع کردیا۔ روزانہ پنج گانہ نماز کی ادائیگی اور اسکارف کے استعمال نے میری اسلامی شناخت کو مستحکم کرنے میں معاونت کی اور میرے تعلق باللہ اور تقویت دی۔ میں تنہائی میں اکثر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کرتی تھی۔ جس طرز کا لباس میں زیب تن کرتی تھی، اب اس میں پہلی بار بڑی تبدیلی ہوئی۔ اسلام عورتوں کو پبلک میں اپنے جسم کی ساخت کی نمائش سے منع کرتا ہے۔ اس لئے مجھے اپنے بہت سے کپڑوں کو ترک کرنا جو میری جسمانی ساخت کو پرکشش بناتے تھے۔ منی اسکرٹ، پینٹ، ہاف پینٹ اور چھوٹی آستین کے بلاؤز حجاب سے مطابقت نہ رکھتے تھے اس لئے میں نے اپنے لئے پاکستانی طرز کی شلوار اور خواتین کے پہننے والی ڈھیلی ڈھالی ''کرتی'' یعنی جمپر بنوایا۔ جب لوگ میرے نئے انوکھے فیشن کو گھور کر دیکھتے تھے تو اس سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔

مذہب تبدیل کرنے کے چھ ماہ بعد میں نے مصر کا سفر کیا۔ میں نے اپنی عربی اور اسلام کے مطالعے کی شدید خواہش کی تکمیل کسی مسلم ملک میں کرنے کا عزم مصمم کیا

تھا۔ میں مصر میں صرف ایک جاپانی شخص کو جانتی تھی، میرے میزبان کے گھر میں کوئی انگریزی نہیں بولتا تھا۔ میں اپنے میزبان کی اہلیہ کو پہلی نظر میں دیکھ کر سخت حیران ہوئی۔ وہ سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سیاہ لباس میں ڈھکی ہوئی تھی۔ اس سے قبل میں نے فرانس میں ایک عورت کے چہرے کے نقاب کے ساتھ سیاہ لباس میں دیکھا تھا۔ جہاں میں نے ایک بڑی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی تھی، وہاں ان مسلم عورتوں کے درمیان، جو رنگین لباس زیب تن کئے ہوئے تھیں اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں، اس کی موجودگی بڑی انوکھی معلوم ہوئی۔ میں نے پھر غور کرنا شروع کیا کہ ''یہ ایک ایسی عورت ہے جو عرب رسم و رواج کے بندھن میں جکڑی ہوئی ہے اور اسلام کی اصل تعلیم سے نابلد ہے''۔ اس وقت میری اسلامی معلومات بہت محدود تھیں، میرا اعتقاد تھا کہ چہرہ ڈھکنے کی جڑیں نسلی رسم و رواج سے منسلک ہیں جس کی اسلام میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ایسا ہی خیال میرے اندر اس وقت پیدا ہوا جب یہ جاپانی عورت مجھے اپنے گھر لے گئی۔ میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ ''آپ شدت سے کام لے رہی ہیں، یہ غیر فطری ہے'' مردوں سے کسی طرح تعلق نہ رکھنے کی اس کی کوششیں بھی خلاف معمول دکھائی دیں۔

جلد اس بہن نے مجھے بتایا کہ میرے کپڑے پبلک میں استعمال کرنے کے لئے موزوں نہیں ہیں، اگرچہ میرا یقین تھا کہ میری پوشاک اسلامی پوشش کے مطالبات کے موافق بھی تھی۔ میرے اندر حالات سے مطابقت کرنے کی کافی صلاحیت تھی، مشہور مقولہ ہے کہ ''جب روم میں رہو تو وہی کرو جو رومی کرتے ہیں''۔ میں نے ایک سیاہ لباس اور ایک لمبا سیاہ سرپوش جس کو دوپٹا کہا جاتا ہے، بنایا اس طرح میں چہرے کے علاوہ مکمل طور پر ڈھک گئی۔ میں نے نقاب کے متعلق بھی سوچا۔ فضا کے مستقل گرد وغبار سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ایک عمدہ شے لگی۔ لیکن میری میزبان بہن نے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچ کر کہا ہو کہ جاپان میں اس پر عمل نہ کرسکوں گی یا میرا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ان بہنوں کا یقین محکم تھا کہ چہرہ چھپانا ان کے مذہبی فرائض کا ایک جزو ہے۔

مصر میں زیادہ تر بہنیں جن سے میں متعارف ہوئی، نقاب استعمال کرتی تھیں۔ بہر کیف قاہرہ جیسے بڑے شہر میں ان کی تعداد کم تھی۔ بعض کو تکلیف ہوئی اور میرا

کالا دوپٹہ دیکھنے کے باوجود گلے ملیں۔ عموماً مغرب زدہ مصری مرد برقعہ پوش عورتوں سے دور رہتے تھے اور انہیں ''الاخوات'' کہہ کر پکارتے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ خصوصی احترام اور نرمی کا رویہ رکھتے تھے، یہ بہنیں خاص حد کے اندر ہی دکھائی دیتی تھیں، عموماً برقعہ پوش خواتین اپنے عقیدے کی زیادہ پابند تھیں۔ اسکارف کا استعمال بہت کم یا بالکل نہ کرنے والی اپنے فرائض کی ادائیگی سے بالکل بے نیاز معلوم ہوتی تھیں۔

قبول اسلام سے قبل میں چست پینٹ اور منی اسکرٹ زیب تن کرتی تھی۔ لیکن اب میری لمبی پوشاک نے مجھے بہت مسرور کیا اور میں نے سمجھا کہ میں ایک شہزادی کی طرح ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے اس کو زیادہ آرام دہ پایا۔ میں نے سیاہ پوشش کو ناپسند نہیں کیا اس کے برعکس میں نے قاہرہ جیسے غبار آلود شہر میں اپنی کالی پوشاک کو زیادہ موزوں پایا۔ میری مسلم بہنیں اپنی سیاہ پوشاک اور دوپٹے میں بڑی دلکش لگتی تھیں اور جب اپنے چہروں سے نقاب اٹھاتی تھیں تو اندرونی نور نمایاں ہوتا تھا۔

میں قاہرہ میں اپنے قیام کے دوران سیاہ برقعے (عبا) میں بہت خوش تھی۔ میرے اندر اس وقت منفی ردعمل ہوتا تھا جب میری مصری بہنیں مجھے مشورہ دیتیں کہ جب میں جاپان واپس جاؤں تو وہاں بھی اسی طرح رہوں۔ مجھے اس بات پر خفگی اور ندامت ہوئی کہ اس وقت جو میں سوچتی تھی وہ نادانی تھی۔ میری دانست میں اسلام عورتوں کو ستر پوشی کی اور شخصیت کو پوشیدہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں کوئی عورت برقعے کا جو طرز پسند کرے، استعمال کرسکتی ہے، مگر یہ نہ تو بہت باریک اور چست ہو اور نہ ہی زینت والا۔ ہر سماج کا اپنا ایک فیشن ہوتا ہے، میرا تصور تھا کہ اگر میں جاپان کی گلیوں میں لمبی سیاہ پوشاک زیب تن کر کے منظر عام پر آؤں گی تو مجھے پاگل سمجھا جائے گا۔ میں نے اپنی مصری بہن سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا میری نئی پوشاک سے جاپانیوں کو گہرا صدمہ ہوگا اور کوئی میری بات نہیں سنے گا۔ وہ اسلام کو صرف اس کے ظاہر ہی سے رد کردیں گے اور اس کی تعلیمات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

بہرحال مصر میں اپنے قیام کے اختتام تک میں اپنے لمبے لباس کی عادی ہوگئی تھی اور اس لباس کو ہی جاپان میں بھی پہننے کا خیال تھا۔ مجھے اپنے ملک میں سیاہ لباس زیب تن کرنے میں اب بھی تکلف تھا، اس لئے میں نے کچھ ہلکے رنگ کے لباس اور دوپٹے

بنائے۔ اس طرز کی پوشاک زیب تن کئے ہوئے ایک بار پھر اپنے وطن واپس آئی۔

جاپان میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، اس لئے وہ کبھی نظر نہیں آتے۔ تاہم میرے سفید دوپٹے کے ساتھ جاپانیوں کا رویہ ہمت افزا تھا۔ مجھے اس سلسلے میں ناپسندیدگی اور تضحیک کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ لوگوں نے مان لیا کہ میرا تعلق کسی مذہب سے ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کس مذہب سے ہے؟ میں نے ایک لڑکی کو اپنی سہیلی سے دھیرے سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں بدھ مت مذہب کی راہبہ ہوں۔ دراصل اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے میرے اندر ایک راہبہ کی زندگی گزارنے کی زبردست خواہش تھی۔ یہ بڑا دلچسپ پہلو ہے کہ ایک مسلم اور ایک عیسائی یا بدھ راہبہ یا خارجی ہئیت میں بڑی حد تک مشابہت ہے۔ ایک بار پیرس کے سفر میں ایک کیتھولک راہبہ کے ساتھ کار پر سفر کر رہی تھی ہم میں اتنی مشابہت تھی کہ میں بمشکل اپنی ہنسی روک سکی۔ کیتھولک راہبہ کا لباس اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دینے کی علامت ہوتا ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے اور یہی اس کی پہچان بھی ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح مسلم عورت کا حجاب بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمابرداری کا مظہر ہوتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی کہ لوگ ایک راہبہ کے لباس کا تو احترام کرتے ہیں اور مسلمان عورت کے حجاب کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور اسے ایک علامت کے بجائے انتہا پسند اور مظلومیت کا مظہر گردانتے ہیں۔

ایک بار ٹرین میں ایک بزرگ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں کیوں یہ نرالے طرز کا لباس پہنتی ہوں؟ میں نے وضاحت کی کہ میں مسلمان ہوں اور عورتوں سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ غیر مردوں سے اپنا جسم پوشیدہ رکھیں، کیونکہ دل کشی اور حسن کا نامناسب اظہار مردوں کو خواہ مخواہ آزمائش میں ڈالتا ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص ہمیشہ عورتوں کی طرف جنسی جذبے کے تحت نہیں دیکھتا، یہ صحیح ہے، لیکن مسئلہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ ان غیر معمولی جنسی زیادتیوں اور جرائم پر غور کیجئے جو بہت سے معاشروں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں، ہم ان حادثوں کو مردوں کو محض اعلیٰ اخلاق اور ضبط نفس کی تلقین کر کے نہیں روک سکتے اس کا حل صرف اسلامی طرز حیات ہی میں مضمر ہے جو عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پردے میں رکھیں اور مردوں سے تعلق رکھنے سے ممکنہ حد تک اجتناب کریں۔ منی اسکرٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ ''اگر

آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جاسکتے ہیں''۔ حجاب صاف طور پر یہ بتاتا ہے کہ ''میں آپ کے لئے ممنوع ہوں'' بزرگ اس وضاحت سے کافی متاثر دکھائی دیئے، شاید اس لئے کہ وہ عورتوں کے ہیجان انگیز فیشن کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹرین سے یہ کہتے ہوئے اتر گئے کہ کاش ہمارے پاس اسلام سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے مزید وقت ہوتا۔ جاپانی لوگ عموماً مذہبی گفتگو کے عادی نہیں، تاہم میرے حجاب نے اسلام پر گفتگو کرنے کا دروازہ کھول دیا۔

میرے گھر میں صرف میرے والد کو میرے متعلق زیادہ تشویش تھی کیونکہ میں مکمل پردے میں رہتی تھی۔ گرم ترین دن میں بھی، موسم گرما میں ہر انسان گرمی محسوس کرتا ہے، لیکن میں نے حجاب کو اپنے سر اور گردن پر براہ راست سورج کی کرنوں سے بچنے کا موزوں ذریعہ پایا۔ شاید میرے عزیز و اقارب میرے قریب رہنے کو اپنے لئے غیر موزوں سمجھتے تھے، تاہم میں اپنی چھوٹی بہن جو نیکر پہنے ہوئے تھی کو دیکھ کر مضطرب ہوگئی۔ اپنا مذہب تبدیل کرنے سے پہلے بھی کسی عورت کے جسم کی ساخت کا منظر جو اس کی جلد سے چپکے ہوئے باریک لباس سے جھلکتا تھا، مجھے پریشان کردیتا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں نے کوئی ایسے شے دیکھ لی ہے جس کو مجھے دیکھنا نہیں چاہیئے تھا۔ اگر یہ بات ایک عورت کو پریشان کرسکتی ہے تو مردوں کو کتنا متاثر کرتی ہوگی، اس کا تصور مشکل نہیں ہے۔

کچھ عورتیں صرف اس وقت عمدہ پوشاک زیب تن کرتی ہیں جب وہ گھروں سے باہر جاتی ہیں اور انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ گھروں کے اندر کس طرح رہتی ہیں۔ لیکن اسلام میں عورت اپنے شوہر کے لئے دلکش ہونے کی کوشش کرتی ہے اور شوہر بھی اپنی بیوی کے لئے پرشکوہ دکھائی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے متعلق اس طرح کے جذبات ازدواجی زندگی کو پرلطف اور مسرت بناتے ہیں۔ کوئی عورت کسی مرد کی توجہ کیوں اپنی طرف مبذول کرانا چاہتی ہے جب کہ وہ شادی شدہ عورت ہے۔ کیا وہ اس بات کو پسند کرتی ہے کہ دوسری عورتیں اس کے شوہر کو اپنی طرف مائل کریں؟ اس طرح کوئی بھی شخص یہ دیکھ سکتا ہے کہ اسلام خاندان کے استحکام میں کس طرح معاونت کرتا ہے۔

صرف عورتوں کو ہی اپنے جسم پوشیدہ رکھنے کے احکام صادر نہیں کیئے گئے ہیں

بلکہ مردوں کو بھی اپنی نظریں نیچی رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کھیل کود کے دوران بھی مردوں کے لئے ناف سے گھٹنوں تک اپنے جسم کے حصوں کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ غیر مسلم یہ سوچ سکتے ہیں کہ مسلمان اپنے آپ کو کپڑوں میں پوشیدہ رکھنے کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہیں۔ وہ پوچھ سکتے ہیں ''جسم کی فطری حالت کو کیوں پوشیدہ رکھا جائے؟'' کچھ لوگ تیراکی کا عریاں لباس پہن کر تیرنے یا ننگوں کے کلب میں شامل ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ پھر بھی پچاس سال قبل جاپان میں تیراکی کے لباس میں تیرنا لفنگا پن سمجھا جاتا تھا اور عہد وسطیٰ میں مجاہد (نائٹ) اپنی محبوب ومحترم بیوی کے جوتے کی ہلکی سی جھلک ہی دیکھ کر کانپ اٹھتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کو پوشیدہ رکھنے کا معاشرے کا معیار تبدیل ہو چکا ہے۔ اگر آپ کسی شعبے کو پوشیدہ رکھیں تو اس کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ عورتوں کے جسم پوشیدہ رکھنے سے اس کی جاذبیت اور دلکشی بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ دنیا کی بیشتر ثقافتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اخلاقی قدریں زمانے سے متاثر ہو سکتی ہیں تو یہ تصور ناممکن نہیں ہے کہ مستقبل میں لوگ گلیوں میں بغیر کپڑوں کے عریاں گھومیں گے۔ انہیں کوئی شے نہیں روک سکے گی۔ ہم مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے لئے معیار متعین کر دیا ہے ہم اس کی اتباع کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہی ہمارا خالق ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے کیا چیز سب سے عمدہ اور بہتر ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ انسانی تہذیب کا آغاز اس وقت ہوا جب اس کے اندر شرم کا احساس ابھرا۔ اگر ایک انسان اپنی جسمانی خواہشات اور وظائف کی تکمیل چاہتا ہے اور ایسا کھلے عام کرتا ہے تو وہ جانور سے مختلف نہیں ہے۔ کیا یہی واحد راستہ ہے جس پر انسان سرپٹ چلا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مناسب لباس اور اخلاق کا تعین کون کرے گا؟ خود انسان (جس کا معیار قدر ہوا کے رخ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے) یا اللہ تعالیٰ؟ وہ اللہ ہی ہے جو انسان کے ہر زمانے کے حالات سے باخبر ہے، اسی لئے اس نے لوگوں میں ظاہر ہونے اور عمل کرنے کے صحیح طریقے کو واضح کر دیا ہے۔

جاپان واپس آنے کے تین ماہ بعد میں اپنے شوہر (میں نے اپنے مصر کے قیام کے آخری ایام میں ایک جاپانی مسلمان سے، جو قاہرہ میں زیر تعلیم تھے، شادی کر لی تھی)

کے ساتھ سعودی عرب گئی جہاں انہیں ملازمت مل گئی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کو چھپانے کے لئے ایک چھوٹا سا سیاہ کپڑا بنالیا تھا جس کو نقاب کہا جاتا ہے، یہ میں نے اس لئے نہیں بنایا تھا کہ میں نے اپنی قاہرہ والی بہن کے طرز پر سوچنا شروع کردیا تھا۔ مثلاً یہ کہ پردہ ایک مسلمان عورت کے مطلوبہ لباس کا ایک جزو ہے جب کہ میرا خیال تھا کہ چہرہ اور ہتھیلی کھلا رکھنے کی اجازت تھی، تاہم مجھے سعودی عرب جانے اور چہرے پر نقاب ڈالنے کی شدید خواہش تھی۔ مجھے یہ جاننے کا بڑا اشتیاق وتجسس تھا کہ نقاب کے اندر مجھے کیسا لگے گا۔

ریاض پہنچنے کے بعد میں نے دیکھا کہ سب ہی عورتیں چہرے پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں۔ غیر مسلم عورتیں اپنے سروں کو ڈھکے بغیر لاپرواہی کے ساتھ اپنے شانوں پر سیاہ نقاب ڈالے رہتی تھیں۔ بہت سی غیر ملکی مسلم عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں، پھر بھی تمام سعودی عورتیں سر سے پاؤں تک مکمل طور پر پردے میں رہتی تھیں۔

پہلے مجھے حیرت ہوتی تھی کہ مسلم بہنیں برقعے کے اندر کیسے آسانی سے سانس لے سکتی ہیں۔ اس کا انحصار عادت پر ہے، جب کوئی عورت اس کی عادی ہوجاتی ہے تو کوئی دقت نہیں ہوتی، پہلی بار میں نے نقاب لگایا تو مجھے بڑا عمدہ لگا۔ انتہائی حیرت انگیز، ایسا محسوس ہوا گویا میں ایک اہم شخصیت ہوں، مجھے ایک ایسے شاہکار کی مالکہ ہونے کا احساس ہوا جو اپنی پوشیدہ مسرتوں سے لطف اندوز ہو، میرے پاس ایک خزانہ تھا جس کے بارے میں کسی کو معلوم نہ تھا، جسے اجنبیوں کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔

ریاض میں ابتدائی چند مہینوں تک میری صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں لیکن جب میں نے موسم سرما کا برقعہ بنایا تو اس میں آنکھوں کا باریک نقاب بھی شامل کرلیا۔ اب میرا پردہ مکمل تھا۔ اس سے مجھے یک گونہ آرام ملا۔ اب مجھے ہجوم اور بھیڑ میں کوئی پریشانی نہ تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں مردوں کے لئے نظر نہ آنے والی چیز ہوگئی ہوں، میری نظریں کسی مرد کی نظروں سے ٹکراتی تھیں، اس نئے نقاب نے سیاہ عینک کی طرح مجھے اجنبیوں کی گھورتی نگاہوں سے محفوظ کردیا تھا، ایک غیر مسلم کسی داڑھی والے مرد کو کسی ایک سیاہ برقعہ پوش خاتون کے ساتھ دیکھ کر اس جوڑے کے متعلق ایک ایسے ہیولے کا تصور کرسکتا ہے جو ظالم ومظلوم یا غالب ومغلوب ہو۔ اسلام میں شوہر وبیوی کا ایسا تعلق ایک صفت سمجھی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح عورت یہ محسوس کرتی

ہے کہ اس کا احترام اور حفاظت ایک ایسے شخص کے ذریعے کی جاتی ہے جو واقعتاً اس کا لحاظ کرتا ہے، یا میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی ہستی تصور کرتی ہے جس کا ہمسفر اس کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ کہنا زبردست مغالطہ ہے کہ مسلم عورتیں مردوں کی نجی ملکیت ہیں اور انہوں نے حسد کی بنا پر اس بات سے روک دیا ہے کہ اجنبی مرد انہیں دیکھیں، ایک عورت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر غیروں سے چھپائے رکھتی ہے تا کہ اس کو عظمت وسربلندی حاصل ہو۔ وہ گھورتی ہوئی اجنبی نگاہوں کا ہدف بننے یا اس کی شے ہونے سے انکار کر دیتی ہے، وہ مغربی عورتوں کے لئے ہمدردی اور رحم کا جذبہ رکھتی ہے جنہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مجھے مسلمان ہوئے دو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، میرے ماحول اور مذہبی شعور کے ساتھ ساتھ میرا حجاب پانچ بار تبدیل ہوا۔ فرانس میں اپنا مذہب تبدیل کرنے کے فوراً بعد میں نے ہم رنگ فیشن ایبل لباس اور اسکارٹ استعمال کئے، سعودی عرب میں اب میں سر سے پاؤں تک مکمل سیاہ نقاب میں پوشیدہ ہوں۔ اس لئے مجھے حجاب کے آسان ترین طرز سے مکمل طرز تک کا ایک تجربہ ہے۔

کئی سال قبل جب ایک جاپانی مسلمہ سر پر دوپٹہ پہنے ہوئے ٹوکیو کی ایک مسلم تنظیم میں نظر آئی تو جاپانی مسلم عورتوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے لباس کے معاملے میں دوبارہ غور کرے کیونکہ اس طرز کے لباس سے جاپانیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس وقت جاپان میں مسلمان عورتیں کم اپنے سروں تک کو چھپا رہی ہیں۔ وہ سب یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہ اپنے حجاب پر نازاں ہیں اور اس سے ان کے ایمان ویقین کو تقویت ملتی ہے۔

باہر سے حجاب کو دیکھ کر کوئی شخص اس کیفیت کا تصور ہی نہیں کر سکتا جس کا اندر سے مشاہدہ ہوتا ہے، ہم اس معاملے کو دو مختلف زاویہ ہائے نظر سے دیکھتے ہیں، ایک غیر مسلم کو اسلام ایک جیل خانہ کی طرح نظر آتا ہے جس میں کسی طرح کی آزادی نہیں ہے لیکن ہمیں اسلام میں رہ کر سکون، آزادی اور ایسی مسرت کا احساس ہوتا ہے جس کو کسی اور شکل سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جو کسی مسلم ملک میں پیدا ہوتا ہے اس نے اسلام کو سب سے بہتر طرز حیات سمجھا ہے، کیونکہ وہ اس سے ابتدا ہی سے واقف ہوتا ہے اور باہر کی دنیا کے کسی اور تجربے کے بغیر وہ بڑا ہوتا ہے لیکن میں تو پیدائشی

مسلمان نہیں ہوں، بلکہ میں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے، میں نے نام نہاد آزادی اور جدید طرز حیات کی دلفریبیوں اور لذتوں کو خیر باد کہہ کر اسلام کا انتخاب کیا ہے۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عورتوں پر ظلم کر رہا ہے تو کیا یورپ، امریکہ، جاپان اور دوسرے ممالک میں بہت سی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟ کاش کہ لوگ اس پر روشنی ڈالیں۔

کوئی شخص تعصب کی عینک لگا کر ایسی عورت کی عظمت کا مشاہدہ کرنے کے لائق نہیں ہو سکتا جو حجاب میں پر اعتماد، مطمئن، پرسکون اور باوقار ہو، جس کے چہرے پر مظلومت کا سایہ تک نہ ہوا۔

**سابقہ نام**: ابرین رینہاریف **ملک کا نام**: جرمنی

# آج انسانیت دین اسلام کی محتاج ہے

## نومسلم عورت کے تأثرات

''ابرین رینہاریف'' جرمنی کی رہنے والی ہیں، ان کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں ہوئی، ان کے والدین کا تعلق بھی جرمنی سے ہے، ان کے والدین کا پیشہ طبابت تھا، وہ اچھے فزیشین اور قلب کے امراض کے ممتاز معالج تھے، انہوں نے اپنی ساری کوششیں اپنی اکلوتی بیٹی کی تعلیم وتربیت پر صرف کردیں تاکہ وہ بھی ایک اچھی ماہر، ڈاکٹر بنے اور کامیاب زندگی گزار سکے، بیٹی نے اپنے والدین کے ارمانوں کو پورا کیا، اور اس کی یہ آرزو تھی کہ وہ بھی اپنے والدین کی طرح ماہر ڈاکٹر بنے، اس کا اندازہ اس کے اس قول سے ہوتا ہے کہ یہ ایسا انسانی پیشہ ہے جس کے ذریعہ انسان دوسروں کی تکلیفوں کو محسوس کرتا ہے۔

اور وہ کہتی ہے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی سے شادی کرلی، طالب علمی کے زمانے میں میرا اس کا بہت ساتھ رہتا تھا، درجہ میں سب سے فائق ہونے کی وجہ سے میرے اساتذہ مستقبل میں بہترین توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے کہ میں کوئی غیر معمولی کارنامہ سرانجام دوں گی اور کچھ ایسی ہی توقعات میرے ساتھی نے بھی مجھ سے وابستہ کی تھیں۔ میرے فارغ ہونے کے دو سال کے بعد میرا شوہر بن گیا، اور ہم اس پر متفق ہوگئے تھے کہ کچھ عرصہ اولاد سے بچیں گے۔

ایک بڑے ہسپتال میں جس میں ہم دونوں ساتھ ساتھ کام کرتے تھے مجھ کو کافی ترقی ہوئی، اور میری شہرت میں اضافہ ہوا، جس نے میری پرسکون زندگی کو جہنمی زندگی بنادیا کیونکہ میری شہرت سے اس کے اندر حسد کا مادہ پنپنا شروع ہوگیا، میں نے اس کے احساسات کو ہلکا کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن اس کا احساس بڑھتا رہا اور اس نے اپنی ذمہ داریوں میں لاپرواہی برتنا شروع کردی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال

بڑھا دیا۔ گھر میں مجھ سے سختی کے ساتھ پیش آتا، اور اس کی سختی اس حد تک بڑھی کہ ہسپتال میں میری بے عزتی ہوئی، اس کے باوجود میں نے برداشت سے کام لیا (صبر وضبط کے پیمانے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا) آخر کار میں نے علیحدگی کا مطالبہ کر ڈالا، اور یہ مطالبہ اس کے نشہ میں دھت رہنے کیوجہ سے یا میری اعانت کرنے کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ معاملات وقتی ہیں، بعد میں رفع ہو جائیں گے، بلکہ یہ مطالبہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی سختی برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے تھا۔ جس کی وجہ سے میں اپنے کاموں کی طرف پوری توجہ نہ کر سکتی تھی، جس کے سبب مجھ کو اپنے والدین کی ناراضگی مول لینی پڑتی تھی، میں نے گھر چھوڑ دیا اور میں نے ان غموں سے جو مجھ کو شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کی صورت میں جھیلنے پڑے تھے حتیٰ کہ مجھ کو انہی کی وجہ سے ہسپتال میں ذلت اٹھانی پڑی تھی دور رہ کر اپنی زندگی ہسپتال میں گزارنے لگی۔

جرمن خاتون رینہاریف کہتی ہیں کہ میں نے اپنے فرانس کے سفر کے دوران اپنی ان تمام ذلتوں کو بھلا دیا جو مجھ کو میرے اس شوہر کی جانب سے پہنچی تھیں جس کو میں ناپسند کرتی تھی اور وہ مجھ کو ناپسند کرتا تھا۔ اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا اور اپنی اس سہیلی سے گفتگو سے کی جو کئی سال پہلے فرانس اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے چلی گئی تھی۔ میں نے اسے مسلمان شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارتے ہوئے پایا وہ اس کے ساتھ انسانیت بھرا سلوک کرتا تھا، اس کے سلوک کی وجہ سے میری سہیلی نے اسلام قبول کر لیا اور جب ان کو میری ان مشکلات کا علم ہوا جو مجھ کو میرے شوہر کی وجہ سے لاحق تھیں، تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر اسلام قبول کر لو تو تم اس سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہو، کیونکہ کوئی بھی مسلمان عورت غیر مسلم شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہے۔ میں نے اپنی سہیلی سے اسلام قبول کرنے کے بارے میں پوچھا اس نے کہا کہ پہلے اسلام سے واقفیت حاصل کرو، اپنے حقوق وواجبات کو پہچانو اور ''**اشھدان لاالٰہ الا اللہ و اشھدان محمداً عبدہ ورسولہ**'' کو زبان سے ادا کرو مسلمان ہونے کے سبب طلاق کا مطالبہ کرو، عدالت فوراً تمہارے حق میں فیصلہ دے دیگی۔

پیرس میں تین دن قیام کے بعد میں برلین واپس ہوگئی، برلین واپسی کے بعد میں اسلامی مرکز گئی، اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور اس کا سٹرفکیٹ حاصل کیا، اس

طرح شرابی و حاسد شوہر سے میری طلاق ہوگئی تھی لیکن پھر بھی میں نے سکون محسوس کیا، اسلام کے بارے میں مجھ کو صرف اتنی واقفیت تھی کہ اس نے مجھ کو مصیبت سے نکالا ہے، اور مستقبل میں پیش آمدہ حالات گذشتہ معاملات کے مقابلہ میں سہل ہوں گے۔

اس کے بعد میرا جرمنی میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ایک بار پھر پیرس کی طرف کوچ کیا، اور وہاں میں چھ سال تک مقیم رہی ان چھ سالوں میں اسلام سے واقف ہوئی کیونکہ اسلام ہی نے میری پراگندہ حال زندگی کو اچھی زندگی سے بدلا اور ان تمام غموں سے مجھ کو چھٹکارا دلایا جو مجھ کو لاحق تھے، کیونکہ اس سے پہلے ہر چیز میں میری حیثیت ایک ذلیل بیوی کی سی تھی کیونکہ بار بار میری اہانت کرنا ہی میرے شوہر کا مقصد تھا، اور اس کے اندر میری کامیابیوں اور اس کی ناکامیوں کے سبب حسد کا مادہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ہماری ازدواجی زندگی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

اور ان چھ سالوں میں اسلام سے واقفیت کے سلسلہ میں میری سہیلی نے اور اس کے شوہر نے میری بڑی مدد کی۔ میں غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچی کہ حقیقتاً اسلام ہی انسانیت کو کینہ اور بغض سے نجات دلانے والا ہے، (اور انسان کو بے چینی سے نکال کر اطمینان وسکون کی زندگی عطا کرتا ہے)۔

جرمن خاتون کہتی ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے انسان کو انسانیت کی قیمت عطا کی ہے (جو انسان کو انسانیت کی قدر ومنزلت سکھاتا ہے) اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور تمام مخلوقات پر انسان کو فضیلت عطا کی، اور انسان کو بہترین شکل میں پیدا کیا تا کہ اس سے مردوں اور عورتوں کی کثر ہو، اور مرد عوت سے سکون حاصل کرے، اس لئے کہ یہ دونوں ایک ہی جان سے ہیں، جب سکون ناپید ہو جائے تو اچھے طریقے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ شادی کی سب سے مہذب ترین شکل اسلام میں ہے، اور دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام ہی سب سے زیادہ مہذب مذہب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ محبت کا، نرمی کا اور شفقت کا معاملہ کیا، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی نگاہ میں بڑے محبوب تھے۔ یہی وہ حقیقی رحمت تھی جس کو انسانوں کے درمیان خاص طور پر زوجین

کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیلایا۔ جرمن ڈاکٹر (رینہاریف) کہتی ہیں کہ دنیا کو اس وقت اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہے، صرف اسلام ہی موجودہ دور کے مسائل کو حل کرسکتا ہے وہ انسان کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے، اور انسان کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ وہ ایسے مقام پر ہو جس سے وہ اسلامی حقیقت کو سمجھنے کا اہل ہوسکے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دینے کا ارادہ فرمایا ہو، تاکہ اس کو اپنے منتخب لوگوں میں شامل فرمالے، اس کو دین اسلام کی دولت سے نوازے اور پھر وہ اس پر عمل پیرا ہو اور میں نے ان لمحات کا جو میں نے امراض قلب کے علاج کے دوران گزارے اور جسم انسانی کے نظام کا مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ اللہ تعالیٰ ہی مطلق قوت وقدرت والا ہے، اسی نے اس جسم کو پیدا کیا، اسی نے اس کو زندہ رکھا اور وہی اس کو موت دے گا اور انسان کا کام علم کے فلک میں چکر کاٹنا ہے۔

ہم ہرگز انسان کی پیدائش کے راز تک نہیں پہنچ سکتے، یہ راز صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جو انسان چاہتا ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اس کا دین برحق ہو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے لئے اور تمام مخلوقات کیلئے جو زمین وسمندر وفضا میں بستی ہے یہ بات یقینی بنالے کہ اللہ تعالیٰ تنہا حاکم ہے، تنہا خالق ہے، اور وہ قادر مطلق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور اس خالق کی الوہیت کا وہ اعتراف کرے (جو ہر چیز سے بلند و بالا ہے، اور اسی نے کائنات کو پیدا کیا ہے، اور اس کائنات کے بھرنے کے لئے انسان کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنایا، اور فرشتوں کو اس کو تسلیم کرنے اور اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور اس انسان کو زندگی کا سامنا کرنے کے لئے چھوڑیا تاکہ ان کی کثرت ہو اور نسل کی افزائش ہو، اور جوڑا بنانے کے بعد چھوڑا ہے) پھر ان میں رسولوں اور نبیوں کو مبعوث فرمایا تاکہ ہر نبی اپنی قوم کو خیر اور توحید کے راستہ کی طرف لے جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کہ تنہا ہے جس کا کوئی ساتھی وشریک نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول و نبی کے لئے منتخب کیا، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول بنا کر مبعوث فرمایا) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دین لوگوں تک پورا پورا بغیر کم وکاست کے پہنچا دیا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء، اور خاتم الادیان ہیں، اسلام ہی اس زمانے میں حقیقی ضرورت ہے، اور جس انسان کی روح میں بگاڑ آچکا

ہے، جس کی عقل خراب ہوچکی ہے، جس کی فکران خالص مادیات کی وجہ سے منتشر ہوچکی ہے، جو معبود ہوگئی جس کو لوگ سجدہ کرتے ہیں اور جس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اس انسان کی اصلاح کی ضرورت ہے، آج دنیا دعوت اسلامی کی محتاج ہے کہ وہ انسان کو بربادی کے راستہ سے نجات دلائے۔

بیشک اسلام ہی صرف ایسا مذہب ہے جو دنیا کو اور لوگوں کو اس خرابی سے نجات دلانے والا ہے، جو انسان کے اندر سرایت کرچکی ہے، اس لئے کہ اسلام کی ایک ایسی روحانی طاقت ہے جو ختم نہیں ہوتی ہے، اور یہ طاقت قرآن کریم میں ہے جو سارے جہاں کے لئے دستور زندگی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام امراض کے لئے جو قیامت تک انسان کو لاحق ہونے والے ہیں علاج بیان فرمائے ہیں۔

جرمن نومسلمہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا کوئی گوشہ بھی قرآن مجید میں نہیں چھوڑا بلکہ زندگی کے بہتر سے بہتر طریقوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، جس میں شبہات وتحریفات کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو زمین میں اپنا نائب بنانا چاہتے ہیں، اور پاک وصاف بنانا چاہتے ہے، لیکن انسان اپنے نفس کے شیطان کی اتباع کرتا ہے، اور جو شخص اپنے نفس کے شیطان کی اتباع کرے گا تو اس کو شیطان کی گندگیاں ملیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مشرفہ کو مکہ مکرمہ کے لئے منتخب فرمایا، اور کعبہ وہ گھر ہے جس کا ساری دنیا کے مسلمان حج کرتے ہین، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی پاک زمین میں پیدا فرمایا نہ کہ اس گھر میں مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش لوگوں کے لئے عبرت و موعظت ہے، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ بیت الحرام وہی مرکز العالم ہے جس کے اردگرد ساری دنیا طواف کرتی ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی اسی مرکز سے تھا (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سارے جہاں کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے) تاکہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو رسالت کے نور سے منور کردے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عقل کے ذریعہ آپؐ نے ہر شخص کو اس کے مرتبہ کے مطابق خطاب کیا، آپؐ نے بتوں کا خاتمہ کیا، اور اسلام پورے کرۂ ارض پر پھیل گیا اور قیامت تک پھیلتا رہے گا، اور بیت الحرام طائفین کی جگہ ہو جائے گی، اور عنقریب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ساری دنیا کو اپنے سائے تلے لے لیگی اور اس کی جدوجہد، اس کی جنگ، اس کا جہاد اس دعوت کی جانب سے ہوگا جو دعوت اللہ کے دین کے قواعد کی مضبوطی کے لئے ہوگی، وہ سیرت جو لوگوں میں جذب کی کیفیت طاری کرتی ہے، اور جو لوگوں کو اسلام سے واقف کراتی ہے، قرآن کریم وہ کتاب ہے جو حق کے ساتھ حق کی طرف سے نازل ہوئی تا کہ دن ورات دین بن جائیں، اور قرآن دنیا کا دستور بن جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ میں نے ایک عربی مسلمان سے شادی کرلی اور میں حج کے فریضہ سے بھی فارغ ہوگئی ہوں، اور میں تمنا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد سے نوازے جن کی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تربیت کروں اور وہ اسلام کی خدمت کریں۔

**سابقہ نام** : روز مین رش بروک
**سابقہ مذہب** : عیسائیت
**اسلامی نام**: رقیہ مقصود
**ملک کا نام** : برطانیہ

# برطانیہ کے معروف شاعر کی بیوی کا قبول اسلام

رقیہ مقصود، عمر ۵۱ سال، مذہبی تعلیم و امور کی صدر جو کہ ھل (Hull) کے علاقے میں رہتی ہیں۔ رقیہ مقصود کینٹ کے علاقے میں پلی بڑھیں، ان کا نام روز مین رش بروک تھا اور ان کے والد ایک چھوٹے سے بزنس مین تھے۔

رقیہ نے ھل یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے شوہر جارج کینڈی ایک شاعر تھے، ان سے رقیہ کے دو بچے ہیں، ۱۹۸۶ء میں ۲۳ سال کی شادی کے بعد دونوں میں طلاق ہوگئی۔ ۱۹۸۶ء میں رقیہ مسلمان ہوگئیں، اوراب ایک پاکستانی مسلمان وارث صاحب کے ساتھ شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہیں۔

رقیہ کہتی ہیں کہ میرے والدین ویسے تو زیادہ مذہبی نہ تھے لیکن وہ مجھے ہر اتوار کو سنڈے اسکول میں ضرور بھیجتے تھے، یہاں پر مجھے عیسائی مذہب سے کافی لگاؤ پیدا ہوگیا اور میں نے بعد میں ھل یونیورسٹی سے تھیولوجی میں ڈگری حاصل کی۔ اسکول میں میرے لڑکوں کے ساتھ تعلقات صرف ہاتھ پکڑنے کی حد تک تھے، لیکن یونیورسٹی پہنچ کر میں کافی بدل گئی، میرے کئی بوائے فرینڈز تھے، سگریٹ اور شراب پینا بھی میں نے شروع کر دیا اور پارٹی وغیرہ میں بھی عام جانے لگی۔ یونیورسٹی کی پڑھائی ختم کرنے کے بعد میں نے جارج سے شادی کر لی حالانکہ میں اور جارج کافی اچھی طرح رہ رہے تھے لیکن میری زندگی میں کچھ تشنگی باقی تھی اور ہم خوش نہیں تھے، ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کو خوش نہیں رکھ پارہے ہیں لہٰذا علیحدہ ہوجائیں۔ چنانچہ ۲۳ سال کی شادی کے بعد ہم نے طلاق حاصل کر لی۔ جس مکان میں میرا قیام تھا اس پر کافی قرضہ تھا چنانچہ میں نے گھر کے کچھ کمرے کرایہ پر دینا شروع کر دیئے۔ میرے کرایہ داروں میں چند مسلمان بھی تھے۔ میری تعلیم چونکہ مذہب کے بارے میں کافی تھی اور اسلام کے بارے میں بھی

میری معلومات کافی تھیں۔ لیکن میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اسلام کو عملی حالت میں کسی کو عمل کرتے ہوئے دیکھا، یہ میرے کرایہ دار تھے جو کہ خاموشی سے اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے تھے، ان کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ سمجھنے لگی کہ ان لوگوں سے مجھے کسی بھی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ان لوگوں سے بات چیت کے بعد میں نے اسلام کے بارے میں اور بہت کچھ سیکھا۔ منظم گھریلو زندگی، ایمانداری اور عزت و وقار اسلام کے بنیادی اصول نظر آئے۔ مجھے ایسا لگا کہ تقریباً ۵۰ سال پہلے برطانیہ کچھ اسی قسم کا تھا۔ بہر حال میں نے جتنا اسلام کو کریدا یہ مجھے اتنا ہی دلچسپ نظر آیا اور اس کے اصول عیسیٰ علیہ السلام کے اصولوں سے بہت ملتے جلتے نظر آئے اور پھر میں نے یہ یقین کر لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے اگر وہ خدا کے بیٹے ہوتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے بیٹے ہوتے (نعوذ باللہ) حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اسی دوران میں میرا چرچ میں جانا بدستور رہا لیکن میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے مسلمان بننا ضروری ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی بھی نظم وضبط کو کسی خاص طریقہ سے کرنا گوارا نہیں کیا۔ میں نے شروع میں کافی عرصہ تک اپنے آپ کو مسلمان بننے سے روکنے کی کوشش کی لیکن ایک دن مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے مسلمان بننے کا فیصلہ کر ڈالا۔ میں نے چند طلباء کو اپنے گھر بلایا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ الحمد للہ یہ کلمہ پڑھنے کے بعد میری ایک عجیب سی کیفیت تھی جو کہ بہت ہی خوبصورت تھی اور مجھے ایسا لگا کہ میں اب واقعی کسی جگہ پہنچ گئی ہوں۔

دوسرے دن سے مجھے شراب اور سور کھانا چھوڑنا تھا جو کہ بہت مشکل معلوم ہوتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ میری ساری شاپنگ لسٹ بدل گئی، میں نے ہر کھانے پینے کی چیز کی چھان بین شروع کر دی کہیں اس میں خنزیر کی چربی تو نہیں ہے۔ سگریٹ البتہ میں پیتی رہی۔ دوسرا مرحلہ پردے کا تھا، میرے پاس جو پرانے کپڑے تھے وہ سارے کے سارے مغربی طرز پر سلے ہوئے تھے، یہ سارے کپڑے میں نے آکس فام یعنی خیراتی ادارے کو دے دیئے۔

مجھے یہ تو منظور تھا کہ میں کپڑے پہنتے وقت اپنی ٹانگوں کو برہنہ نہ رکھوں لیکن،

ایک انگریز عورت کے لئے بالوں کا قربان کرنا بڑا مشکل نظر آیا کیونکہ میں ہمیشہ سے نائی کے پاس جا کر بال سنوارنے کی عادی تھی۔ شروع میں تو واقعی عجیب سا لگا کہ ایک انگریز عورت مکمل حجاب میں باہر پھر رہی ہو۔ لیکن آہستہ آہستہ مجھے اس کی عادت ہوگئی اور اب حجاب میں رہنا مجھے بہت پسند ہے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ لوگ مجھ سے بڑی عزت سے پیش آتے ہیں اور دوسری اہم بات یہ کہ مسلمان مرد عورتوں پر زور نہیں دیتے کہ تم زمانے کے لئے خوبصورت بن سنور کر پھرو۔

میں نے اپنے لئے رقیہ نام کو پسند کرلیا۔ میری والدہ مجھے اب تک روز کے نام ہی سے بلاتی ہیں اور ان کے لئے میری تبدیلی کافی حد تک ناگوار رہی، میرے والد اور والدہ شروع میں مجھے عیسیٰ علیہ السلام کا غدار سمجھتے رہے۔ لیکن ان کی معلومات اب اسلام کے بارے میں کافی حد تک زیادہ ہوچکی ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ خوش معلوم ہوتے ہیں۔

میں ۱۹۹۰ء میں پاکستان میں ایک کتاب پر تحقیق کر رہی تھی یہاں میری ملاقات وارث سے ہوئی۔ جب میں برطانیہ واپس آئی تو دعا کرتی رہی کہ کسی طرح یہ دوستی اپنے صحیح انجام کو پہنچ جائے، یعنی میری شادی وارث سے ہوجائے ہم ایک دوسرے سے ٹیلی فون پر گفتگو کرتے رہے بہر حال رمضان المبارک میں ہماری شادی ہوگئی چونکہ روزہ کے دوران کھانا، پینا اور جنسی اختلاط بالکل ممنوع ہے جو کہ نئے شادی شدہ جوڑے کے لئے کافی مشکل ہوتا ہے (مگر ہم نے رمضان کا پورا پورا احترام کیا)۔

بوسنیا کے کچھ مسلمان مہاجرین کو وراث ایک دن ہمارے گھر پر لے کر آئے اور کہا کہ ان کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ مجھے ان کا یہ اسلامی جذبہ بہت پسند آیا کہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ کی مدد کرے۔

اسلام میں شادیاں باہمی میل ملاپ سے طے ہوتی ہیں چنانچہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے ۱۰۰ فیصد بھی ناخوش ہوں تب بھی ایک دوسرے کا فرض ہے کہ دونوں اس رشتہ کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ ورنہ مغربی ماحول میں تو ذرا سی کھٹ پٹ ہوئی نہیں کہ خدا حافظ کہہ کر اپنے اپنے راستہ کی طرف چل پڑے۔ میرا اب بھی کبھی دل چاہتا ہے کہ شراب خانوں میں جاؤں، ریستوران میں جاؤں لیکن اسلام کی اچھی باتیں میری باتوں پر غالب آجاتی ہیں اور میں وہاں نہیں جاتی۔

مسلمان بننے کے بعد میری زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی آ گئی ہے، اب میری زندگی پرسکون ہے اور مجھے اس میں قناعت جیسی دولت نصیب ہے۔ میرے انگریز ہونے اور مسلمان ہونے میں کوئی تضاد نہیں۔ اگلے بیس سالوں میں برطانیہ میں اتنے ہی انگریز مسلمان مرد اور عورتیں یہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ (یاد رہے کہ اس وقت برطانیہ میں ایشیائی مسلمانوں کی تعداد ۲۰ لاکھ ہے) میرا یہی خیال ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ مجھے پیچھے کی طرف لے جا رہا ہے بلکہ میں تو مکمل طور پر اب آزاد ہوئی ہوں۔

**سابقہ نام** : ماری لویزان　　**سابقہ مذہب** : عیسائیت

**اسلامی نام**: فاطمہ عبداللہ　　**ملک کا نام** : ناروے

# ناروے کی ایک عیسائی خاتون ماری لویزان کا قبول اسلام

نام ماری لویزان تھا، عیسائی مذہب کی ماننے والی تھیں ناروے کی راجدھانی اوسلو کی رہنے والی ہیں۔ ان کے والد صحافی تھے، ان کی والدہ فلم ایکٹرس اور گلوکارہ تھیں۔ ان کی زندگی ایسی پراگندہ گزر رہی تھی جس میں قواعد وضوابط نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی اس زندگی کا کوئی مقصد تھا۔ وہ اپنے بارے میں کہتی ہیں۔

یہ ان کی نوعمری کی بات ہے کہ دوسری دنیا و کائنات کے بارے میں مختلف سوالات ان کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے تھے، اور یہ سوالات اس عالم رنگ وبو سے ماورا، چیزوں کے متعلق بھی ہوتے تھے مسیحی ہونے کے باوجود ان کے والد عملاً ملحد تھے۔ مگر وہ خود ملحدہ نہیں تھیں۔ لیکن اس مذہب (عیسائی مذہب) پر عمل کرنا بسا اوقات مشکل ہوتا تھا جبکہ ان کا ذہن تثلیث کا عقیدہ قبول نہیں کرتا تھا، اسی دوران ان کے اندر ایسے احساسات وجذبات ابھرتے رہتے تھے جو دوسری دنیا کے وجود اور دوسری زندگی کے برحق ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ اور یہ احساسات وجذبات دوسری زندگی کے لئے کچھ کرنے پر آمادہ کرتے تھے۔ یعنی (دوسری زندگی کے لئے راہ اختیار کرنے پر آمادہ کرتے تھے) لیکن ان کے ذہن میں اس کی کوئی شکل نہیں آتی تھی۔

خاص خاص موقعوں پر دل بہلانے کے لئے وہ کلیسا جاتیں ان کا کلیسا میں جانا عقیدت میں نہیں تھا۔ بلکہ محض اکتاہٹ دور کرنے کے اور ماحول کی تبدیلی کے خیال سے وہ وہاں کے پروگراموں میں شریک ہوتیں جبکہ ان کا دل اس کا روادار نہ تھا۔ لیکن جس نقطہ نے ان کی زندگی کے دھارے میں انقلاب برپا کیا اور اسلام کے بارے میں

ان کو سوچنے پر مجبور کیا جس کے بارے میں انہوں نے پہلے کبھی سنا تک نہ تھا۔ وہ نقطہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ایک ہم وطن سہیلی کے حالات میں جس نے مراکش کے ایک مسلمان سے شادی کر لی تھی پہلے کے مقابلے میں کافی تبدیلی محسوس کی ان کی شخصیت ان کے سلوک اور ان کے افکار و خیالات میں پوری طرح تبدیلی رونما ہو چکی تھی، حتیٰ کہ مکمل طور پر ان کی زندگی کے تمام امور میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو چکا تھا جس نے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو شیشے کی طرح صاف و شفاف کر دیا ہے۔

ماری نے ان کی زندگی میں نمایاں فرق محسوس کیا اور ان کو نئے طرز زندگی پر عامل پایا اپنی زندگی اور اپنی سہیلی کی اسلام کے بعد کی زندگی میں حد فاصل محسوس کیا ''ماری'' اپنی سہیلی کو خوب اچھی طرح سے جانتی تھی، اور وہ اس بات سے بھی واقف تھیں کہ پہلے ان کی زندگی کا نہ ہی کوئی مقصد تھا اور نہ ہی کوئی ہدف اور نہ ہی اس زندگی کے کچھ معنی تھے، ماری سے اس کی سہیلی نے اسلام کے متعلق کوئی گفتگو نہ کی لیکن اس کا سلوک اس کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ان کی زندگی اب دوسرے انداز کی ہے۔

ماری نے ایک دن خود گفتگو کا آغاز کیا، گفتگو کا آغاز اسلام ہی سے ہوا۔ ماری کو اس کی سہیلی نے اسلام سے متعلق ایک کتاب دی، اور مریم جمیلہ کے اسلام قبول کرنے کی کہانی سنائی اور ان کی کتابوں کا ایک مجموعہ بھی دیا۔

جب ماری نے مریم جمیلہ کے اسلام قبول کرنے کا قصہ سنا تو انہوں نے لمبی خاموشی اختیار کر لی کیونکہ اس سے ان کو دلچسپی ہوئی۔ انہوں نے کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان کتب میں ان کو ان تمام سوالوں کے جو کسی بھی گوشہ سے تعلق رکھتے تھے خواہ عقیدہ سے متعلق ہوں یا معاشرتی اور سیاسی زندگی سے ان کا تعلق ہو، سارے سوالوں کے تشفی بخش جوابات حاصل کر لئے اس کے بعد ماری نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔

اور جس وقت وہ قرآن کریم کے ترجمہ سے فارغ ہوئیں بے ساختہ ان کی زبان سے ھذا ھوا لحق کا نعرہ بلند ہوا اور یہ پہلا موقع تھا جب حق و باطل کا فرق ان کے سامنے آشکارا ہوا اور اب ان کی تمنا یہی ہے کہ جس طرح انہوں نے دین حق کو پہچانا ہے (قبول کیا ہے) ان کا خاندان ان کے دوست واحباب اور ان کے اہل وطن اس کو پہچانیں اور دل و جان سے قبول کر لیں۔

اوران کے قلب میں یہ احساس بھی جاگزیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے بندوں کے لئے خیر کا طالب ہے اور انسان کے لئے سب سے افضل اور اعلیٰ وارفع چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ (اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے) وہی ملجا و ماویٰ ہے چنانچہ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا، نماز پڑھنی شروع کردی اور اپنا عیسائی نام تبدیل کر کے اپنا نیا نام فاطمہ عبداللہ رکھا ہے۔

فاطمہ عبداللہ نے ویلز میں اسلام کے مبلغوں کی ایک جماعت کے بارے میں واقفیت حاصل کی جس کے سرخیل ڈاکٹر محمد المشر وق (عمید کلیہ الدیانات) ہیں اور لاطینی امریکہ میں وہ تنہا مسلمان ہیں اور اسی طرح ویلز میں ایک اور تنظیم (شباب الدعوۃ) سے واقفیت حاصل کی جو مختلف شرعی اداروں میں لکچرز دینے کے فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول ہیں تاکہ یورپی مسلمانوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اسلام کی دعوت کا کام کرنے والے ہوں۔

ان حلقوں سے ماری نے معلومات حاصل کیں اور جب ماری اسلامی ثقافت اور علم سے پوری واقف ہوگئیں تو وہ ایک مصری مسلمان سے رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگئیں۔ جو یورپ میں انجینئر کے عہدہ پر فائز ہیں اور انہوں نے پردہ کرنا بھی شروع کردیا ہے۔ وہ اپنے مصری شوہر کے ساتھ قاہرہ آئی ہیں جہاں ان سے ملاقات ہوئی ان کے دولڑکے اور ایک لڑکی ہیں۔ اور ان کی کوشش یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ان کا معاملہ اسلامی طرز کا ہو تاکہ ان کا سلوک دعوتی بن سکے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکیں۔ جس وقت وہ اپنے قاہرہ کے گھر میں داخل ہوئیں وہاں کا ماحول بڑا پرکشش معلوم ہوا، اطمینان وسکون اور بشاشت ومسرت کا ماحول تھا۔ جس کا انہیں پہلے تجربہ نہیں تھا۔ وہ بہت مسرور تھیں کہ وہ اسلامی تعلیمات پر پوری طرح عامل تھیں لیکن جس وقت ان کو نئے سرے سے شرعی احکامات کا علم ہوا وہ بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہی تھیں، عربی پر قدرت نہ ہونے کے باجود اس دین پر ان کا اصرار اور ارادہ ان کے اعصاب کی مضبوطی کو ظاہر کر رہا تھا، ان کی ساس سے جب گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ فاطمہ مصر کی دوسری مسلمان عورتوں سے زیادہ اسلام کی پابند ہے۔ اور فاطمہ ان کی بہوؤں سے کہتی ہیں کہ تم لوگوں کو ایسی عظیم نعمت ملی ہوئی ہے لیکن تم اس کی

اہمیت سے ناواقف ہو۔

اور وہ صلاۃ فجر اور صدقات کا بڑا اہتمام کرتی ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ان کے بچے اسلامی ماحول میں رہیں۔ وہیں پرورش پائیں اس لئے کہ اگر وہ ناروے کے عیسائی ماحول میں واپس گئیں تو اس سے متاثر ہو جائیں گے اور ان کی پختگی میں کمی آ جائے گی۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: ثریا **ملک کا نام**: امریکہ

# امریکی یونیورسٹی کی طالبہ کا قبول اسلام

امریکی یونیورسٹی ایسٹرن مشی گن کی ایک نوجوان سفید فام طالبہ نے چند سال پہلے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی، اس کا اسلامی نام ثریا رکھا گیا اور مسلمان ہونے کے بعد اس نے خود کو حجاب سمیت دینی تقاضوں سے ہم آہنگ کرلیا۔ اس کے استاد پروفیسر ریحان خان اس نومسلم طالبہ کے لباس اور باوقار دینی اطوار سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے ان کے قبول اسلام کی سرگذشت ایک ماہنامے ''یونٹی ٹائم'' مارچ ۹۰ میں شائع کرائی جس کا ترجمہ شامل کتاب کیا جارہا ہے۔

میرا تعلق ایک پروٹسٹنٹ عیسائی خاندان سے تھا جس کے سب افراد مذہب سے دور ہیں لیکن بچپن ہی سے میں دینی رجحان رکھتی تھی۔ جب میری عمر دس برس ہوئی تو میں نے اپنے پڑوسیوں سے فرمائش کی کہ وہ اتوار کو چرچ جاتے وقت مجھے ساتھ لے جایا کریں، چنانچہ میں وقتاً فوقتاً عبادت کی خاطر ان کے ساتھ جانے لگی۔

جب میں ہائی اسکول میں پہنچی تو عیسائیت کی مختلف شاخوں اور فرقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ اس سلسلے میں مجھے کیتھولک فرقے کے گہرے اور وسیع مطالعے کا موقع ملا۔ دیگر مذاہب کے بھی مطالعے کا شوق رہا، میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے کہیں اطمینان حاصل نہ ہوا اور میری روح پیاسی ہی رہی۔ میرا وجدان جو چاہتا تھا وہ کہیں سے نہ مل سکا۔ میرا ضمیر کہتا تھا کہ اس کائنات کا خالق و مالک وحدہ لاشریک ہے جبکہ عیسائیت کے کسی فرقے سے میری تسلی نہ ہوتی تھی۔ میں نے سب فرقوں کو ابہام ہی کا شکار پایا۔

میں ابھی ہائی اسکول میں پڑھ رہی تھی جب مجھے شرق اوسط کے بارے میں خاصی تفصیل سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ یوں پہلی بار ''اسلام'' اور ''مسلم'' کے الفاظ سے آشنائی ہوئی مگر اسکول کے زمانے میں میرا دائرہ معلومات یہیں تک محدود رہا۔ جب

میں کالج میں پہنچی تو خوش قسمتی سے وہاں شرق اوسط سے تعلق رکھنے والے مسلمان طلبہ بھی زیر تعلیم تھے۔ ان سے ملاقاتیں ہوئیں اور اسلام سے تعارف ہوا تو میں اسلام کے اس پہلو سے بہت متاثر ہوئی کہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح یہ مذہب جز وقتی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اسلام چونکہ دن رات کے ہر لمحے میں رہنمائی کرتا ہے اور عیسائیت کی مانند اس کی رفاقت کا دائرہ محض ایک ہفتے میں ایک گھنٹے تک محدود نہیں ہوتا، اس لئے جب ایک شخص عملی طور پر اسے اختیار کر لیتا ہے تو اس کی زندگی میں نظم وضبط اور سلیقہ واستحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلام کی دوسری خوبی، جس نے مجھے زیادہ متاثر کیا، وہ یہ تھی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دین کامل ہے۔ میں نے اسلام کو فطرت کے عین مطابق پایا، چنانچہ اسے دل وجان سے قبول کر لیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میرے خاندان کے ہر فرد کا ردعمل مختلف تھا۔ میرے والد کا مجھ سے سلوک بالکل مشفقانہ رہا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنا لباس بدل لیا اور عام زندگی کو بھی یکسر بدل ڈالا لیکن میرے باپ کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک دفعہ میری ایک پھوپھی آئی تو اس نے مجھے خوب برا بھلا اور قنوطی کہا، مزید طعنے بھی دیئے تو میرے والدین نے میری مدافعت کی، تاہم والدہ کا طرز عمل کچھ خوشگوار نہ تھا۔ وہ میری زندگی کے اس انقلاب سے قطعی خوش نہ ہوئیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض دشواریوں کے باوجود میں اپنے والدین کے ساتھ ہی ہوں اور مجھے ان پریشانیوں سے سابقہ نہیں پڑا جس کی عموماً توقع کی جاتی ہے۔

امریکہ کے اس ماحول میں جہاں مادیت کا دور دورہ ہے، عیش پرستی اور تفریح پسندی ہی کو زندگی کی معراج خیال کیا جاتا ہے، وہاں اسلام قبول کرنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا بے حد مشکل کام ہے، چنانچہ میں نے فیصلہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچا میرے والدین مجھ سے کیا سلوک کریں گے؟ میری تعلیم کا کیا بنے گا؟ میں اپنے قریبی احباب میں کیسے زندہ رہوں گی؟ اس نوعیت کے خدشات نے مجھے سخت پریشان کئے رکھا مگر طویل اور گہری سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اسلام قبول کرنے میں یہ عارضی پریشانیاں اور مصیبتیں تو ضرور آئیں گی لیکن ضمیر مطمئن ہوگا اور انجام بہتر۔ میں نے اس دوران اللہ سے بہت دعائیں کیں اور اس سے اعانت ومدد طلب کی، تو میری دعائیں خدا نے سن لیں اور

حیرت انگیز طور پر مجھے وہ ہمت اور حوصلہ عطا کیا کہ میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر تیار ہوگئی۔

اگر میں نوعمر ہوں مگر اپنے فیصلے پر مستقل طور پر قائم رہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی کمزوری نہیں آئے گی، اس لئے کہ میں نے یہ فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اندازہ کریں کہ جب میں قبول اسلام کے لئے ایک مسجد میں گئی تو وہاں کے خطیب وامام نے مجھ پر ذرہ برابر دباؤ نہیں ڈالا بلکہ یہ کہا کہ پہلے اسلام کے متعلق خوب مطالعہ کیجئے، اگر اس بارے میں کوئی اعتراض ہے تو سوالات کر کے تسلی کر لیجئے، پھر اسلام قبول کریں۔ اس کے برعکس جب میں عیسائیت کا مطالعہ کر رہی تھی، ایک مرتبہ کیتھولک چرچ میں گئی تو سب نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ میں فوری طور پر کیتھولک مذہب قبول کرلوں۔ میں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا، میرے شعور نے سب کو مسترد کر دیا۔ میں نے اسلام کو اس لئے مطالعہ کے بعد قبول کیا ہے کہ یہ مذہب ہر لحاظ سے بہتر اور عقل کے عین مطابق ہے، میں نے مسلسل دو برس تک اسلامی تعلیمات کو پرکھا اور کئی لوگوں سے اس کے بارے میں گفتگو کی۔ میرے اسلام قبول کرنے میں جذباتیت کا دخل ہے، نہ عجلت پسندی اور نہ کسی دنیاوی مفاد کا، انشاء اللہ میں اس پر عمر بھر قائم رہوں گی۔

اسلام قبول کر کے مجھے سب سے بڑی کامیابی یہ ملی ہے کہ زندگی میں وقار اور ڈسپلن کا چلن پیدا ہوا۔ شب و روز کا پروگرام اور مقصدیت حاصل ہوئی۔ دل ودماغ میں جو خلا کی کیفیت چھائی رہتی تھی، اس میں سکون آیا، تزکیہ نفس سے روح کو رفعت ملی اور میں پریشانی و مایوسی سے محفوظ ہوگئی۔ اللہ کا احسان ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل نے میری زندگی کے ہر پہلو کو مثبت طور پر تبدیل کر دیا۔ ان میں بعض تبدیلیاں واضح اور انقلابی نوعیت کی ہیں۔

میں اپنے بالوں کو ڈھانپتی ہوں جو امریکہ کے عریاں ماحول میں شاید بعض لوگوں کو عجیب لگتا ہے۔ اس ضمن میں میرے وہی احساسات ہیں جو ایک باعمل مسلمان عورت کے ہوسکتے ہیں میں نے اپنا سر ڈھانپ کر دراصل ماحول کی آلودگیوں کے خلاف تحفظ حاصل کیا ہے اور عام عورت نیم برہنگی کی وجہ سے جس خوف و سراسیمگی کی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے۔ اس سے کافی حد تک نجات پائی ہے، پھر میرا سر ڈھانپنا ایک قسم کا اعلان بھی ہے کہ میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ سب سے بڑی چیز یہ کہ ہمیں اللہ نے جو حکم دیا، اس کی پیروی کر رہی ہوں۔

امریکہ میں جو لوگ اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں، ان کی غالب اکثریت میرے خیال میں اسلام کی آغوش میں چلی آتی ہے۔ انہیں اس امر کا احساس ہو گیا ہے کہ موجودہ مغربی طرز زندگی نہ تو اخلاقی قدروں کی پرورش کرتی ہے، اور نہ یہ کسی باوقار اور صاف ستھرے اسلوب حیات کو پروان چڑھاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اسلام کی صورت میں وہ ایسی صداقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو انہیں بلند ترین اخلاقی معیارات عطا کرتی ہے، جو حقیقت پسندی پر مبنی ہے اور فطری ہے۔ خاص اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اسلام مغرب کی تنگ نظری سے بہت ہی بلند و بالا ہے اور انسانوں کو مادیت اور نسل پرستی سے ہٹا کر خالص انسانی شرف کی بنا پر مخاطب کرتا ہے۔ امریکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت سیاہ فاموں پر مشتمل ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں وہ بالعموم موجودہ نظام کے ستم زدہ ہوتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکہ میں سیاہ فام بے چارے بڑے ہی مظلوم ہیں۔ جب وہ دائرہ اسلام میں آتے ہیں، انہیں حقارت اور ظلم و جور کے بجائے محبت و مساوات اور احترام ملتا ہے تو ان کی پریشان اور افسردہ روحوں کو قرار آجاتا ہے۔ سیاہ فاموں کے اسلام کی طرف لپکنے کا ایک سبب اور بھی ہے۔ وہ جان گئے ہیں کہ افریقہ میں ان کے آباؤاجداد کا مذہب اسلام تھا اور جب انہیں زبردستی اغواء کر کے امریکہ لایا گیا تو ان سے یہ نعمت چھین لی گئی۔ چنانچہ اسلام قبول کر کے درحقیقت وہ اپنے اصل دین کی طرف لوٹتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ یہ واویلا کر رہے ہیں اور وہ اس مشن میں تھکتے ہی نہیں کہ اسلام کا رویہ عورت کے معاملے میں غیر مناسب ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ الزام ان لوگوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے جو اسلام کی تعلیمات سے یکسر بے خبر ہیں۔ وہ فرض کر لیتے ہیں کہ جب اسلامی معاشرے میں مرد اور عورت کا میدان کار الگ الگ ہے تو لازماً عورت ظلم کا شکار ہوتی ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں اپنے ہاں کی صورت حال پیش کرتی ہوں۔ یہاں برابری اور مساوات کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ معاشرے میں عورت وہ سب کچھ کرے جو مرد کرتا ہے لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ عورت کماتی ہے اور گھر کا سارا کام کرتی ہے۔ جہاں مرد اس کے ساتھ شراکت نہیں کرتا پھر ظاہر ہے مساوات کہاں رہی؟ اور جن گھرانوں میں ماں اور باپ دونوں کام کرتے ہیں وہاں بچوں کا جو حال ہوتا ہے، وہ ظلم اور استحصال کی ایک افسوسناک مثال ہے۔ اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے مغرب کے ذرائع ابلاغ اور اخبارات عام طور پر عالم اسلام کی حکومتوں کے طرز عمل اور

مختلف افراد کے ذاتی رویئے سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہی کچھ اسلام کی تعلیم ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے، چنانچہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر ان کی صحیح رو کے ساتھ عمل کریں اور اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے سچے ترجمان بنیں۔

امریکہ میں جو غیر مسلم خواتین اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں، ان بہنوں کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کریں اور خوب توجہ سے غور وفکر کریں۔ میں اس راستے سے اسلام کی منزل مقصود تک پہنچی ہوں دوسری بات یہ کہ خوف زدہ ہرگز نہ ہوں۔ اگر آپ نے صراط مستقیم پر چلنے کا ارادہ کرلیا ہے تو وہ اپنے فضل سے آپ کی مدد فرمائے گا۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **ملک کا نام**: امریکہ

# قبول اسلام کی ایمان افروز مثال

میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ ہائی اسکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہوگئی، خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا تو پیسے کی ریل پیل ہوگئی۔ شوفر، بہترین گاڑیاں، غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کے لئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی، اسی دوران میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی، مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام وراحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی، جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی۔ اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کردیا اور دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کرلی۔ اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضاکارانہ خدمات انجام دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لیا، خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس برس تھی۔

اسے میری خوش قسمتی ہی کہیئے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی، بڑی پریشانی ہوئی مگر اب کیا ہوسکتا تھا، مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے انتہائی نفرت تھی۔ میرے نزدیک عام یورپی سوچ کی طرح اسلام وحشت اور جہالت کا مذہب تھا۔ اور مسلمان غیر مہذب، عیاش عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مؤرخ یہی کچھ لکھتے آرہے ہیں۔ بہرحال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ پھر

اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کے لئے یہاں بھیجا ہو، اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے صورتحال کا جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت میں مبتلا ہوگئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ، مہذب اور باوقار تھے، وہ عام امریکی نوجوان کے برعکس، لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہ کرتے، نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی، ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کے بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بے کار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر طالبعلموں کو زچ کرسکوں، مگر دل کے گوشے میں یہ احساس بھی تھا کہ عیسائی پادری، مضمون نگار، اور مؤرخ تو مسلمان کو وحشی، گنوار، جاہل اور نہ جانے کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں۔ لیکن امریکی معاشرے میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف ومنفرد پاکیزہ رویے کے حامل ہیں پھر کیوں نہ خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے عیسائیت پر غور وفکر کے دوران اور مطالعہ بائبل کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے، مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور یہی تشنگی روح کے لئے مستقل روگ بن گئی تھی مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کے لئے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگو کی اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی

تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرانی ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈہ کے بالکل برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے۔ ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے رہے تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا درجہ جس قدر بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ ''جنت ماں کے قدموں میں ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت نازک آبگینے کی طرح ہے اور تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلوز نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا تو وہ ۲۱ مئی ۷۷ء کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے ان میں سے ایک ڈینور کی مسجد کے امام صاحب تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔

میرے قبول اسلام پر سارے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے۔ اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ مگر میرے قبول اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا۔ اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔

میرے والد مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لیکر میرے گھر آ گئے تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔

میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہوگئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹیٹیوٹ میں داخل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کر لی، لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہوگئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی جبکہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کی رو سے فیصلہ ہونے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔ ملازمت بھی ختم ہوئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سر بسجود ہوگئی اور گڑ گڑا کر خوب دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں قبول فرمالیں، اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بچے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا۔ اور اللہ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہوگیا اور میری جان میں جان آ گئی۔ لیکن آہ ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے ''جمہوری ملک کی آزاد'' عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا۔ اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی زمین اور آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے۔ مگر میں نے دوٹوک انداز میں عدالت

سے کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کرلوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہوسکتی، چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دیدیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرلیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان سے سرشار رہی۔ ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کے بجائے کسی سنڈے اسکول میں بچیوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی، آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سینٹروں میں گذارتی ہوں، اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔

یہ بھی اللہ کی ہی توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن اسٹڈی سرکل قائم کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی۔ اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے۔ میں خریدا جاسکتا تھا بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لیکر جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی۔ جبکہ اسلام میں آج سے چودہ سو برس پہلے سے عورت کے کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے۔ اور باپ کے مقابلے میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا۔

جب میں یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں پھر وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق واحترام عطا کئے ہیں تو وہ اسلام قبول کرلیتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ میری باتوں سے متاثر ہوکر اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہوچکی ہیں۔

**سابقہ نام** : کرسٹین **سابقہ مذہب** : عیسائیت
**اسلامی نام**: شیرین **ملک کا نام** : فلپائن

# ایک فلپائنی خاتون کا قبول اسلام

بلند کردار اور مضبوط قوت ارادی یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو ناممکنات کو بھی ممکن کر دکھاتی ہیں، اور شاید داغستانی اسپتال کی کرسٹین سمونڈی نامی نرس کے قبول اسلام کے واقعہ کے پس پردہ یہی دونوں عوامل کارفرما تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی ہم پیشہ مسلم نرسوں کے فیض صحبت سے اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ اس نے اسلام کے بنیادی اصول وقواعد پورے اخلاص وللّٰہیت اور شرافت وامانتداری کے ساتھ سیکھے۔

اسلام قبول کرنے اور اپنا نام بدل کر ''شیرین'' رکھنے کا فیصلہ اس نے پورے شرح صدر پختہ ارادہ اور مکمل اعتماد کے ساتھ کیا تھا اس سلسلے میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ تفصیل سے سناتے ہوئی فرماتی ہیں۔

میرے دل میں نور ہدایت جلوہ گر ہونے کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے، ابھی جلد ہی میں ڈاکٹر داغستانی کے اسپتال میں نرس کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے جدہ آئی تھی اس وقت کرسٹین میرا نام اور مسیحیت میرا مذہب تھا، اللہ تعالیٰ میرے حق میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اپنی ہم پیشہ نرسوں کے ساتھ مل کر کام کروں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نواز کر ان پر خصوصی انعام واکرام فرمایا تھا ان کو میں اپنے دین پر پوری طرح کاربند اور معاملات میں امین ومخلص اور شرافت ونیکی کا پیکر پاتی تھی، جسے دیکھ کر میرے اندر بھی سچے جذبات موجزن ہو گئے جنہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا، اس فیصلہ کو عملی شکل دینے سے قبل کہتی ہیں کہ ''میرے ذہن ودماغ میں اسلام سے متعلق بہت سے سوالات ابھرتے تھے اور میں چاہتی تھی کہ انہیں کسی کے سامنے پیش کروں۔ اسپتال کے میرے ایک رفیق کار نے میری اس دلی کیفیت اور ذہنی الجھن کو بھانپ لیا اور اس نے اپنے اس فیصلہ پر قائم اور جمے رہنے کے لئے میری خوب حوصلہ

افزائی فرمائی اور ہمت بڑھائی۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ دیکھئے کہ انہی کے ساتھ میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئی لیکن یہ شادی میرے والدین کی رضامندی اور فلپائن حکومت کے سرکاری دستاویزات کی خانہ پری کے بغیر نہیں ہوئی تھی، اب میں ایک عرب مسلم کے گھر میں رہتی ہوں جن کو میں پابندی سے نماز پڑھتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور عمرہ وزیارت کرتے دیکھتی ہوں۔

## ثقافتی مرکز سے روابط:

چونکہ میرا کامل ایمان ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود اسلام کے ابدی اور روحانی نظام میں مضمر ہے اس لئے میں نے جدہ میں واقع اسلامی ثقافتی مرکز سے بھی تعلق قائم کیا ہوا ہے تاکہ اسلام کے چشمۂ ہدایت سے خوب خوب فیضیاب ہوسکوں، وہاں میں نے خدا کے فضل سے قرآن کریم کا ایک انگلش ترجمہ اور بہت سی دوسری اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

کچھ دنوں بعد مرکز سے میرے تعلقات منقطع ہوگئے پھر بھی خالق کائنات کی کبریائی اور اسلام کی عظمت وتقدس کے بارے میں گہرائی سے غوروفکر کرتی رہی، اور اسی عظیم مقصد کو لیکر جس نے میرے ویران دل کو آباد کردیا تھا میں نے چاہا کہ اسے فی الفور ایک ایسی شفاف اور روشن حقیقت کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کروں جو میرے مستقبل کو نور ہدایت سے معمور کردے۔

میری زندگی میں اس وقت عظیم انقلاب آیا جب میرے اور میرے شوہر کے قدم جدہ کی شرعی عدالت کی جانب بڑھے اور میں نے خوشی کے آنسوؤں اور کامیابی کی مسکراہٹوں کے جلوؤں میں کلمہ شہادت پڑھا، میں نے اس مقدس کلمہ کو کپکپاتے ہونٹوں سے بمشکل ادا کیا، حالانکہ یہ کلمہ میرے دل میں پوری صداقت اور خلوص کے ساتھ جم گیا تھا اور جسے میرے دل نے زبان سے ادا کرنے سے قبل ہی بارہا پڑھ لیا تھا، اس دوران مجھے احساس ہوا کہ اسلام کو اپنا کر مجھے اپنی متاع گم گشتہ مل گئی ہے جس نے میرے اندرون کو ایمان وتقویٰ کی روشنی سے بھر دیا ہے اور صلاح وتقویٰ کی جانب مائل ہونے والے میرے انسانی دل کے تمام تقاضوں کو پورا کردیا ہے، اب اسے کسی اور چیز کی تمنا

نہیں رہی اس کی سب مرادیں پوری ہوچکی ہیں، اس مبارک مہینہ میں جس کا روزہ رکھنے کی مجھے پہلی بار سعادت حاصل ہورہی تھی خدا سے یہی دعا رہی کہ وہ مجھے اپنے شوہر اور بچے حسام کی رفاقت میں مکہ مکرمہ کی باریابی اور حرم شریف میں نماز ادا کرنے اور عمرہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے، میری زندگی میں دو مواقع بڑے رقت آمیز اور ایمان افروز آئے ہیں، جن کی نورانیت سے میری دنیا بدل گئی اور میرا دل ارمانوں اور خواہشوں کا گہوارہ بن گیا، ایک موقع تو وہ ہے جب میں نے دین اسلام قبول کیا اور دوسرا وہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلا بچہ عطا فرمایا، اور اب یہی آرزو ہے کہ خالص اسلامی طرز پر اس کی تعلیم وتربیت کرنے میں اللہ میری مدد فرمائے۔

اپنی زندگی میں اس جرأت مندانہ اقدام کے ذریعہ اگرچہ میں نے اسلام کے بارے میں اپنے متوقع مقاصد حاصل کرلئے ہیں لیکن میرے دل کو اس وقت تک چین وقرار حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ فلپائن کے اندر موجود اپنے دوسرے افراد خانہ کو بھی اس ابدی نظام کے سامنے سرتسلیم خم کرنے پر آمادہ نہ کرلوں اور ان کے دل میں بھی دین اسلام کی محبت کا چراغ نہ جلادوں۔

**سابقہ نام**: آنجیلا　　**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: عائشہ　　**ملک کا نام**: کینیڈا

# اسلام دین کامل ہے
# نومسلم عورت کے تأثرات

## ایک نومسلم کینیڈین خاتون کا قبول اسلام:

اخبار و جرائد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سائے عاطفت میں پناہ لینے والوں کا روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور ان میں اس طبقہ کی تعداد زیادہ ہے جو صنف نازک کہلاتا ہے۔ جبکہ اسلام کے خلاف مغربی پروپیگنڈہ ایجنسیاں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر رہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے نفرت زیادہ بٹھائی جائے۔ اور لوگوں کو اسلام سے دور رکھا جائے، لیکن اس کے باوجود لوگ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ یہی دین، دین حق ہے اور یہی حال عورتوں کا ہے کہ جب کوئی عورت اسلام کا مطالعہ کرتی ہے تو وہ کہہ اٹھتی ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ مرتبہ عطا کیا ہے جو کسی مذہب میں اس کو عطا نہیں ہوا نومسلموں کے تأثرات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مغربی تہذیب پوری طرح معطل ہو کر رہ گئی ہے جہاں لوگ درندوں کی طرح اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے زندگی گزار رہے ہیں وہاں زندگی کا مفہوم نفسانی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ کچھ نہیں، برخلاف اسلام کے جہاں آخرت کا تصور تمام برائیوں کے لئے سدّباب بن جاتا ہے۔

اس مضمون میں ایک عیسائی عورت کے قبول اسلام کا واقعہ ہے جس نے عورتوں کے بارے میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ ذیل میں ہم ایک مسلم نوجوان جناب رنا السید سے قبول اسلام کے بارے میں ان کی گفتگو پیش کر رہے ہیں۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا عیسائی نام انجیلا تھا، اسلام لانے کے بعد ان کا نام عائشہ رکھا گیا ہے۔ اور جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی عمر چھبیس سال تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ کینیڈا میں جس وقت میری ایک صالح مسلم نوجوان جناب رنا السید سے پہلی ملاقات ہوئی تو ان کے چہرے پر اطمینان وسکون اور مسرت کے آثار دیکھ کر میں نے محسوس کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بہت سی عورتوں کو ہدایت عطا فرمائی ہوگی۔

میں نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ اسلام سے پہلے جس ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی کیا آپ اس کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گی؟

انہوں نے جواب دیا: میری پیدائش ایک یونانی آرتھوڈکس گھرانے میں ہوئی میرے والدین مذہب کے معاملہ میں متعصب ہی نہیں بلکہ قدامت پرست تھے۔

میری نشو ونما تثلیث کے عقیدہ پر ہوئی لیکن مجھے اس پر یقین نہیں تھا اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تسلیم کرنے کے لئے میرا دماغ تیار تھا۔ جیسے جیسے میرے شعور میں اضافہ ہوا میرے اندر عیسائیت کے بہت سے عقائد کے سلسلے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے۔

مثلاً اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو کیوں اللہ تعالیٰ نے ان کو سولی سے محفوظ نہیں رکھا (کیوں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ ان کو تکلیف پہنچائی جائے اور سولی دی جائے) اللہ تعالیٰ کو ان کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔

انجیل کے مطالعہ کے دوران میں نے محسوس کیا کہ اس میں آپس میں تعارض ہے۔ اور بعض باتیں غیر منطقی معلوم ہوئیں۔ چنانچہ ان ہی بنیادوں کی وجہ سے اس سے میری دوری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

## اسلام سے مناسبت:

سوال: آپ کو اسلام سے کیسے مناسبت ہوئی؟

جواب: پہلے میں ایک مسلمان نوجوان سے متعارف ہوئی اور اسی تعارف نے بڑھتے بڑھتے محبت کی شکل اختیار کر لی، چنانچہ جس وقت ہم نے شادی کا ارادہ کیا اس کے گھر والوں نے انکار کر دیا، کیونکہ لڑکے کے والدین اپنے بیٹے کے لئے مسلمان بیوی کا

انتخاب کرنا چاہتے تھے چنانچہ شروع شروع میں میں نے ظاہراً اس سے شادی کی غرض سے اسلام قبول کیا۔

سوال: آپ ان مبادی بنانا پسند کریں گی جنہوں نے آپ کو اسلام کے سلسلہ میں مزید مستحکم کیا۔

جواب: اسلام نے عورت کو ماں، بہن اور بیوی کی حیثیت سے بہت عزت عطا فرمائی ہے، اسی چیز نے ہم کو بہت متاثر کیا۔ اسلام نے عورت کے لئے بے شمار حقوق دیئے ہیں جیسے (۱) حق وراثت (۲) حق ملکیت (۳) شادی کے بعد اس کے حصہ وراثت کا محفوظ رہنا (۴) اس کے اخراجات کی ذمہ داری والد اور شوہر پر ہے۔ اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، برخلاف اس کے یورپ میں عورت کا تصور یہ ہے کہ وہ اپنا خرچ پورا کرنے کے لئے گھر میں بھی اور باہر بھی کام کرنے پر مجبور ہے، (وہ کولہو کے بیل کی طرح کام کرنے پر مجبور ہے تاکہ اپنا اور اہل وعیال کا خرچ چلا سکے) یہی وہ تنہا حق مساوات ہے جو یہاں نافذ ہے (یہی وجہ ہے کہ یورپ آزادیٔ نسواں کا بہت نعرہ لگاتا ہے)۔

یہاں اس کو مردوں کے برابر کام کرنے کا حق تو حاصل ہے لیکن مردوں کے بالمقابل اس کا مرتبہ کم ہے اگرچہ تعلیمی لیاقت میں وہ مرد سے بڑھی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔ گھر سے باہر رہ کر اس کا کام کرنا خاندانی خلفشار اور عائلی وابستگی کی کمزوری کا باعث ہے کیونکہ وہ والدین جو کاموں میں مشغول رہتے ہیں اکثر اوقات گھر سے غائب رہنے کی وجہ سے اپنے بچوں کو زیادہ وقت نہیں دے پاتے جس کی وجہ سے بچے ضائع ہوتے ہیں اور ماں کی پرورش سے محروم رہتے ہیں۔

اسلام دین کامل ہے جو عین عقل کے مطابق ہے، جبکہ عیسائیت صرف جزء کو مخاطب کرتی ہے، میں صوم وصلوٰۃ کی پابند ہوں میں نے اسلام کے سلسلہ میں علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور نماز وروزہ کے مسائل اور قرآن کی تعلیم حاصل کی، مزید یہ کہ عربی زبان بھی سیکھی۔

## میں دینی احکام پر پختہ یقین رکھتی ہوں:

سوال: اسلام نے آپ کی زندگی میں کیا تبدیلیاں پیدا کیں؟

جواب: اسلام قبول کرنے سے پہلے میری نظر میں مرد وعورت کے آزادانہ تعلقات، غلط افعال نہ تھے، اور نہ ہی میں ان تعلقات کو غیر اخلاقی تصور کرتی تھی اور نہ ہی یہ سمجھتی تھی کہ شاذ و نادر ہی یہ تعلقات وجود میں آتے ہیں۔

میرا نظریہ یہ تھا کہ ہر انسان کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے شخصی آزادی حاصل ہے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے ان تعلقات کو حرام تسلیم کرلیا، اور میں نے یہ تسلیم کیا کہ یہ تعلقات انسان کو بہت سے امراض ومصائب میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اور انہی تعلقات کی وجہ سے معاشرہ میں شادی کا نظام پارہ پارہ ہوجاتا ہے، اور مزید برآں یہ کہ یہ چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بھی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد میں لباس کے معاملہ میں محتاط ہوگئی اور میں پردہ بھی کرنے لگی۔ دوسرے بہت سے لوگ اس حیادار لباس کی وجہ سے مجھ کو تعجب سے دیکھتے ہیں لیکن میں اس کی پرواہ نہیں کرتی کیونکہ میں دینی احکام و عائلی قوانین سے واقف ہوچکی ہوں اگرچہ ان ذمہ داریوں کی بناء پر گھر کے علاوہ کوئی ایسا کام نہیں کرسکتی جس سے کچھ کماسکوں اور نہ کماسکنے کی بناء پر اسلامی مدرسہ میں بچوں کی فیس ادا کرنا ممکن نہ تھا لہٰذا میں خود بچوں کو گھر پر قرآن وعربی زبان کی تعلیم دیتی تھی اور وہ سال کے اختتام پر پرائیوٹ امتحان دیتے تھے اور ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے تھے۔

میں نے اپنے والدین کو اسلام کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے میری کوششوں کو ٹھکرادیا اس لئے کہ ان کی پرورش ہی اسلام سے نفرت پر ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہے۔ میری چھوٹی بہن نے اسلامی دعوت قبول کی اور اسلام کے سائے تلے آگئی اور وہ ایک مسلمان نوجوان سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوکر اس کے ساتھ اطمینان کی زندگی گزار رہی ہے۔

والدین کے ساتھ ہمارا معاملہ پہلے سے بہتر ہے کیونکہ اسلام نے ہمیں اسی کا حکم دیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہم ان کی اطاعت نہیں کرتے ہیں باقی تمام احکام میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں۔

سوال: دین اسلام سے واقفیت کے لئے آپ کو تشفی بخش کون کونسی کتابیں حاصل ہوئی ہیں؟

جواب: انگریزی میں بہت سی کتابیں مجھے ملیں، لیکن جو شخص عربی و انگریزی سے ناواقف ہو اس کے لئے اسلامی مبادی کی شروح سے فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہے۔ سلسلہ میں بڑی مشکلات ہیں میرا خیال ہے کہ تمام زبانوں میں دینی کتب کا ترجمہ ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں کی زبانیں مختلف ہیں، جس کی وجہ سے وہ سواد اعظم سے کٹ جاتے ہیں، عالم اسلام میں اس کے وسائل موجود ہیں کہ ان کتب کے تراجم مہیا کیئے جائیں مسلمان اس کام کو کیوں نہیں کرتے، ہمیں داعیوں سے زیادہ ایسے تراجم کی ضرورت ہے مجھے اس بات کا اس لئے زیادہ احساس ہے کہ میں اپنے گھر کے افراد اور اپنی بہنوں کو جو نئی نئی اسلام میں داخل ہوتی ہیں دینی مضامین سمجھانے کی حتیٰ المقدور کوشش کرتی ہوں، اس وقت مجھے حوالوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سوال: جس وقت آپ نے اسلام قبول کیا اس وقت آپ کو اسلامی معاشرہ کی طرف سے کیا کوئی تعاون ملا؟

جواب: جہاں تک میرا تعلق ہے تو جس وقت میں مسجد گئی اس وقت تو ہم کو تعاون ملا وہاں امام نومسلموں کے لئے دین اسلام کی تعلیمات کی تشریحات کرتا ہے۔

## کاش مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کرتے:

لیکن جہاں تک معاشرہ کا سوال ہے میں نے متعدد ایسے مسلمانوں کو پایا ہے جو مغربی تہذیب میں گھرے ہوئے ہیں اور وہ اسلام سے دور ہیں مسلمان اپنا وزن قائم کرنے میں اب تک کامیاب نہیں ہوئے، ہم امت محمدیہؐ ہیں، ہم اسلامی امت ہیں ہمیں دین حنیف کی اشاعت اور اس کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔ اور بہت سے راہ بھٹکوں کو راہ پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے انہیں اس سلسلہ میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہیئے، میں اپنے بس میں جو ہے وہ کر ہی رہی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میری مدد فرمائے۔ آمین

**سابقہ نام**: کارلوالاندلوسیا **اسلامی نام**: شریفا **ملک کا نام**: امریکہ

# اسلام کے خلاف خفیہ منصوبوں کی کہانی

# ایک نومسلم عورت کا انکشاف

(امریکہ کی نومسلم خاتون شریفا کارلولا ندلوسیا کہتی ہیں کہ) میں دین حق اسلام کی طرف کیسے لوٹی اسلام کے خلاف بنائے گئے منصوبوں کی داستان ہے، میں نے خود منصوبے بنائے جس گروپ سے میرا تعلق تھا اس نے بھی اسکیمیں تیار کیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے بنائے اور اللہ ہی بہتر منصوبہ ساز ہے، جب میں نوعمر تھی تو میں ایک ایسے گروپ کی توجہ کا مرکز بن گئی جو انتہائی گمراہ کن ایجنڈہ رکھتا تھا۔ حکومتی عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی یہ ایک ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن تھی جس کا ایک مخصوص ایجنڈا تھا کہ اسلام کو تباہ کرنا ہے۔ یہ حکومت کا تشکیل کردہ گروپ نہ تھا بلکہ امریکی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کرنے والے افراد نے از خود یہ ایسوسی ایشن بنائی تھی اور اور یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے حکومتی عہدوں کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔

چونکہ میں خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ایک فعال کارکن کی حیثیت سے نمایاں پوزیشن رکھتی تھی اس لئے اس گروپ کے ایک رکن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ''مشرقی وسطی'' پر زور دیتے ہوئے اس نے پیش کش کی کہ اگر میں ''بین الاقوامی تعلقات'' میں تعلیم حاصل کروں تو وہ مجھے مصر کے امریکی سفارتخانہ میں ملازمت کی گارنٹی دیتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ مصر میں امریکی سفارت خانہ میں تعیناتی کے دوران میں اپنے حکومتی عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خواتین سے تعلقات قائم کروں اور خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں جو تحریک پر نکال رہی ہے اس کی حوصلہ افزائی کروں۔ میرے خیال میں یہ ایک عظیم نظریہ اور میرے دل کی آواز تھی۔ میں مسلم خواتین کو ٹی وی پر دیکھ چکی تھی اور میرے علم کے مطابق معاشرے میں یہ مظلوم اور پسا ہوا طبقہ تھا، میں ان

خواتین کی بیسویں صدی کے آزاد معاشرے اور روشنی کی طرف رہنمائی کرنا چاہتی تھی۔

اسی عزم وارادہ کے ساتھ میں نے کالج میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ میں نے قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا۔ میں نے ان طریقوں کا بھی خصوصی مطالعہ کیا جن کے مطابق ان معلومات کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ اپنے مقاصد کے لئے الفاظ کو کس طرح گھما کر کام میں لانا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قیمتی ہتھیار تھا تاہم جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے پیغام نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔ اس کے اندر فہم وفراست، دانائی اور حکمت تھی مجھے تو اس نے چونکا دیا ان اثرات کے سدباب کے لئے میں نے عیسائیت کی کلاسوں میں باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کلاسوں کے لئے اس پروفیسر کا انتخاب کیا جس کی شہرت بہت اچھی تھی، اور اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے علوم الٰہی (یعنی مذہب) میں پی ایچ ڈی کی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت اچھے ہاتھوں میں آ گئی ہوں۔ مگر جو میں نے سوچا تھا ایسی کوئی بات نہ نکلی۔ یہ پروفیسر تو توحید پرست (موحد) عیسائی نکلا۔ وہ تو عقیدہ تثلیث پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا اور نہ یسوع مسیح کی الوہیت کو مانتا تھا۔ درحقیقت وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک پیغمبر تسلیم کرتا تھا۔

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے بائبل کے یونانی، عبرانی اور آرامی ذرائع سے حوالے دیئے اور بتایا کہ کہاں کہاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جب مجھے وہ یہ سب بتا رہا تھا تو اس نے ان تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا جو ان تبدیلیوں کو لانے اور پیروی کا باعث بنے جب میری یہ کلاس مکمل ہوئی تو میرا دین تباہ ہو چکا تھا۔ لیکن میں اسلام قبول کرنے کو اب بھی تیار نہ تھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی ذات اور مستقبل میں ذریعہ معاش کی خاطر تعلیم جاری رکھی۔ اس میں تین سال کا عرصہ لگا۔ اس دوران میں مسلمانوں سے ان کے عقائد کے بارے میں سوال کرتی رہی، جن افراد سے میں نے سوال کیا ان میں سے ایک (MSA) کارکن تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس بھائی نے دین میں میری دلچسپی کو محسوس کیا اور میری اسلامی تعلیم کے لئے ذاتی کوششیں کیں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا بہترین اجر دے۔

ایک دن اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور بتایا کہ شہر میں مسلمانوں کا ایک گروپ آ رہا ہے اس کی خواہش تھی کہ میں ان سے ملوں۔ میں نے ملاقات کے لئے حامی بھر لی اور عشاء کی نماز کے بعد ان سے ملنے کے لئے گئی۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جس میں کم از کم بیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے ان سب نے میرے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی مجھے بڑی عمر کے ایک پاکستانی کے سامنے بیٹھنے کے لئے جگہ دی گئی۔ یہ بھائی عیسائی مذہب کے بارے میں علم کا سمندر تھے اور وہ بائبل اور قرآن کے مختلف حصوں پر صبح تک بحث کرتے رہے۔ اس نے عیسائیت کے بارے میں مجھے جو جو باتیں بتائیں دوران تعلیم میں وہ جان چکی تھی مگر اس دانا آدمی نے مجھ سے وہ بات کہی جو کسی دوسرے مسلمان نے نہ کہی تھی۔ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، گذشتہ تین سال سے میں اسلام پر تحقیق وجستجو کر رہی تھی مگر کسی نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی تھی، مجھے پڑھایا گیا، دلائل دیئے گئے اور بعض مواقع پر میری تذلیل بھی کی گئی مگر کسی نے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ اللہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے جب اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا میں نے محسوس کیا کہ یہی صحیح وقت ہے میں جانتی تھی کہ یہی سچ ہے اور مجھے جلد فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن کھول دیا اور میں نے کہا ''ہاں میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں'' اس کے ساتھ ہی اس نے عربی میں مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور انگریزی میں اس کے معنی بھی بتائے۔ اللہ کی قسم جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تو میں نے اپنی ذات میں عجیب ترین احساس کو پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے سینے سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہے، میں نے ایسے سانس لیا جیسے اپنی زندگی میں پہلی بار سانس لیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک صاف ستھری تختی کی طرح ایک نئی زندگی عطا کی، جنت میں جانے کا سنہرا موقع عنایت کیا، میں نے دعاء کی کہ اے میرے اللہ میری زندگی کے بقیہ ایام تیرے احکام کے مطابق گزریں اور میری موت مسلمان کی موت کے طور پر ہو۔ یہی مسلمان بہن حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

''بطور غیر مسلم مغربی سوسائٹی میں رہتے ہوئے نظریہ ''شرم و حجاب'' کی میرے ذہن میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی اپنی نسل کی دیگر

خواتین کی طرح میں بھی اسے دقیانوسی اور ایک فضول چیز شمار کرتی تھی، مجھے ان مسلمان عورتوں پر ترس آتا ہے، جو برقعہ پہنے ہوتی تھیں یا پھر ''بیڈ شیٹ'' لپیٹے سڑکوں پر چلتی پھرتی نظر آتی تھیں، میں حجاب والی چادر کو بیڈ شیٹ ہی کہتی تھی''۔

میں ایک جدید عورت تھی، تعلیم یافتہ اور روشن خیال، میں حقیقی سچائی کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی، میں مسلم دنیا کے کسی بھی گاؤں کی سماجی طور پر کچلی ہوئی مسلمان عورت سے زیادہ لاچار تھی۔ میں اس لئے لاچار نہ تھی کہ میرے اندر طرز حیات اور کپڑوں کے انتخاب کی اہلیت نہ تھی بلکہ میری خلش اور بے چارگی یہ تھی کہ ''اپنی سوسائٹی'' کو کہ یہ حقیقت، میں کس کے لئے ہے؟'' جاننے کی اہلیت نہ رکھتی تھی میرے لئے یہ نظریہ پریشان کن تھا کہ ''عورت کا حسن و جمال عوامی ملکیت ہے اور شہوانی تعریف و توصیف کو احترام دیا جانا چاہیئے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے حجاب پہنا تو بالآخر اس ماحول سے باہر نکلنے کے قابل ہوگئی جس میں رہ رہی تھی میں اس سوسائٹی کو اس کے اصل رنگ وروپ میں دیکھنے کے اہل بھی ہوگئی، اب میں دیکھ سکتی تھی کہ اس سوسائٹی میں سب سے زیادہ قدران خواتین کی ہوتی ہے جو عوام کے سامنے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ننگا کردیتی ہیں مثلاً اداکارائیں، ماڈل گرلز، اور ڈانسرز وغیرہ۔ مجھے اب یہ بھی نظر آرہا تھا کہ مردوں اور خواتین میں تعلقات کا جھکاؤ نامناسب طور پر مردوں کی طرف ہے۔ میں جان گئی کہ میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا لباس پہنتی تھی، اور یہ کہہ کر میں اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی تھی کہ اس سے میں نے اپنے آپ کو خوش کیا ہے لیکن تلخ حقیقت یہی تھی کہ جو بات مجھے خوش کرتی تھی وہ اس آدمی کی زبان سے میری تعریف ہوتی تھی جسے میں پرکشش سمجھتی تھی۔

اب میں جانتی ہوں کہ ایک فرد جو کبھی صاف ستھرا نہیں رہا اس کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ وہ گندا ہے۔ اسی طرح میں یہ دیکھنے کے قابل نہ تھی کہ میں مظلوم ہوں، یہاں تک کہ میں اس پسی ہوئی سوسائٹی کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئی۔ اسلام کے نور نے جب سچ کو روشن کیا تو میں بالآخر سیاہ دھبوں کو دیکھنے

کے قابل ہوگئی، جن کو ہمارے مغربی فلسفیوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے معاشرے کی اخلاقی اقدار اور اپنی ذات کی حفاظت ظلم نہیں ہے بلکہ ظلم یہ ہے کہ خواہشات نفس کے تحت اپنے آپ کو گندگی کے دلدل میں پھینک کر یہ کہا جائے کہ یہ گندگی نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ جس نے سر پر اسکارف پہننے کے بعد مجھے ایک پہچان دی، میں ان لوگوں سے دور ہوتی گئی جو کسی طرح بھی میرے ذہن، میری روح، اور دل سے ہٹ کر میری شناخت کرتے تھے۔ جب میں نے سر کو ڈھانپ لیا تو میں حسن و جمال کے اشتعال کے باعث ہوے والے استحصال سے بچ گئی، جب میں نے سر کو ڈھانپا تو لوگوں نے دیکھا کہ میں اپنا احترام کرتی ہوں تو وہ بھی میرا احترام کرنے لگے۔ جب میں نے سر کو اسکارف سے ڈھانپ لیا تو بالآخر میں نے سچائی کے لئے اپنے ذہن کو کھول دیا۔ سب سے اہم عنصر جس نے مجھے اس مذہب کی طرف کھینچا وہ یہ حقیقت ہے کہ اسے دلائل و منطق کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ بے شمار مسلمان والدین اپنے بچوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات و احکامات کی صحیح طور پر وضاحت نہ کر کے بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچوں سے عموماً کہا جاتا ہے کہ ''ہم بڑے ہیں'' ہم کہہ رہے ہیں اس لئے یہ مانو تم عرب، پاکستانی، صومالی ہو اپنی تہذیب کے مطابق کام کرو بنی نوع انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ ''وہ کیا کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں'' کو سمجھے۔ اسلام اسی لئے ایک عظیم مذہب ہے۔

**سابقہ مذہب**: یہودیت **ملک کا نام**: امریکہ

# یہودیت سے اسلام

بہت چھوٹی عمر ہی سے مجھے یہ معلوم کرنے کا اشتیاق تھا کہ یہودی ہونے سے کیا مراد ہے۔ یہ اشتیاق پہلے پہل غالباً ایسٹر کے زمانے میں پیدا ہوا۔ ایسٹر کے دن آتے تو میرے مسیحی ہم جماعت مجھے ''مسیح کی قاتل'' کہنا شروع کر دیتے۔ ایسٹر گزرتے ہی گویا معجزہ رونما ہو جاتا۔ وہ لوگ یکسر بدل جاتے اور سال کے باقی دن بڑے خوشگوار دوستانہ ماحول میں گزرتے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک چھوٹے سے رومن کیتھولک ہم جماعت سے اس طرز عمل کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ہمیں پادری صاحب نے کہا تھا۔

اسی زمانے میں اخبارات میں اور ریڈیو پر جنگ کی خبریں پے در پے آنے لگیں۔ دوسری عالمگیر جنگ چھڑی تو میں پانچ برس کی تھی اور جب ختم ہوئی تو گیارہویں برس میں جا رہی تھی۔ ہٹلر کی نازی حکومت کے ہاتھوں لاکھوں یہودیوں کے استیصال کی خبریں بڑی ہی وحشت ناک اور روح فرساں تھیں اور کم سنی کے باوجود میرے ذہن پر ایک مستقل نقش چھوڑ گئیں۔ پھر میری اور دوسری غیر یہودی ہم جولیوں کی ظاہری شکل و صورت میں بھی خفیف سا مگر نمایاں فرق تھا۔ ان ساری باتوں نے مجھے یقین دلا دیا کہ یہودی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں اور ہمارا اس معاشرے سے فی الواقع کوئی تعلق نہیں ہے جس کا ہم اپنے آپ کو حصہ سمجھتے ہیں۔

جب میں زندگی کی نویں اور دسویں منزل میں تھی، پورے دو برس ہفتہ وار مذہبی تعلیم کے دوران میں اپنے حقیقی نام و نشان کی تلاش کا خیال میرے دل و دماغ پر حاوی رہا، چنانچہ انگریزی میں یہودی قوم کے متعلق جس قدر کتابیں مجھے مل سکیں میں نے بڑے حریصانہ ذوق و شوق کے ساتھ پڑھ ڈالیں۔ تھوڑی ہی مدت میں یہودیوں کی

المناک تاریخ میرے لئے اس قدر جانی بوجھی تاریخ بن گئی کہ اس سے متعلق صفحہ قرطاس پر ابھرنے والی خیالی تصویریں بسا اوقات اپنے گردو پیش پھیلی ہوئی حقیقی زندگی سے بھی زیادہ حقیقی نظر آتیں۔ ایک ننھا سا لڑکا آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے، تلمود کی ایک جلد آگے رکھی ہے اور پڑھ رہا ہے سر پر مخمل کی ٹوپی ہے کانوں تک لمبے بال ہیں، بڑی بڑی آنکھوں سے حزن و ملال ٹپک رہا ہے، صبح سے شام تک وہ اپنے اسباق میں مستغرق رہتا ہے۔ یہ قرون وسطیٰ کے یورپ کے ممتاز یہودی فاضل راشی کے بچپن کی تصویر ہے یہ موسیٰ ابن میمون ہے ایک اور نامی گرامی یہودی مفکر، صلاح الدین کا طبیب خاص موسیٰ اپنے ایک دوست کو خط لکھ رہا ہے جس میں قاہرہ کے کٹھن اور مصروف شب و روز کا ذکر ہے مسلم اسپین میں یہودی کلچر کا درخت بہار پر ہے اور پھر جورو تعدی، تعذیب و عقوبت اور قتل عام کا مسلسل چکر چل پڑتا ہے یہ ہے اسپینی کلیسا کی عدالت احتساب اور یہ یورپ کے یہودیوں کو عام آبادی سے کاٹ کر غیتو میں دھکیلا جا رہا ہے۔

نیویارک میں میری خیلری بہن کے گھر کے سامنے، سڑک کے پار ایک ربانوی درس گاہ تھی یہاں متدین والدین اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو مذہبی تعلیم کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ بچے مخمل کی ٹوپی سر پر اوڑھے، کانوں تک لمبے بال لہرائے، عبرانی کتابوں کا پلندہ اٹھائے درس گاہ جاتے اور دن بھر قطار میں بیٹھے آگے پیچھے جھوم جھوم کر بیٹھے اور توراۃ اور تلمود پڑھتے رہتے ہمارے کالی سیاہ داڑھی والے استاد بڑے سخت گیر تھے۔ نظم و ضبط کا بڑا خیال رکھتے تھے، ایک لمبا سا موٹا ڈنڈا ان کے ہاتھ میں ہوتا اور سست اور کام چور شاگردوں کی خبر لینے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے۔ پھر بینا گاگ کے ماتمی گیت تھے، جنہیں ہم ہمیشہ اندوہ گیں لے میں گایا کرتے تھے۔

یہ سارے تجربات ہر چند میرے بچپن کا ایک حصہ بن چکے تھے، لیکن میرا گھرانا اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ میں ایک کٹر مذہبی گھرانے میں نہیں ''اصلاح یافتہ'' گھرانے میں پیدا ہوئی تھی جو مسیحی معاشرہ میں بڑی حد تک جذب ہو چکا تھا، میرے والدین یہودی شریعت پر عمل کرتے تھے، نہ میرے قریبی رشتہ دار امریکہ میں رہنے والے یہودیوں کی غالب اکثریت اصلاً روسی ہے، مگر ان کے برعکس ہمارا گھرانا جرمن تھا ہم لوگ روسیوں کی طرح جبر و تشدد اور قتل عام کے نکالے ہوئے نہ تھے بلکہ سوسوا سو سال

پہلے اقتصادی ترقی کی تلاش میں اپنی مرضی سے امریکہ چلے آئے تھے۔ مشرقی یورپ کے یہودیوں کی طرح جرمنی کے یہودی غیتو کی الگ تھلگ زندگی سے نکل نہیں آئے تھے بلکہ وہ مسیحی معاشرہ میں ضم ہو چکے تھے، میری پردادی جو شکل وصورت میں جرمن خواتین کی طرح حسین، دراز قامت اور گورے رنگ کی تھیں، کرسمس ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے مناتی تھیں۔ اس تقریب پر وہ اپنے بیٹے بیٹیوں اور ان کے بچوں کو بڑے اہتمام سے تحفے تحائف دیتیں اور بڑا سا شجر عید آراستہ کرتی تھیں۔

ہم اصلاح یافتہ یہودی اپنے عبادت خانوں کو ''سینا گاگ'' نہیں ٹمپل کہا کرتے تھے۔ ان ٹمپلوں میں عبادت پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے طرز پر ہوا کرتی۔ تربیت یافتہ پیشہ ور مردوزن کا مخلوط طائفہ مشہور ومعروف مسیحی مناجاتیں بڑے سریلی دھن میں گاتا۔ اس طائفے میں متعدد مسیحی بھی ہوتے، مناجاتوں کے وہ سارے الفاظ بدل ڈالے گئے تھے جن سے یہودی حاضرین اجتماع کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ ہماری دعائیں تقریباً سب کی سب انگریزی زبان میں تھیں۔ ان میں عبرانی کے الفاظ نہ ہونے کے برابر تھے۔ جو احکام راسخ الاعتقاد یہودیوں کے نزدیک واجب العمل تھے ان کی پابندی ہمارے لئے لازمی نہ تھی۔ اصلاح یافتہ رہنما انہیں فرسودہ اور جدید زندگی کے لئے بے کار سمجھتے تھے۔ ہمارے گھر کی فضا پڑوس کے مسیحی گھروں سے ذرا بھی مختلف نہ تھی ہم بھی راسخ الاعتقادی سے اتنے ہی بیگانہ تھے جتنا کہ ہمارے پڑوسی۔ بس ایک چیز نے ہمارے یہودی تشخص کو معدوم ہونے سے بچا رکھا تھا اور یہ بات بجائے خود حیران کن تھی کہ مسیحی معاشرہ میں ''انضمام'' کے باوجود ہم لوگوں میں مسیحیوں کے ساتھ شادی بیاہ کا رواج نہ تھا۔ اسی طرح ہمارے معاشرتی تعلقات بھی اپنی ہی نسل وقوم تک محدود تھے۔

مجھے اصلاح یافتہ یہودیت سے سخت نفرت تھی میرے نزدیک وہ جدید مغربی زندگی کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کی کوشش میں کھوکھلی اور بے معنی باتوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ مقدس شریعت سے کلیتاً اعراض کے نتیجے میں اس کے پیرو محض برائے نام یہودی تھے۔ تحریک اصلاح نے فی الحقیقت یہودیت کو اس کی روح اور معنویت سے عاری کر دیا تھا، اور نام کے سوا اس کے دامن میں کوئی شے باقی نہ چھوڑی تھی۔ اکثر ترقی یافتہ یہودی، جنہیں میں جانتی تھی، ملحد تھے۔ یہ لوگ چند ایک یہودی رسوم سے محض

عادات، خاندانی روایات یا معاشرتی مجبوریوں کی بناء پر چمٹے ہوئے تھے۔

تحریک اصلاح کا مقصد ان یہودیوں کو گرویدہ بنانا اور سنبھالنا تھا جو بصورت یہودی مسیحی معاشرہ میں اس طرح مدغم ہو جاتے کہ یہودی تشخص کا کوئی نشان باقی نہ رہتا، چنانچہ یہودیت کو صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے ایک نئے سانچے میں ڈھال کر ہم عصر امریکی زندگی کے مطابق بنا دیا گیا۔ تحریک اصلاح کے اس تصور کا جبلی بوداپن مجھ پر جلد آشکارا ہو گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ تحریک یہودیوں کے ثقافتی انضمام کو روکنے میں نہ صرف ناکام ہو رہی ہے بلکہ اس نے الٹا اس عمل کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہم وطن یہودیوں کی پہلی پود، خصوصاً وہ جو مشرقی یورپ سے تعلق رکھتی تھی، اپنے عقائد میں بڑی پختہ، پرجوش اور مخلص تھی، تاہم ان کے بچوں کا طرز عمل بالکل مختلف تھا، انہوں نے پبلک اسکولوں میں تعلیم پائی تھی اور امریکی طرز زندگی کو اپنا لیا تھا۔ یہودی قانون و رسوم مذہبی مراسم عام فضا میں اس قدر اجنبی بن گئی تھے کہ جب بزرگوں نے ان قوانین و رسوم کو اپنی نوخیز نسل پر بجبر نافذ کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے قوانین و رسوم اور بزرگوں کے اقتدار دونوں کے خلاف بغاوت کر دی، تاہم ''یہودی ہونے'' کے تصور سے ان کی وابستگی بڑی گہری تھی اس لئے یہودیت کو کامل طور سے خیرباد کہہ دینے کے بجائے وہ اصلاح یافتہ ٹمپل کے رکن بن جاتے۔ اس سے ان کی معاشرتی حیثیت بھی قوم کی نظر میں خاصی بڑھ جاتی کیونکہ اصلاح یافتہ ٹمپل میں شرکت کے لئے روپیہ درکار تھا اور رکنیت صرف بالائی طبقات تک محدود تھی۔ تیسری نسل نہ صرف یہودیت کی روح اور اس کے مضمرات بلکہ نام کو بھی ترک کر دینے کے لئے بے قرار تھی، چنانچہ جب میں جوانی کی عمر کو پہنچی تو میرے والدین اس آخری رکاوٹ کو بھی رفع کر چکے تھے جو انہیں غیر یہودی قوم سے الگ کرتی تھی وہ ایک لاادری (Agnostic) انسان دوست تنظیم اتھیکل کلچرل سوسائٹی (Ethical Cultural Society) میں شامل ہو گئے۔ چند سال بعد وہ اس تنظیم سے اس لئے غیر مطمئن ہو گئے کہ اس کے ارکان کی غالب اکثریت یہودی نژاد تھی، چنانچہ ایک نواحی یونیٹرین چرچ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اگرچہ اس چرچ نے مسیحیت کی ظاہری سج دھج کو ہاتھ سے جانے نہ دیا تھا تاہم اس کے تصورات اتھیکل کلچرل سوسائٹی سے مماثل تھے۔ میری بڑی بہن نے جب دیکھا کہ امی اور ابا

یونیٹرین بن کر بے حد مطمئن اور مسرور ہیں تو اس نے بھی فوراً اپنے شوہر سمیت ان کی پیروی کی۔ اس کے دو بچے غالباً اپنا شمار کبھی یہودیوں میں نہ کریں گے حتیٰ کہ ان کے نام سے بھی ظاہر نہ ہوگا کہ وہ ایک یہودی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح جذب و انضمام کا عمل مکمل ہو گیا۔

اصلاح یافتہ یہودیوں میں یہ مفروضہ عام ہے کہ یہودی مظلوم و ستم رسیدہ قوم اس لئے ہیں کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے ''مختلف'' ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ اس ''اختلاف'' کو رفع کر دیا جائے تو ساری عداوت اور آویزش جاتی رہے گی۔ میں نے اس طرز استدلال کو کبھی مؤثر نہ پایا۔ خصوصاً جب کہ مجھے خوب علم تھا کہ ہٹلر کی نازی حکومت کے تحت انسانی باڑوں (Concentration camps) میں جو ۶۰ لاکھ سے زائد یہودی مارے گئے تھے ان کی اکثریت اسی طرح کاملاً ''ضم شدہ'' تھی جس طرح کہ ہم۔

یہودیوں اور عربوں کی باہمی قرابت میرے لئے بچپن ہی سے مسحور کن تھی۔ یہودی کتابوں میں میں نے پڑھا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں قوموں کے باپ ہیں۔ یہودی ان کے بیٹے اسحٰق علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور عرب اپنا سلسلۂ نسب ان کے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ کیا یہ محض ایک افسانہ تھا یا حقیقتاً امریکہ میں ''سامی دشمنی'' کی اصطلاح یہودیوں سے نفرت اور بغض وعناد کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔ اس لفظ کا اطلاق کبھی عربوں کے سلسلے میں نہیں ہوا۔ تاہم جغرافی خصوصیات طبعی ہیئت اور تہذیب و ثقافت کی اصطلاح میں عرب کہیں زیادہ خالص ''سامی'' ہیں یورپ میں صدیوں اقامت کی وجہ سے یہودیوں کی ارثی خصوصیات کی طرح عربوں کے ساتھ رشتہ داری کا رنگ بھی اگرچہ پھیکا پڑ چکا ہے تاہم اساسی طور پر یہ ایک جدی قرابت اب تک باقی ہے۔ میں بہت سے یہودیوں کو جانتی ہوں اور ان میں سے بعض میرے اپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جو خدوخال کے اعتبار سے بالکل عرب نظر آتے ہیں۔ ایسے عرب جو اگر بطور مفروضہ ہی سہی، خالص یورپی نژاد ہوں۔

۱۹۴۸ء کی جنگ فلسطین کے دوران امریکہ میں صہیونی پروپیگنڈا اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے صہیونیوں کے حق میں رائے عامہ کو ہموار

کرنے کے ساتھ ساتھ عربوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے کی منظم مہم انتہا پر تھی۔ میں نے صہیونی پروپیگنڈہ کی فریب کاری اور بودے پن کو خود بخود بھانپ لیا۔ عربوں کے ساتھ میری روز افزوں ہمدردی سے میرے گھر والے دہشت زدہ ہو گئے۔ عربوں کی تاریخ اور ان کی تہذیب و ثقافت سے متعلق پبلک لائبریری میں جس قدر کتابیں ملیں میں نے پڑھ ڈالیں۔ باوجودیکہ ان کتابوں کے اکثر مصنفین کا لب ولہجہ غیر ہمدردانہ بلکہ بڑی حد تک معاندانہ تھا۔ ان کے مطالعے سے مجھے یقین ہو گیا کہ عربوں کے خلاف صہیونیوں کا پروپیگنڈا یکسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ ان دنوں میں عربوں کے متعلق جو بات بھی پڑھتی اس سے ازحد متاثر ہوتی حتیٰ کہ ٹھیک وہ خصوصیات جو ایک عام یورپی اور امریکی کو ناگوار گزرتی ہیں مجھے دل کش معلوم ہوتی تھیں۔

سال پر سال گزرتے چلے گئے۔ اس عرصے میں بتدریج یہ حقیقت مجھ پر آشکارا ہو گئی کہ عربوں نے اسلام کو سربلند نہیں کیا بلکہ اسلام نے عربوں کو عظمت عطا کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوتے تو عرب آج قطب شمالی کے اسکیمو اور جنوبی افریقہ کے زولو قبائل کی طرح گمنام اور پردۂ تاریکی میں مستور ہوتے۔ اسی طرح قرآن کریم عربی زبان میں نازل نہ ہوتا تو آج عربی اگر ناپید نہیں تو دنیا کی غیر اہم اور بے مایہ زبانوں میں شمار ہوتی۔ چونکہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے اور قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا اس لئے دنیا کا ہر مسلمان خواہ وہ کسی قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے، ثقافت کے اعتبار سے عرب ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

> ''عربوں سے تین امور کی بناء پر محبت کرو۔ میں عرب ہوں، قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی''۔ (بیہقی)

ہمارے بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلام کی ان ہدایات کو رد کر دیتے ہیں جو عرب ماخذ کی مظہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ہدایات مقامی نوعیت کی ہیں اور اُس خاص دور کی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود و باش رکھتے تھے۔ اس سوسائٹی کے لئے تو یہ معقول اور صحیح تھیں، لیکن اب فرسودہ ہو چکی ہیں، اس لئے انہیں ترک کر دینا چاہیئے، تاہم سچے اور مخلص مسلمانوں کے نزدیک حضورؐ کا

عرب ہونا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ اللہ چاہتا تو ہمارے نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم یونانی، رومی یا انگریز بھی ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری قوموں کو چھوڑ کر اگر ایک عرب کو خاتم النبیینؐ بنایا تو اس کی اس مشیت کے پیچھے یقیناً کوئی معقول سبب کارفرما تھا۔

یہودیت اور اسلام کے درمیان روحانی رشتہ اسلام اور عیسائیت سے زیادہ مستحکم اور گہرا ہے، یہودیت اور اسلام دونوں توحید کے قائل ہیں اور اس میں کسی قسم کی مصالحت یا مداہنت روا نہیں رکھتے۔ دونوں شریعت الٰہی کی کڑی پابندی کو نہایت اہم سمجھتے ہیں اور اسے خالق کائنات کی اطاعت و محبت کا نشان قرار دیتے ہیں۔ دونوں پروہت گری، تجرد اور رہبانیت کو مسترد کرتے ہیں۔ اسی طرح عبرانی اور عربی دونوں زبانوں میں بڑی نمایاں اور مؤثر مشابہت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ روایاتی راسخ الاعتقاد یہودیت اور اسلام جو ثقافتی فضا اور ماحول پیدا کرتے ہیں وہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ نیویارک کی ربانوی درسگاہوں میں تورات اور تلمود کی تلاوت کرنے والے ننھے لڑکے اپنے آپ کو کسی مسجد کے مکتب میں اجنبی محسوس نہیں کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس مقدس قانون پر بحث و تمحیص کرنے والے فاضل علماء کی مجلس میں ایک ربی خود کو اپنے گھر میں محسوس کرے گا۔

یہودیت میں مذہب قوم پرستی کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہو چکا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بمشکل امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ یہودیت کا لفظ ''یہودا'' سے ماخوذ ہے جو ایک قبیلے کا نام ہے، ایک یہودی یہودا قبیلے کا فرد ہوتا ہے، اس مذہب کے نام سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کوئی عالمگیر پیغام اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ کوئی یہودی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے اس نازل کردہ پیغام پر ایمان رکھنے اور اس کی پیروی کو تقاضائے ایمان سمجھنے کی بناء پر یہودی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لئے یہودی ہے کہ یہودی ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ اب چاہے وہ کھلے بندوں ملحد بن جائے اپنے یہودی بھائیوں کی نظر میں یہودی ہی رہے گا۔

اس فساد کامل نے قوم پرستی کے ساتھ مل کر یہودی مذہب کو روحانی طور پر مفلس وقلاش کر دیا ہے۔ خدا پوری نوع انسانی کا خدا نہیں ہے بلکہ صرف اسرائیل کا خدا ہے۔ کتاب مقدس اللہ کی نازل کردہ وحی نہیں ہے جو پوری نوع انسانی کی طرف بھیجی گئی

ہے بلکہ بنیادی طور پر یہودیوں کی تاریخ ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول نہ تھے بلکہ محض یہودی بادشاہ تھے۔ یہودیوں کی نجات کا انحصار آخرت میں کامیابی پر اتنا نہیں ہے جتنا کہ فلسطین کی واپسی پر ہے۔ یہودی جس قدر تہوار مناتے ہیں مثلاً حنوکہ، پورم اور پساش وغیرہ سب مذہب سے زیادہ قومی اہمیت کے حامل ہیں۔ صرف ایک تہوار خالص مذہبی نوعیت کا ہے اور وہ ہے یوم کپر (یوم کفارہ) اس قوم پرستی ہی کی بنا پر یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام پر ایمان لانے سے انکار اور انہیں بدعتی قرار دے کر ذلیل اور رسوا کیا۔ کیونکہ یہ حضرات جو عالمگیر پیغام دے رہے تھے وہ یہودیوں میں عام پھیلے ہوئے قومی جذبے سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے رسالت کا منصب لے لیا اور ان کے ایک جدی قرابت داروں یعنی عرب کو عطا کر دیا۔

توقع کے عین مطابق یہودیوں نے ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دعوت کو ماننے سے انکار کیا اور شد و مد سے مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول! ایک امی عرب کو منتخب کرلیا تھا یہ یہودیوں کی قومی خود پسندی پر ناقابل برداشت ضرب تھی۔

چنانچہ اسلام اور اسلامی افکار و تصورات کے ساتھ میری روز افزوں ہم خیالی کو دیکھ کر میرے واقف کار یہودی غضب ناک ہو گئے۔ ان کے نزدیک میں نے ان سے سخت دغا کی تھی۔ وہ مجھے بے غیرت قرار دیتے اور کہتے کہ میرا یہودیت سے انکار اپنی آبائی میراث اور یہودی قوم سے شدید نفرت کا نتیجہ ہے۔ وہ مجھے متنبہ کرتی کہ میں نے مسلمان ہونے کی کوشش کی تو اہل اسلام مجھے کبھی دل سے قبول نہیں کریں گے۔ یہ خدشات کلیتاً بے بنیاد ثابت ہوئے آج تک کسی مسلمان نے مجھ پر یہودی النسل ہونے کی بنا پر انگشت نمائی نہیں کی۔ جب میں مشرف بہ اسلام ہوئی تو مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے میرا خیر مقدم کیا اور اس طرح پیش آئے گویا میں انہی کی ایک فرد تھی۔

آج یہودی سب سے زیادہ اس بات پر سر افتخار بلند کرتے ہیں کہ وہ صدیوں مسلسل جبر و ظلم کی چکی میں پسنے اور بے دردانہ ذبح کئے جانے کے باوجود بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ یہ لاف زنی کرتے ہوئے بھی نہیں تھکتے کہ دوسری بے شمار قومیں

جو دولت اور تعداد میں ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں، صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، لیکن ان کا وجود بڑے فاتحانہ انداز میں باقی رہا۔ چونکہ یہودیت کا مذہبی پہلو کمزور پڑ چکا ہے اور خود یہودی بھی لادینیت اور مادہ پرستی کا شکار ہو گئے ہیں اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک یہودی بچ نکلے ہیں، مگر کس مقصد کی خاطر؟ میری مرزبوم میں ایک یہودی بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس سوال کا جواب دینا تو درکنار کبھی اپنے آپ سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارا کی ہو۔ جیسا کہ ہرنئی روشنی کے یہودیوں کا نقطۂ نظر ہے وہ لوگ بھی محض حیاتیاتی اور لادینی سیاسی مفہوم میں زندہ بچ رہنے کو کافی سمجھتے ہیں، اسے ستم ظریفی ہی کہہ سکتے ہیں یہ ''ربانیوں، خادمانِ دین اور خدا کے برگزیدہ بندوں'' کی وہ قوم ہے جس کا مقصد حیات دنیا کو خدا کی وحدانیت کے علم اور اس کے مقدس فرامین کے نور سے منور کرنا تھا۔

میں نے اسلام اپنے اجداد کی میراث اور اپنی قوم سے نفرت کی بنا پر قبول نہیں کیا۔ میری اس خواہش کے پیچھے استرداد سے زیادہ تکمیل کا جذبہ کارفرما تھا۔ میرے لئے اس کا مطلب ایک جاں بلب اور محدود مذہب کو چھوڑ کر ایک ایسے متحرک اور انقلابی مذہب کو اپنانا تھا جو عالمگیر اقتدار اعلیٰ سے کم تر کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا؟ چنانچہ بنی اسرائیل ہی کے ایک اور فرد کی زبان میں، جس نے وہی راہ سفر اختیار کی جس پر میں گامزن ہوں کہہ سکتی ہوں:

> ''میرے جداعلیٰ ابراہیم، مجھے یہاں (مکہ میں) دیکھ کر میری آمد کا مقصد بخوبی سمجھ لیتے۔ ان کے رفیع الشان پُرجلال تجربے کے لئے میرا یہ حقیر وناتواں اضطراب کوئی معمانہ ہوتا۔ وہ فوراً جان لیتے، جیسا کہ اب میں جان چکا ہوں، کہ میرے دُور دراز کے سفروں کا مقصد ایک ایسی دنیا سے وصال کی مخفی خواہش میں پایا جاتا ہے، جس کی زندگی کے عمیق ترین مسائل بلکہ خود حقیقت تک رسائی کا انداز ان تمام طور طریقوں سے بالکل مختلف ہے جن کا میں اپنے بچپن اور نوجوانی کے دنوں میں خوگر رہا تھا۔ پھر میرا عرب کی اس سرزمین میں آنا کیا حقیقت میں اپنے گھر واپس آنے کے مترادف نہ تھا؟ ہاں، کیا یہ مراجعت وطن نہ تھی؟ روح کی مراجعت وطن، جو ہزاروں سال پیچھے مڑ مڑ کر اپنے پرانے گھر کی تلاش

میں مصروف رہی تھی ۔ ہاں میرا یہ سفر اس عرب آسمان کی خاطر تھا، جو کسی بھی دوسرے آسمان سے زیادہ سیاہی مائل، زیادہ بلند، زیادہ ستاروں سے بھرپور اور بارونق ہے۔ جو میرے اجداد کی طویل نقل مکانی پر محرابی چھت بنائے کھڑا ہے اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میرا راستہ اپنی ساری طوالت کے باوجود کتنا آسان اور سہل تھا وہ راستہ جو ایک ایسی دنیا سے جو میری نہ تھی اس دنیا کی طرف جاتا ہے جو فی الحقیقت میری اپنی تھی''۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: عائشہ عدویہ **ملک کا نام**: امریکہ

# اللہ نے مجھے کفر کی غلاظت سے نکال کر اسلام کی پاکیزگی وطہارت سے ہم کنار کیا

عائشہ عدویہ ایک امریکی نومسلم خاتون ہیں۔ انہوں نے ایک پاکستانی سے شادی کی ہے اور دونوں میاں بیوی نیویارک میں درآمد و برآمد کا کاروبار کرتے ہیں۔ عائشہ عدویہ ''سسٹرز اِن اسلام'' (خواہرانِ اسلام) کی رکن ہیں۔ یہ تنظیم کولمبیا یونیورسٹی کی مسلم طالبات نے قائم کی ہے۔ یہ تنظیم مسلمان طالبات اور عورتوں میں دینی شعور کو اجاگر کرنے اور ایک غیر مسلم معاشرہ میں خواتین کی دینی تربیت کا ایک چھوٹا مگر مؤثر ادارہ ہے۔

ایک ملاقات میں عائشہ عدویہ نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا میں نے سولہ برس پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے کہا مجھے اپنی ابتدائی زندگی میں اطمینان حاصل نہیں تھا۔ میں حقیقی سکون کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی کہ ایک دن میری نظر ایک امریکی نومسلم میلکم ایکس کی کتاب پر پڑھی۔ اس کتاب میں اسلام کا تعارف کرایا گیا تھا، میں نے اس کتاب کو سرسری طور پر پڑھا، تو اس سے بہت متأثر ہوئی میں نے اسلام کو ایک سادہ اور آسان مذہب محسوس کیا، میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ اسلام فطرت کے بہت قریب ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہی اصل زندگی اور اس کی حقیقت ہے۔ میں نے اسلامی تعلیمات کا مزید مطالعہ کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ تمام راز ہائے سربستہ ایک ایک کر کے کھلتے جارہے ہیں اور میں ایک نئی روشنی کی طرف جارہی ہوں۔ رفتہ رفتہ مجھ پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑنے لگے اور میرے رہن سہن اور دوسرے طریقوں میں حیرت انگیز تبدیلیاں خود بخود رونما ہونے لگیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی نامعلوم ہستی میری رہنمائی کر رہی ہے اور مجھے

ہدایات دے رہی ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے عائشہ عدویہ نے کہا کہ میں ایک ماڈرن اور سرکش لڑکی تھی۔ میں بلا کی سگریٹ نوش تھی اور شراب بھی خوب پیتی تھی، جب میں نے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں پڑھا کہ اسلام میں شراب حرام ہے، عورت کو عریاں لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اصول اور معیارات مقرر ہیں تو میں کسی نامعلوم طاقت کے اشارے پر ایک ایک کر کے اپنی تمام بری عادات ترک کرتی گئی۔ میں نے سگریٹ نوشی چھوڑ دی اور شراب کو ہاتھ تک لگانا بند کر دیا۔

جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تو اس سے بہت پہلے میں دل میں اسلام قبول کر چکی تھی۔ مجھ پر احسانِ خداوندی ہے کہ اس نے مجھے گندگی کے ڈھیر سے نکال کر اسلام کی پاکیزگی اور طہارت سے ہم کنار کیا۔

عائشہ عدویہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں دنیا کے مختلف ملکوں کا دورہ کرتی رہتی ہیں، وہ بہت سے مسلم ملکوں کے بارے میں اپنے تأثرات ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

مسلم ملکوں میں جگہ جگہ مساجد اور ان مساجد سے بلند ہوتی ہوئی اذان کی آوازیں مجھے بہت سکون بخشتی ہیں، لیکن مجھے مسلم ملکوں کی مسلمان عورتوں سے بہت مایوسی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ مسلم ملکوں میں بیشتر مسلمان عورتیں مغرب کی طرف مائل ہیں، وہ خود کو ماڈرن ثابت کرنے کے شوق میں مغرب کی تہذیب اور لباس اختیار کر رہی ہیں، جب کہ مغربی ممالک میں جو لڑکی یا عورت اسلام کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ اس معاشرے کی قید سے خود کو سب سے پہلے آزاد کرتی ہے جہاں منشیات، شراب، عریانی اور بے راہ روی تمام حدود کو پار کر چکی ہے۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے لیکن اسلام کی صورت میں دنیا کی سب سے بیش قیمت چیز حاصل کرنے کے لئے مغرب کی عورت اپنے معاشرہ سے مکمل طور پر بغاوت کرتی ہے۔

وہ جانتی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا درجہ کتنا بلند ہو گیا ہے۔ درحقیقت اسلام نے عورتوں کو جو درجہ اور مقام دیا ہے اس کو غیر مسلم عورت سمجھ ہی نہیں سکتی اِلّا یہ کہ وہ اسلام کا بغور مطالعہ کرے۔

عائشہ عدویہ نے بتایا کہ مسلم ملکوں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلامی

تعلیمات کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ انہوں نے علماء پر زور دیا کہ وہ اپنے ملکوں کی نوجوان نسل کی راہنمائی کریں اور ان کو مغرب کی مرعوبیت سے نجات دلائیں اور ان کو اس آب حیات سے روشناس کرائیں جس کی تلاش میں مغرب سرگرداں ہے۔

عائشہ نے مسلم ملکوں کے انگریزی اخبارات پر تنقید کی اور کہا کہ درحقیقت یہ اخبارات نوجوان نسل کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مسلم ملکوں میں مغرب زدہ عورتیں حقوق کی باتیں کرتی ہیں، اگر ان کے مطالبات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان مطالبات کی آڑ میں اسلام سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتی ہیں۔ اگر مغربی معیارات کی عینک سے عورت کو نہ دیکھا جائے تو اسلام میں عورت کا مقام اور درجہ کوئی متنازعہ سوال ہی نہیں ہے۔ بعض مسلمان عورتوں کی طرف سے حقوق کے مطالبہ پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس بات کا مطالبہ کر رہی ہیں؟ کیا وہ وہی مقام حاصل کرنا چاہتی ہیں جو مغرب کی عورت اپنی حماقتوں سے حاصل کر چکی ہیں اور جہاں سے نکلنے کے لئے اب وہ تڑپ رہی ہیں۔

عائشہ عدویہ سے سوال کیا گیا کہ مغرب میں قبول اسلام کی رفتار کیا ہے، اور اسلام قبول کرنے والوں میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ کیوں ہیں تو انہوں نے کہا:

مغرب کے تمام ملکوں میں قبول اسلام کی رفتار خاصی تیز ہے لیکن اسلام قبول کرنے کی صحیح تعداد بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ میرے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جن سے میں اسلام قبول کرنے والوں کی صحیح تعداد بتا سکوں۔ لیکن یہ بات درست ہے کہ مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں میں عورتوں کا تناسب زیادہ ہے اس کی سب سے بڑی وجہ وہ مقام، درجہ، عزت اور احترام ہے جو اسلام عورت کو عطا کرتا ہے۔

صحیح اعداد وشمار تو میرے پاس بھی نہیں، تاہم یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ہمارے ہاں عورتیں زیادہ تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہیں اور اس کے عوامل میں سے اہم ترین اسلام میں عورت کا مقام ہے۔ مغرب کی عورت عدمِ تحفظ اور شدید استحصال کا شکار ہے، یقین کیجئے کہ نام نہاد حقوق کی تلاش میں عورت جب ایک مرتبہ گھر کی دہلیز پار کر جاتی ہے تو اس سراب کے پیچھے گھومتے گھومتے وہ اپنا آپ گنوا بیٹھتی ہے۔

میں مسلم ممالک کی خواتین کو یہی تنبیہ کرنا چاہوں گی کہ ہمارے تجربات سے

فائدہ اٹھایا جائے اور انہی راستوں پر بھٹکنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے اس مقام پر غور و فکر کیا جائے جو اسلام نے ہمیں عطا کیا ہے اللہ ہمارا آقا و مالک ہے، منصف و عادل ہے، بخدا اس نے ہم پر ظلم نہیں کیا، اسلام کو کھینچ تان کر من مانے مطلب دینے سے بہتر ہوگا کہ ہم اس کردار کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ نے عورت کو معاشرے میں ادا کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ عورت کا بنیادی کردار نسلوں کی پرورش و پرداخت ہے۔ یہ وہ عظیم کام ہے جس پر قوموں کے مستقبل کا دارومدار ہے۔ اس ذمہ داری سے نظر نہ چرائیں، اسے حقیر نہ سمجھیں، فخر محسوس کریں کہ اس اہم ترین منصب پر اللہ نے عورت کو فائز کیا ہے اور مرد کو آپ کی حفاظت اور ناز برداری پر مامور کیا ہے۔ وہ حقوق ضرور طلب کیجئے جو اس ذمہ داری کو باحسن نبھانے کے لئے آپ کو اللہ رب العالمین نے عطا کئے ہیں مگر خدارا اس دائرے سے باہر للچا للچا کر مت دیکھئے۔ وہ محض ایک سراب ہے، عورت کا حسن، اس کا وقار، اس کا احترام، مردانگی میں نہیں، فطرت کے اصولوں کے مطابق عورت بن کر رہنے میں ہے۔ عورت کو تعلیم دلوایئے، بہترین طریقے پر تاکہ وہ بہترین ماں بن سکے، عورت کی تربیت پر مرد سے بھی زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اس کی گود میں آئندہ نسلوں کا مستقبل ہے۔

**اسلامی نام:** صوفی رولڈ **ملک کا نام:** ناروے

# قرآن نے صوفی رولڈ کو صحیح راہ دکھائی

میں نے سر ڈھانکنا شروع کیا تو میرے باپ کا تبصرہ یہ تھا کہ ''بڈھی کھوسٹ لگنے لگی ہو''۔ یہ تبصرہ آجکل عام ہے، لوگ سر پر اسکارف باندھنا ترک کر چکے ہیں، اس لئے شاید وہ مجھے عجوبہ سمجھتے ہیں۔ بہرحال میں تو اپنے آپ کو عجوبہ نہیں سمجھتی ہوں میں مسلمان ہوں اور اس طرح میں ناروے میں غیر ملکی سی ہوگئی ہوں۔ میرے مسلم احباب زیادہ تر عرب یا پاکستانی ہیں، اس ماحول میں مجھے گرم جوشی، تدبر اور دانائی ملتی ہے، ایسی دانش جو ناروے کے انفرادیت پرست ماحول سے کوسوں دور ہے۔

۲۹ سالہ اپنے صوفی رولڈ جنہوں نے اوسلو یونیورسٹی سے بی اے کیا ہے اس سوال کا جواب دے رہی تھیں کہ نارویجن ہوتے ہوئے وہ ڈھیلے ڈھالے لباس پہننے اور سر پر اسکارف باندھنے پر کیسے آمادہ ہوگئیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، مسجد جانا اور رمضان کے روزے رکھنا شروع کر دیئے۔

میں ہمیشہ سے حق کی متلاشی رہی ہوں۔ ایسے نظریے کی تلاش میں رہی ہوں جو نارویجن مادیت پرستی کی سطحیت سے مختلف اور فکری گہرائیوں پر مشتمل ہو۔ میں سیاست میں فعال تھی، میرے بہت سے بوائے فرینڈ تھے، میں نشے کی عادی تھی اور سگریٹ اور شراب پیا کرتی تھی۔ میری زندگی عام لڑکیوں کی طرح بے چینی کا شکار تھی۔

یونیورسٹی میں تاریخ مذاہب کا مطالعہ کیا، اس کے ساتھ ہی جزوقتی ملازمت کرتی رہی، میں عموماً اپنے پاکستانی اور دیگر ساتھیوں سے مذہبی مباحثے کرتی اور وہ مجھے اپنے گھر اپنے اہل خاندان میں مدعو کیا کرتے۔

وہ مجھے کھلے دل اور گرمجوشی سے خوش آمدید کہتے، والہانہ اندازِ استقبال، ہم نارویجنز کے لئے نامانوس تھا، اس ماحول میں، میں نے عربی میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور قرآن حکیم پڑھنے لگی۔ اسلام نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور خدا سے براہ راست تعلق

قائم کر دیا۔ یہ رشتہ اس رشتہ سے زیادہ قریبی اور اس تعلق سے زیادہ مستحکم تعلق تھا جو دل کے حوالہ سے ایک مرد ایک عورت سے یا ایک عورت ایک مرد سے رکھتی ہے، ویسے ناروے میں خواتین حامی مساوات نسواں ہیں، اس کی پرچارک ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اس اہمیت کی بازیافت کرلی جو جنسِ نسواں سے تعلق کے باعث مجھے حاصل تھی۔ دیگر باتوں کے علاوہ خواتین کا ایک گروپ مسجد میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اس میں دیگر نارویجن خواتین بھی شامل ہوگئیں۔

صوفی سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے بعد آپ ناروے کی دیگر لڑکیوں سے انتہائی مختلف ہوگئیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے نمایاں فرق لباس کا تھا۔ میں نارویجن معاشرہ میں مسترد کر دیئے جانے والے لباس میں ملبوس رہنے لگی، نقاب کا استعمال بھی شروع کر دیا، یہ دو طرح سے مجھے تحفظ فراہم کرتا ہے، اولاً یہ کہ اس کے باعث کوئی مجھے پرکشش خیال نہیں کرتا، چنانچہ مجھے احساس ہو جاتا ہے کہ یہ ظاہر کے پجاری ہیں اور ان کے نزدیک میرا عمل ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔

جب میں مسلمان ہوگئی تو میں نے ظاہری شان وشوکت اور دکھاوے کے شوقین لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ میرے نزدیک اہمیت اس بات کی ہے کہ مرد تمام معاملات میں شریعتِ خداوندی کا پیروکار ہو۔

میں روزانہ پانچ وقت نماز پڑھتی ہوں۔ میں روزے رکھتی ہوں تاکہ اپنے جذبات پر قابو رکھ سکوں اور اس تمام کا مقصد خدا کو یاد رکھنا ہے، میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ ہر چیز من جانب اللہ ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انسان منصوبے بناتا ہے اور خدا فیصلے کرتا ہے، چنانچہ مغرب کے خود پرستانہ طرز فکر سے باہر نکل کر پوری دنیا کو دیکھئے۔ میری اپنی ذمہ داریوں کو نئی روشنی میں دیکھئے، مغربی معاشرہ کا ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو کہ کسی عرب ملک میں رہنا پسند کرے، لیکن میں نے اسلام کا زیادہ علم حاصل کرنے اور اسلام کا پیغام اپنے اہل وطن تک زیادہ مؤثر طریقہ سے منتقل کرنے کا اہل ہونے کے لئے عرب ملک کا دورہ کیا۔ اسلام کے اصول اس قدر سچے اور فطری ہیں، اس کا انصاف کا قانون کس قدر منصفانہ اور مستحکم ہے، اس کا صحیح اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں مراکش گئی۔

تب میری سمجھ میں آیا آخر کیوں نارویجن جنت اور دوزخ کے تصور کو بمشکل قبول کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ہر وہ چیز ضرورت سے زیادہ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے اور ہم اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ سوچیں کہ ہمیں ان سے بہتر چیزیں بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔غریب ملکوں میں مزید بہتر کا خواب فطری اور سمجھ میں آنے والا ہے۔

صوفی سے پوچھا گیا کہ قران میں قوانین، ممانعات اور احکامات ہیں، بہت سے نارویجن کے نزدیک اسلام فرد کی آزادی کا منکر اور خواتین پر جبر کی علامت ہے۔ چنانچہ یہ کس طرح ممکن ہوا کہ وہ اپنے مذہب پر ایک ایسے معاشرہ میں عمل پیرا رہ سکیں جس پر اس سے قطعی برعکس اصولوں کی حکمرانی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ثقافت اور روایات بعض مسلم ممالک میں مذہب سے مضبوطی سے منسلک ہیں۔تاہم میں سمجھتی ہوں کہ آمریت، ناانصافی اور جبر و دباؤ و روایت پسندی کا عکس ہیں جن کا اسلامی نظریہ حکمرانی سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں قرآن حکیم کا مطالعہ کر رہی ہوں اور اپنے مذہب پر اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں کسی چیز کو نہیں کھو رہی۔ میرے نزدیک سب سے اہم اللہ کے احکامات کو قبول کرنا اور ان کی تعلیم دینا ہے۔ میں اس طرح سوچتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔اگر کوئی بات سمجھ نہیں پاتی تو میری سوچ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے بہتر علم رکھنے والا ہے۔

ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے مجھے مردوں سے قریبی تعلقات رکھنے سے دور رہنا ہے۔ میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ میں شاید کسی ایسے مرد سے شادی کروں جو محض دوسرے لوگوں کہ طرح مجھ سے ملا ہو، ایک عام مسلمان ہو، مسلمان شادی کرتے ہیں کیونکہ خاندان (Family) کا ہونا اہم ہے۔وہ ایک شریک زندگی پاتے ہیں وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور ان میں باہم محبت ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ مرد عورت کی ضرورت ہے، مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کو اس کی فطری ذمہ داریاں سونپے۔ ہماری نارویجن اقدار بھی یہی ہیں، لیکن یہاں کی خواتین پر عورت کی فطرت سے مطابقت نہ رکھنے والی ذمہ داریاں بھی ڈال دی گئیں ہیں۔ایک مسلم خاتون کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کو یکجا رکھے، ماں بنے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کرے۔

**سابقہ نام** : سمانتھا　　　**سابقہ مذہب** : عیسائیت
**اسلامی نام**: ہدیٰ خطاب　　　**ملک کا نام** : برطانیہ

# ہدیٰ خطاب (برطانیہ)

جب میں عیسائی تھی اور اسکول میں پڑھتی تھی تب بھی میرا خیال تھا کہ ایک لڑکی کو شادی سے پہلے بوائے فرینڈ سے بچ کر رہنا چاہیئے ۔ یہی وجہ تھی کہ میں چرچ کے یوتھ کلب کی ممبر ہونے کے باوجود صرف لڑکیوں ہی سے دوستی رکھتی تھی ۔ بعدازاں جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ اسلام جنسی اختلاط کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، لیکن جو چیز مجھے اسلام کی طرف کھینچ کر لائی تھی وہ پردہ تھا۔ مسلمان خواتین کا یہ شعار اور لباس غیر مردوں کی نظریں عورت کی طرف سے ہٹا دیتا تھا۔

یہ خیالات برطانیہ سے تعلق رکھنے والی معروف نومسلم مصنفہ ہدیٰ خطاب کے ہیں ۔ اس خاتون کا عیسائی نام سمانتھا تھا۔ ان کے والد نیوکلیئر پلانٹ کے سپروائزر تھے ۔ ننھی سمانتھا زیادہ عرصہ تک والد کا سایہ عاطفت نہ دیکھ سکیں اور بچپن ہی میں اس سے محروم ہوگئیں ۔ اس کے بعد ان کی تعلیم بلیک پول میں ہوئی ۔ وہ اپنی تعلیم کے آخری مراحل میں یونیورسٹی میں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہ ہدایت کھول دی اور وہ مسلمان ہوگئیں ۔ اس کے بعد شام سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان ناصر سے ان کی شادی ہوگئی اب وہ پارٹ ٹائم جاب بھی کرتی ہیں اور برطانوی سوسائٹی میں اشاعتِ اسلام کے لئے تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتی ہیں ۔

ایک ملاقات میں ہدیٰ خطاب نے بتایا ''میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو اگر چہ زیادہ مذہبی تو نہ تھا تاہم میں اور میرا بھائی اتوار کو گرجا ضرور جایا کرتے تھے ۔ ہمارے گھرانے کے طور اطوار بھی ویسے ہی تھے جس طرح ایک معزز انگریزی خاندانوں کے ہوتے ہیں ۔ جب میں بارہ برس کی تھی تو میری زندگی ایک بہت بڑے

سانحے سے دوچار ہوگئی، یہ سانحہ میرے والدین کی آپس میں طلاق اور علیحدگی کا تھا۔ اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ اپنی کلاس میں ہمیشہ اول رہی، لیکن اب میری زندگی مسرتوں سے دور تھی۔ میرا حلقۂ احباب بھی محدود تھا، حالانکہ انگریزی سوسائٹی میں حلقۂ احباب کے وسعت بھی ایک فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ میں پارٹیوں میں جانے سے کتراتی تھی۔ شراب، سگریٹ اور منشیات سے تو مجھے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا۔ یوتھ کلب میں میری دوست صرف لڑکیاں تھیں۔ میری طبیعت شرمیلی نہ تھی، مگر میں بچپن ہی سے لڑکوں سے دوستی کی قائل نہیں رہی، یہی دوری آئندہ زندگی میں مجھے راہ راست دکھانے میں بنیاد بن گئی۔''

اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ہدیٰ خطاب نے کہا کہ ''جب میں نے لندن میں اسکول آف اورینٹل اینڈ ایشین اسٹڈیز میں داخلہ لیا تاکہ عربی پڑھوں، تو اسلام اور عربی کے بارے میں میری معلومات بالکل صفر تھیں، لیکن جب میں نے عربی پڑھنا شروع کی اور اس میدان میں جوں جوں آگے بڑھتی گئی، اسلام کے بارے میں میرا شوق بڑھتا گیا۔ اسی اثناء میں میں نے استاد کے ذریعے بعض مسلمانوں سے روابط کئے تو مجھے مسلمانوں کی خاندانی زندگی نے بہت متاثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک مسلمان خاندان کے لوگ چاہے دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں وہ باہم قریبی تعلقات رکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب اس خوبی سے محروم ہو چکی ہے، مسلمانوں کی اس روایت نے میری اسلام سے قربت کو مزید بڑھا دیا، یہ بات مجھے اور بھی زیادہ اس لئے محسوس ہوئی کہ میرے والدین علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ ناجائز جنسی اختلاط روکنے کے لئے اسلام نے جو احکامات دیئے ہیں وہ بھی میرے لئے حد درجہ متاثر کن ثابت ہوئے، لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مسلمان عورتوں کی پردے کی روایت تھی۔ میں طلبہ و طالبات کی باہم چھیڑ چھاڑ دیکھ چکی تھی اس لئے پردے کی افادیت مجھے دوچند محسوس ہوئی، سچی بات یہ ہے کہ مغربی کلچر عورتوں کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ بن سنور کر نکلیں اور اپنے جسم اور حسن کی نمائش کرتی پھریں۔ اسی بناء پر عورتوں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ مردوں کو اپنی جانب راغب کرتی ہیں۔ مرد اپنی عادتِ بد کے باوجود اس الزام سے صاف بچ جاتے ہیں۔ اسلام کے نظریۂ حجاب کے مطالعے نے پہلی مرتبہ یہ حقیقت مجھ پر منکشف

کی کہ غیر مردوں میں عورتوں کا اپنے جسم اور حسن کی نمائش کرنا صریحاً حرام ہے جس کا خمیازہ انہیں دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے اور جس کی سزا انہیں آخرت میں بھی ملے گی۔

جب میں یونیورسٹی کے پہلے سال میں پہنچی تو اسلام کے بارے میں میرا مطالعہ اس قدر بڑھ چکا تھا اور میں بطور مذہب اس پر اس درجہ اعتماد حاصل کر چکی تھی کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں لندن کے ریجنٹ پارک میں سابق مشہور پاپ سنگر کیٹ سٹیونز (یوسف اسلام) سے میری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات نے اسلام کی طرف میری پیش قدمی کو مزید مہمیز دی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک تقریب میں میں نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس تقریب میں جو بہت سی مسلمان خواتین موجود تھیں ان میں میری ایک امریکی نومسلم سہیلی بھی موجود تھی۔ اس واقعہ نے میری زندگی میں اضطراب ختم کر کے اتھاہ سکون پیدا کر دیا۔ کچھ روز بعد میں مسلمان عورتوں کے ہاسٹل میں منتقل ہو گئی جہاں میں نے تفصیل سے سیکھا کہ مسلمان عورت کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ یہیں میں نے اپنا نام نسا سے ہدیٰ خطاب میں تبدیل کر لیا۔ البتہ میرا خاندان ابھی تک مجھے سابقہ نام سے ہی پکارتا ہے۔

ہدیٰ خطاب اپنے قبول اسلام کے ردعمل کے ضمن میں بتاتی ہیں کہ ''میرے خاندان کو میرے اس اقدام سے سخت صدمہ ہوا۔ والد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''اسلام تمہیں ہم سے دور کر دے گا'' اس کے باوجود انہیں اور خاندان کے دیگر افراد کو امید تھی کہ میرا اسلام کا دور عارضی ثابت ہوگا اور میں عیسائیت کی طرف واپس لوٹ آؤں گی، مگر ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ میں نے اچھی طرح جانچ پرکھ کر طویل مطالعے کے بعد اسلام قبول کیا تھا، میں اس سے منحرف کیسے ہو سکتی تھی، اب آہستہ آہستہ افراد خاندان میرے اسلامی کردار سے سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ میری سہیلیوں کا ردعمل بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ انہیں شدید حیرت تھی کہ میں نے تبدیلیٔ مذہب جیسا بڑا اقدم اٹھالیا ہے۔''

اپنے قبول اسلام کے بعد کے مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے ہدیٰ مزید کہتی ہیں ''اسلامی احکامات پر عمل درآمد میں مجھے کبھی دقت پیش نہیں آئی۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرنا میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہا، پردہ اختیار کرنے میں تھوڑی بہت دقت ضرور ہوئی تاہم چھ ماہ تک میں اس کی عادی ہو چکی تھی۔ اسی دوران میں میں نے لباس بھی

ایسا بنالیا جیسا اسلام کا تقاضا ہے۔''

ہدیٰ خطاب کی شادی یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہی ہوگئی تھی۔ وہ بتاتی ہیں:

''میری خواہش تھی کہ میری شادی اسلامی طریقے پر ہو اور شوہر ایسا عامل مسلمان ہو جو آئندہ زندگی میں شوہر کے ساتھ ساتھ دوست بھی ثابت ہو۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی سہیلی کو اعتماد میں لیا اور اسے اس ضمن میں تعاون کرنے کو کہا۔ میری اس سہیلی نے میری ملاقات شامی نژاد مسلمان ناصر سے کروائی۔ وہ پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔ حجاب میں ہونے کے باوجود میں اس ملاقات میں کافی نروس تھی، اسی ملاقات میں میں نے محسوس کرلیا کہ ناصر میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن کی مجھے تلاش تھی۔ چند روز بعد ہماری منگنی اور چھ ماہ بعد شادی ہوگئی۔ شادی سے پہلے ناصر سے میں نے دوبارہ ملاقات نہ کی۔ مغرب میں اسے چنداں معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہاں عورت شادی سے پہلے بھی شوہر سے جنسی اختلاط رکھتی ہے۔ ناصر نے شادی سے قبل مجھے بغیر حجاب کے نہیں دیکھا تھا، اس بناء پر دل میں یہ خدشہ موجود تھا کہ پتہ نہیں ناصر مجھے پسند کریں گے یا نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ شادی کے بعد دونوں ایک دوسرے کی پسند ٹھہرے اور باہم دوست بن گئے۔''

''میں نے اپنے شوہر کو تقاضائے اسلام کے مطابق اول روز سے اپنے سے برتر درجہ دیا ہے۔ مغربی تہذیب اس عمل کی نفی کرتی ہے اور مرد وزن کے لئے یکساں معیار کی علمبردار ہے، حالانکہ مرد وزن میں فطری فرق موجود ہے۔ مردوں کے اپنے تقاضے ہیں اور عورتوں کے اپنے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے لئے احکام وقوانین میں بھی فرق رکھا ہے۔ عورتوں نے جب سے مردوں کے برابر مقام کی جستجو کی ہے انہوں نے اپنے لئے مشکلات پیدا کرلی ہیں۔ وہ زندگی کی آسانیوں سے محروم ہوگئی ہیں۔''

ہدیٰ خطاب اپنی گفتگو مکمل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ مغربی تہذیب کا یہ فسوں اور غلط معیارات آخر کار ٹوٹیں گے۔ برطانیہ، امریکہ، جرمنی، فرانس اور دیگر ممالک میں جس رفتار سے اسلامی پیش قدمی جاری ہے وہ نہایت حوصلہ افزا ہے صرف برطانیہ میں پچھلے چند سالوں میں ۲۰ ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان نومسلموں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ صرف گلاسکو شہر میں ہر مہینے ایک خاتون مسلمان ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک روز آئے گا جب برطانیہ کی اکثریتی آبادی اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لے چکی ہوگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

**سابقہ نام** : مس جینی **سابقہ مذہب** :عیسائی، ہندو **ملک کا نام** :انگلستان

# انگلستان کی ایک خاتون کا قبول اسلام

## راہ حق کی مسافرت میں مشرق ومغرب کا امتیاز کیسا؟

جنگ آزادی کی یادگار تحریک ریشمی رومال کے آخری بزرگ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ کے تلمیذ رشید مجاہد اسلام حضرت مولانا عزیر گل صاحب کا کا خیلؒ اسیر مالٹا کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا کے احوال وسوانح پر کتب ورسائل میں اہم مواد شائع ہوتا رہا ہے۔ مولانا کی دوسری شادی ایک نومسلم انگریز خاتون مس جینی سے ہوئی جو بعد میں ''مدر'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ پاک باز خاتون اخلاص وللہیت، عملی شغل وانہماک، قرآن کریم سے تعلق کا ایک تابناک مثالی کردار چھوڑ کر گئیں۔ مرحومہ نے اپنی ایک انگریزی تصنیف ''دی بیلسنڈ وے'' (صراط مستقیم) میں اسلام کی طرف آنے سے پہلے کی زندگی اور بعد کے حالات تفصیل سے لکھے تھے۔ کتاب آج سے ۵۹ سال قبل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

ان کے حالات ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نے حیدر آباد دکن سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ''قرطاس وقلم'' کے حوالے سے مذکورہ کتاب سے اخذ کر کے ذیل کے مضمون کی شکل میں شائع کئے تھے جسے افادہ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں۔ میں ۱۸۸۵ء میں حیدر آباد (سندھ) میں پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے انصاف پسند اور

بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان اور ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں، مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہرحال میں چھ سال کی ہورہی تھی کہ مجھے تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ پیار رہا، میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میرے دوست واحباب مجھے شفقت سے ''ککو'' کہا کرتے تھے کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبے میں پیدا ہوئی مگر سب عیسائی متحد نہ تھے۔ عیسائیوں کے بہت سے فرقے تھے جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے تھے اس لئے عیسائی مذہب مجھ کو گورکھ دھندا سا لگا میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہوسکتے تھے مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا میں اکثر ''ان دیکھے مالک'' سے لو لگا کر دعائیں مانگا کرتی تھی۔

جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا، مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے ٹکراتے محسوس ہوئے مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے پر شک ہونے لگا کچھ عرصے بعد میری شادی ہوگئی مگر میرے شوہر ایک دنیادار عیسائی تھے وہ میری فکر وخیال کے ساتھی نہ بن سکے اس لئے میں نے فرصت کے وقت فلسفے کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اسپنسر ہکسلے اور دوسرے فلاسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

ان ہی دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی، مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مجھے مل گئی جس کی تلاش تھی ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کردیا۔ کچھ عرصے کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہوگئی، مجھے راما کرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کرلیا گیا، مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا چنانچہ میرا یقین ہل گیا مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ اسی زمانے میں، میں بیمار ہوگئی مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا وہاں میرے سات آپریشن ہوئے ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں

چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کرلوں، میں نے سوچا کہ دنیا ترک کردوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں لہٰذا میں نے ایک سو ساٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا...... یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے ان میں کون سی بات حق ہے اور کون سی غلط ہے کیسے معلوم ہو؟ میں ایک بار پھر الجھ گئی، مجھے خوف ہو گیا کہ اسی ذہنی الجھن میں پاگل نہ ہو جاؤں، مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے۔ نفسیاتی کش مکش بڑھ رہی ہے۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے میں نے اپنے گرو جی سے بات کی، مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو یہ سیاست کی باتیں ہیں ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے انداز پر حیرت ہوئی، میں انہیں خانقاہ میں چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی، مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد شروع کر دی، جس سے مجھے دل کا چین ملا اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے خانقاہوں کی زندگی سے نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کی جائے اس آشرم میں، میں نے ہندو مسلم کی قید نہیں رکھی، وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کرلوں میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کر سکوں گی اس نیت سے میں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے ''ڈاکو'' ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ تو اسرار حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی ویدانت تھا، آہ میں اب تک

کن اندھیروں میں تھی؟ افسوس کہ یورپ کی مشنریوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے۔ وہ مذہب جسے میں خواہ مخواہ بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا مذہب تھا، میرے اللہ! میں کیا کروں، میں نے تو ساری زندگی اکارت کردی۔ میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندومت چھوڑ دوں۔ میں نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی، قرآن مجید مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا، ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی تھی، مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی لوگ مجھے پیار سے ''ماں'' کہتے تھے میں مسلمان ہو جاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی۔

مگر مجھے اپنی روح خلجان سے بچانا تھی۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی، میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ میرے گرو بھائیوں نے کہا یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے، ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کرسکتی ہو۔ یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہوگا لیکن یہ بات میری دل میں اتر نہ سکی، میں سمجھ رہی تھی کہ راما کرشن نے حقیقت کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم ہوسکتا ہے کسی نام نہاد صوفی نے انہیں یہ بھرم دلا دیا ہو، میری ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے، مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھی اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کردیا، مگر اب ایک اور مشکل آئی، مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کردیا، وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے روپ دھارن کررہی ہے، میں خود شبہ میں پڑگئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کیلئے کافی نہ تھی۔

اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی میری لڑکی میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں، ہم نے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات کی، اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ تم حقیقتاً مسلمان ہو مولانا نے مسکرا کر کہا تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟ مولانا مدنیؒ کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی، انہوں نے ہماری بہت خاطر کی، بعد میں وہ ایک بار مجھ سے ملنے بنگلور بھی آئے تھے، ان ہی کے ساتھ مولوی عزیر گل صاحبؒ بھی تھے مولانا حسین احمد مدنیؒ انہیں بہت چاہتے تھے جیسے وہ دو دوست ہوں وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے۔ وہ کبھی کبھی

ایک دوسرے کو چڑاتے بھی تھے، مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا، وہ دن بھر ہمارے یہاں رہے، جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا مدنیؒ سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں، اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا، مگر عزیر گل کبھی کبھی آیا کریں گے، چنانچہ مولوی عزیر گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بلا جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں پھر بعد میں پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہوگئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعے میں لگی ہوئی تھی، کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کردیں گے، بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے، اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس خبر پر نہ مجھے تعجب ہوا نہ افسوس۔ میں مسلمان ہو چکی تھی، اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی رہا رزق! تو یہ اللہ کی دین ہے کم یا زیادہ ملے گا ہی۔ عزیر گل کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی، میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ہاں غربت ہے، افلاس ہے، پردہ ہے، مگر میرے لئے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیر گل کے گھر میں میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کی تواضع کرنے میں کیا لذت ہے، عزیر گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی، وہ نہایت شریف اور مہربان ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید خاندان کے تھے اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آگئے تھے۔ اب تو ہم دونوں راہ حق کے مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق و مغرب کیسے۔ ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں، ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی، میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے تھے انہوں نے مجھے راہ حق میں قدم بڑھانے سے روکا نہیں، میری زندگی ایک سفر ہے جو برسوں کی محرابوں سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے، مگر ختم کہاں ہو رہا ہے، زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی، میری راہ اسلام کی راہ ہے

یہی ایک سیدھی راہ ہے اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں اسی راہ پر چلتی رہوں پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

**سابقہ نام** :اسپلیہ **سابقہ مذہب** :عیسائی
**اسلامی نام**: آمینہ **ملک کا نام** :ہسپانیہ

# میں مرسکتی ہوں مگر اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی

سرزمین ہسپانیہ کئی عظیم انقلابات کا مرکز رہی ہے۔اس سرزمین پر مسلمانوں کی عظمت وسطوت کے جھنڈے کئی سوسال تک لہراتے رہے۔اس کے ذرہ ذرہ میں آج بھی مسلمان حکمرانوں کی عظمتوں کے چراغ جھلملاتے ہیں اسی ہسپانیہ میں سینکڑوں سال پہلے ایک ایسا خونی ڈرامہ کھیلا گیا جس کا تاریخ کے صفحات میں ذکر آج بھی ایک بہادر مسلمان خاتون کے کردار کی زندہ تصویر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بہادر اور عفت ماب خاتون اموی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

آمینہ اس دور میں پیدا ہوئی جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کی حکومت اور عظمت کا آفتاب گہنا چکا تھا اور ملک پر کئی صدیاں حکومت کرنے کے بعد اسلامی سلطنت اندرونی افتراق وانتشار کا شکار ہو چکی تھی۔اس دور میں ابوعبداللہ اندلس کے تخت پر متمکن تھا۔ عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کے باہمی اختلافات کے پیش نظر ہسپانیہ کے بڑے شہروں پر آہستہ آہستہ نہایت منظم طریقہ سے قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔آخر ہسپانیہ کی تاریخ میں وہ تاریک دن بھی آپہنچا جب ابوعبداللہ نے مجبور ہو کر اندلس کی حکومت عیسائیوں کے حوالے کر دی۔اور خود بصد حسرت و یاس ہسپانیہ سے نکل گیا۔ابوعبداللہ کے اس فیصلہ نے ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے ٹمٹماتے چراغ کو بھی گل کر دیا۔اس کے بعد ہسپانوی مسلمانوں پر جبر وتشدد اور ظلم کا ایک طویل دور شروع ہو گیا۔اس خونی دور کے گھناؤنے سائے آج بھی تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

خاندان اموی کی بہادر اور قابل فخر خاتون آمینہ کے باپ شہزادہ محمد بن امیہ نے آخری وقت تک یہ کوشش کی ابوعبداللہ اندلس کے تاج وتخت کو عیسائیوں کے قدموں پر ڈالنے کے بجائے بہادر اور غیور مسلمانوں کا ساراہ بہ اختیار کرے لیکن وہ اس کوشش

میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اندلس کی حکومت پر قبضہ کرتے ہی عیسائیوں نے اموی خاندان کے افراد کو بے دریغ قتل کرنا شروع کردیا۔ ان میں سے جو زندہ بچ گئے، انہیں جبراً عیسائی بنالیا گیا۔ شہزادہ محمد کو بھی مجبوراً عیسائی بنا کر اس کا نام فرڈی نانڈو رکھا گیا۔ اندلس کی خوبصورت اور عالیشان مساجد کو گرجوں میں بدل دیا گیا اور ہر طرف قتل وغارت کا بازار گرم کردیا گیا۔

سرزمین اندلس کے اس خونی انقلاب کے وقت آمینہ کی عمر سات برس کی تھی۔ عیسائیوں نے نہ صرف یہ کہ اس کے باپ کو تشدد سے تبدیلی مذہب پر مجبور کیا بلکہ آمینہ کو بھی اس سے چھین لیا۔ انہوں نے آمینہ کو ایک عیسائی تربیتی مرکز میں رکھا اور اس کا نام اسبیلہ رکھ دیا تاکہ جب وہ ہوش سنبھالے تو اسے یہ احساس تک نہ ہو کہ وہ کسی مسلمان گھرانے کی بچی ہے، وہ جب دس سال کی ہوئی تو اسے ایک مشن اسکول میں داخل کردیا گیا، آمینہ ان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی مسلمان بچیوں میں سے تھی جنہیں ان کے والدین سے زبردستی چھین کر عیسائیت کی تربیت دی جارہی تھی تاکہ جب وہ بڑی ہوں تو انہیں اپنا ماضی قطعاً یاد نہ رہے اور وہ اپنے آپ کو عیسائی ہی سمجھیں۔

آمینہ نے اسبیلہ کے نام سے تمام بچپن ایک رومن کیتھولک گرجے میں گزارا اور وہیں جوان ہوئی۔ اس کا تمام ماحول اگرچہ عیسائیت میں ڈوبا ہوا تھا اور اسی ماحول میں اس نے شعور کی وادیوں میں قدم رکھا تھا لیکن اس کے باوجود اس غیور شہزادی کی رگوں میں دوڑنے والے اموی خاندان کے خون کی شدت ختم نہ ہوسکی۔ گرجا کے ماحول میں بھی اس کے طور طریقے وہی تھے جو شاہی خاندان کی ایک شہزادی کے ہونے چاہئیں۔ عیسائی لٹیروں نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ طویل تربیت کے باوجود شہزادی آمینہ کے خاندانی رجحانات کو ختم نہیں کرسکے تو وہ سیخ پا ہوگئے۔ انہوں نے شہزادی کی انانیت اور صلاحیتوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ کافی سوچ وبچار کے بعد شہزادی کو ہسپانیہ کی عیسائی ملکہ کے حضور کنیز کے طور پر پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

رومن کیتھولک گرجے کے بڑے پادری نے صبح کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد ایک روز بڑے ڈرامائی انداز میں اعلان کیا۔ آج میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ کسی عیسائی لڑکی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی نہیں ہوسکتی کہ وہ ملکہ

کہ وہ میرے مسلمان ہونے پر زیادہ واویلا نہ کرے گی مگر ہوا اس کے برعکس، میرے والد کے چہرے پر نفرت، حقارت اور استہزاء کے ساتھ ساتھ لاپرواہی کی جھلک بھی دکھائی دے رہی تھی اور میری ماں مسلسل بولتی جارہی تھی۔ آج جب وہ منظر مجھے یاد آتا ہے تو میں بے اختیار مسکرا دیتی ہوں لیکن اس وقت میرا ردعمل کچھ مختلف تھا، میں یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کچھ جلدی کر دیا ہے، اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ میرے ایمان میں کوئی کمی تھی بلکہ یہ کہ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک میں مسلمانوں کے پورے طور واطوار باطنی اور ظاہری طور پر اپنا نہیں لیتی تب تک اسلام لانے کا اعلان نہ کروں گی مگر اس لمحے میں خاصی جذباتی ہوگئی تھی، اپنے مسلمان ہونے کا ذکر بڑے جوش اور جذبے سے کر دیا۔ میرے والد بڑبڑاتے ہوئے باہر چلے گئے، میری والدہ مجھے سمجھانے لگیں۔

''ممی'' میں نے کہا ''جو ہونا تھا ہو چکا ہے، میں جو قدم آگے بڑھا چکی ہوں وہ پیچھے نہیں ہٹا سکتی'' میری ماں نے اور زیادہ شدت سے مجھے سمجھانا شروع کر دیا، میں نے ان سے کہا کہ ''وہ وقت بلاوجہ ضائع کر رہی ہیں، میں مسلمان ہو چکی ہوں اور اب کچھ نہیں ہو سکتا'' میری والدہ نے سوچا شاید میں ضد کر رہی ہوں یا جذباتی ہوگئی ہوں انہوں نے اپنا طویل لیکچر ادھورا چھوڑا اور مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔

## میں مسلمان کیوں ہوئی؟

یہ بات مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھی ہے، اور میں کئی بار جواب دے چکی ہوں، اس کے باوجود میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اس سوال کا جواب بڑے سکون اور اطمینان سے دینا چاہیئے۔ میرے گھریلو حالات، امریکہ میں حبشیوں کی مجموعی حالت سے زیادہ میری معذوری اور اپاہج پن نے مجھے اسلام کی طرف راغب کیا، اس کی تفصیل بھی سن لیں۔ ایک اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے میں ہر روز میلکم ایکس اور مسلمان ہونے والے حبشیوں کی اصلاحی تحریک کے بارے میں پڑھتی تھی چونکہ پولیو کی وجہ سے میں معذور اور اپاہج ہو چکی تھی اور سوائے مطالعے کے میرا اور کوئی شغل نہ تھا، اس لئے مجھ پر غور و فکر کی عادت بہت بڑھ چکی تھی، جب میں پڑھتی کہ میلکم ایکس اور اس کے رضا کار ساتھی لوگوں

سے منشیات کی عادت چھڑانے میں کامیاب ہو رہے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی، میں سمجھتی یہ صرف ایک خبر ہے جس میں صداقت نہیں ہے، لیکن پھر میں سوچتی کہ یہ خبر کس طرح جھوٹی ہو سکتی ہے اور کس حد تک جھوٹی ہو سکتی ہے؟

میرے پاس میرے اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا مگر اس زمانے میں میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ پڑھنا چاہیئے میں نے کچھ کتابیں حاصل کیں اور پڑھنے لگی، اسلام کے بارے میں ان کتابوں نے مجھے خاصا متأثر کیا جب میں نے یہ کتابیں پڑھ لیں تو میرے دل میں قرآن پڑھنے کا خیال پیدا ہوا اور میں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن کا ایک نسخہ حاصل کیا قرآن پاک کے اس ترجمے نے مجھے عجیب طرح کا روحانی سرور بخشا، جسے میں بیان نہیں کر سکتی آج میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی، انہماک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قرآن پاک کے مطالعے نے مجھے کئی دن بے چین رکھا، میرے دل میں ایک عجیب طرح کا جذباتی مدوجزر پیدا ہو گیا تھا، جی چاہتا تھا کہ اب میلکم ایکس سے ملوں مگر وہ اس شہر سے بہت دور تھے میں نے اخبار کے ذریعے یہ پتہ چلایا کہ یہاں ہمارے شہر میں کون سا ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے، اس کا پتہ مجھے جلد ہی مل گیا میں نے اس شخص، محمد یوسف کو فون کیا اور اس سے ملاقات کے لئے وقت مانگا، دوسری طرف سے مجھے بڑی ہمدرد اور نرم آواز سنائی دی، محمد یوسف نے مجھے کہا کہ میں جس وقت چاہوں اسے مل سکتی ہوں میں نے انہیں بتایا کہ میں کل بعد دوپہر ان سے ملوں گی، وقت طے ہو جانے کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

جب میں اگلے دن محمد یوسف سے ملنے گئی تو وہ مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ میں نے ان کی پریشانی کے سبب کو بھانپ لیا وہ کسی صحت مند اور توانا لڑکی سے ملنے کی توقع رکھتے تھے، جب انہیں وہیل چیئر میں بیٹھی، حرکت سے معذور مجھ جیسی لڑکی دکھائی دی تو وہ کچھ پریشان ہو گئے مگر میری مسکراہٹ اور خوشدلی نے ان کی پریشانی کو جلد ہی ختم کر دیا۔

محمد یوسف میری ہی طرح حبشی تھے، کبھی ان کا نام جانی بیلگڈن تھا اب وہ محمد

یوسف جیسے خوبصورت نام کے مالک تھے وہ اس شہر کے مسلمانوں کے سربراہ یا امام تھے وہی مسجد میں نماز پڑھاتے اور وہی قرآنی تعلیمات کا درس دیتے تھے، وہ ہمدردی بھرے لہجے میں مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتے رہے، باتوں باتوں میں بڑے غیر محسوس انداز میں انہوں نے مجھ سے میرے اور میرے کنبے کے بارے میں سب معلومات حاصل کر لیں میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مسلمان کیوں ہوئے تھے؟

محمد یوسف مسکرا دیئے پھر انہوں نے دھیمے سے بڑے میٹھے لہجے میں جواب دیا ......''میں اس لئے مسلمان ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے'' ان کا وہ جواب میں آج تک نہیں بھولی ہوں اور زندگی بھر نہ بھول سکوں گی، کیونکہ میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو سیدھے راستے پر لانا چاہتا ہے اس کے دل میں اسلام کے لئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔

محمد یوسف نے مجھے بتایا کہ وہ بھی حبشیوں کے غریب اور نادار علاقے میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے بچپن غربت و افلاس میں گزارا، بڑے ہوئے تو وہ ایک ایسے ہوٹل میں ملازم ہو گئے جہاں انہیں برتن مانجھنے کے لئے رکھا گیا تھا مگر ان سے ضروری کام اور بھی لیا جاتا تھا انہیں کچھ پیکٹ دیئے جاتے تھے کہ وہ انہیں کسی جگہ پہنچا آئیں اس کام کے عوض انہیں انعام میں ایک آدھ ڈالر مل جایا کرتا تھا ایک دن ان کے جی میں آیا کہ اس پیکٹ کو کھول کر دیکھنا چاہیئے جب انہوں نے کھول کر دیکھا تو اس میں انہیں حشیش ملی انہوں نے یہ حشیش مہنگے داموں بیچ دی اور ہوٹل واپس نہ گئے مگر ہوٹل کی انتظامیہ نے انہیں ڈھونڈ نکالا پیکٹ مانگا اور جب پیکٹ نہ ملا تو ان کی خوب پٹائی کی وہ کئی دنوں بستر سے نہ اٹھ سکے۔ اس واقعہ کے بعد وہ گناہوں کی دنیا میں پہنچ گئے تیس برس کی عمر تک انہوں نے ہر برا کام کیا وہ عورتوں کی دلالی کرتے، قحبہ خانوں کی نگرانی کا فرض سرانجام دیتے، ہیروئن اور دوسری منشیات کا خفیہ دھندہ کرتے کرتے خود بھی منشات کے عادی ہو گئے انہیں کئی بار سزا ہو چکی تھی مگر وہ سزا کے خوف سے بے نیاز ہو چکے تھے، ایک بار جب وہ جیل میں تھے کچھ لوگ ان سے ملنے آئے یہ رضا کار مسلمان تھے جو قیدیوں میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے ان کی تبلیغ سے محمد یوسف بے حد متاثر ہوئے اور ان کا جی چاہنے لگا کہ وہ باعزت اور بے فکر زندگی بسر کریں جب وہ جیل سے رہا ہوئے تو خاصے

بدل چکے تھے، مگر انہیں زندہ رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے یہی سوچا کہ اب پھر انہیں جرم کی زندگی بسر کر کے ہی اپنا پیٹ پالنا پڑے گا وہی رضا کار جنہوں نے جیل میں ان کے خیالات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی وہ ان سے ملے انہوں نے ان کے لئے روزگار کا بندوبست کیا کچھ نقد رقم دی تا کہ جب تک انہیں تنخواہ نہیں ملتی وہ اس رقم سے گزر اوقات کریں، وہ انہیں اپنے ساتھ رکھتے، یوں محمد یوسف جو کبھی جانی بیلگڈن تھے، مسلمان ہو گئے۔

اسلام کے ساتھ ان کی دل لگی کا یہ عالم تھا کہ ایک برس میں انہوں نے کلام مجید عربی میں پڑھ لیا اس راہ میں انہیں بہت سے دقتیں اور پریشانیاں پیش آئیں، مگر وہ کسی پریشانی سے نہ گھبرائے قرآن مجید کی تعلیم کے بعد وہ اسلامی قواعد اور طرز زیست کو اپنانے میں کامیاب ہو گئے، چار سال بعد انہیں علاقے میں مسلمانوں کا امام مقرر کر دیا گیا، امام بننے کے بعد انہوں نے اپنی تگ و دو سے زمین کے لئے چندہ جمع کیا اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرادی اس مسجد کی تعمیر میں خود انہوں نے اور دوسرے مسلمانوں نے حصہ لیا تھا وہ خود مزدوری کرتے اور اس کا معاوضہ نہ لیتے تھے۔

میں محمد یوسف کی زندگی اور ان کی باتوں سے بے حد متاثر ہوئی اور ان سے کہا کہ ''میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں'' محمد یوسف صاحب نے پہلی بار مجھے بھرپور نظروں سے دیکھا اور بولے ''خدا مبارک کرے مگر مسلمان ہونا بہت مشکل ہے''۔

میں نے ''میں ہر مشکل پر قابو پالوں گی''۔

''الحمدللہ'' انہوں نے کہا ''کیا تمہیں کلمہ اور نماز آتی ہے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب دی۔ اس میں رومن حروف میں کلمہ اور نماز لکھی ہوئی تھی کہنے لگے ''اسے یاد کرلو اور اگر ہو سکے تو سہ پہر کو میرے پاس تھوڑی دیر کے لئے آ جایا کرو۔ میں نے چند دنوں میں نہ صرف کلمہ اور نماز ازبر یاد کرلی بلکہ ان کے معنی بھی سمجھ لئے اس دوران محمد یوسف سے بھی ملتی رہی اور ان سے دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔

جمعہ کا دن تھا مسجد میں تمام مسلمانوں کے سامنے میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئی، میرا نام آمنہ رکھ دیا گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کھانے

کے ساتھ تھوڑی بہت شراب پینے کی جو عادت تھی اسے ترک کر دیا، میں سگریٹ بھی پی لیا کرتی تھی یہ بھی چھوڑ دیئے اور مسلمان عورتوں جیسا لباس سلنے کے لئے دے دیا، میں سمجھتی تھی کہ جب میں مسلمان عورتوں کی طرح لمبے چغے میں اپنا جسم چھپاؤں گی اور سر کو بھی ڈھانپوں گی تو وہیل چیئر میں بیٹھی ہوئی خاصی مضحکہ خیز دکھائی دوں گی، میں نے ہر طنز اور مذاق کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا جب میں پہلی بار مسلمان عورتوں کا لباس پہن کر گھر سے نکلنے لگی تو میری ماں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

''سنتھیا یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟'' اس کے چہرے پر طنز تھا میرے والد نے بھی جو رات شراب پینے کے بعد اب کرسی پر بیٹھے اونگھ رہے تھے اپنی سرخ آنکھوں کھول کر مجھے دیکھا اور قہقہہ لگایا۔

''ممی'' میں نے کہا، یاد رکھیئے میرا نام آمنہ ہے سنتھیا نہیں، ''آمنہ کیا نام ہوا یہ بھلا'' ماں نے کہا ''لڑکی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟'' میں نے اپنی والدہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں انہیں بتا چکی ہوں اور اب میں مسلمانوں کی طرح باقاعدہ زندگی کا آغاز کر رہی ہوں۔ ''تمہاری جگہ جہنم میں ہے تم نے'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتیں میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا ''ممی آپ کو میرے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں اگر کوئی بات کرنی ہے تو جب میں دفتر سے آؤں گی تو کر لینا اس وقت مجھے دیر ہو رہی ہے''۔ میں وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حبشیوں کی اس گندی بستی میں جس کسی نے مجھے اس لباس میں دیکھا وہ پہلے تو حیران ہوا پھر مذاق اڑانے لگا مگر میں نے کسی کی ایک نہ سنی اور اپنی راہ پر چلتی رہی جب میں اپنے اخبار کے دفتر پہنچی تو وہاں بھی شدید ردعمل پیدا ہوا، بہت سے لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے جب میں نے انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں اور مسلمان عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں تو بعض لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی اور بعض لوگ بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔ اتفاق سے اس روز تنخواہ کا دن تھا تنخواہ ملی تو میں نے اس کا ایک چوتھائی حصہ اپنے علاقے کی مسجد کے فنڈ میں جمع کرا دیا جب میں گھر لوٹی تو میری والدہ میری انتظار کر رہی تھی میرے والد بھی گھر پر موجود تھے، میں تنخواہ کا نصف حصہ اپنے والدہ کو دے دیا کرتی تھی اس رقم سے میرے والد اپنے نشے کے لئے کچھ پیسے اینٹھ لیا کرتے تھے میں نے جب اپنی تنخواہ

کی کچھ رقم اپنی ماں کو دی تو اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور پوچھا ''تم نے اس بار دس ڈالر کم دیئے ہیں''۔

ہاں اب ہر ماہ آپ کو اتنی رقم ہی ملے گی میں نے اپنی تنخواہ کا ایک چوتھائی حصہ مسجد کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میری یہ بات سنتے ہی وہ مجھے، مسلمانوں اور مسجد کو کوسنے لگی میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی، میں بہت دیر تک اپنی والدہ کو بکتے جھکتے سنتی رہی بیچ بیچ میں میرے والد کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے ''اب سنتھیا ہمارے ہاتھ سے نکل گئی مسلمانوں نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے تم نے تو کبھی گرجے کو چندہ نہیں دیا یہ تنخواہ کا ایک چوتھائی مسجد کو دینے لگی ہے'' میرے والد اور والدہ کے نزدیک مسلمان لٹیروں سے کم نہ تھے جوان کی بیٹی کی کمائی لوٹ کر لے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنی زندگی اسلام کے قوانین وضوابط کے مطابق ڈھال لی وہ لوگ جو پہلے مجھ پر انگلیاں اٹھاتے تھے مجھ سے لاپرواہ ہو گئے میرے اور اسلام کے خلاف زہر اگلنے والی زبانیں بھی خاموش ہو گئیں، اور پھر کرسمس کا تہوار آ گیا۔ ہم خواہ کتنے ہی غریب اور بدحال کیوں نہ ہوں کرسمس کو ٹھاٹھ باٹھ سے منانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں کرسمس کے روز شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے جب میں نے مہمانوں کے ساتھ شراب کے جام کو چھونے سے ہی انکار کر دیا تو میرے گھر میں قیامت برپا ہو گئی والد تو صبح سے نشے میں دھت تھے اور والدہ بھی دو ایک بار مہمانوں کے ساتھ پی چکی تھیں، نشے کی حالت میں وہ مجھ پر برسنے لگے مہمان بھی نشے میں تھے جوان کے منہ میں آیا بکنے لگے۔

ان سب کی حالت قابل رحم تھی میں نے سوچا کہ مجھے اس کمرے سے چلے جانا چاہیئے مگر جب میں اپنی وہیل چیئر کو دھکیل کر جا رہی تھی تو ایک مہمان لڑکا اور میرے والد میرے پیچھے لپکے اور وہیل چیئر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ''راستہ چھوڑ دیں'' میں نے کہا ''مجھے جانے دیں''۔

''یہ پی لو پھر چلی جانا'' لڑکے نے میرے راستے سے ہٹے بغیر شراب کا جام میرے آگے کیا۔ ''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر'' میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ لگا جو میرے والد نے مارا تھا میرا سر چکرا گیا آنکھوں میں آنسو آ گئے میرے والد اور اس

لڑکے میں تو جیسے شیطان کی روح حلول کر گئی تھی وہ مجھے پیٹنے لگے انہوں نے مجھے روئی کی طرح دھنک دیا۔ میں خاموشی سے یہ ظلم برداشت کرتی رہی وہ گالیاں بک رہے تھے، نشے میں ان کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا جب وہ تھک کر بیٹھ گئے تو میں کسی نہ کسی طرح اپنے کمرے میں پہنچ گئی اس رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میرا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اپنے امام مسجد محمد یوسف کو ساری بپتا سنانی چاہیئے اور پھر یہ گھر چھوڑ دینا چاہیئے لیکن جوں جوں میرا غصہ اور جوش ٹھنڈا ہوتا گیا میری سوچ بدلتی گئی، میں نے سوچا کہ مجھے اپنی پریشانیاں لے کر محمد یوسف کے پاس نہیں جانا چاہیئے ان کا حل ضرور تلاش کرنا چاہیئے اور اپنے والدین کے ساتھ ہی رہنا چاہیئے ان کا مجھ پر حق ہے اور میرا ابھی یہ فرض بنتا ہے کہ میں ان کی زندگی بدلنے کی کوشش کروں چنانچہ اس روز میں نے ایک اہم فیصلہ کیا اور اگلے روز میں نے اپنے اس فیصلے سے امام مسجد محمد یوسف کو مطلع کر دیا۔

میں نے اخبار کی ملازمت چھوڑ دی اور رضا کار بن گئی مجھے معمولی سا گزارہ الاؤنس ملنے لگا جب میرے والدین کو میرے اس فیصلے کا علم ہوا تو بہت سٹپٹائے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں اچھی بھلی ملازمت چھوڑ دوں گی میں نے ان سے کہا کہ وہ فکر نہ کریں ان کو ان کا حصہ ملتا رہے گا میں اخباروں کے لئے دن میں لکھوں گی اور جو معاوضہ مجھے وہاں سے ملے گا وہ ان کو دے دیا کروں گی میری اس عملی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب میں مسلمان رضا کار بن گئی۔

محمد یوسف نے مجھے بہت سی ہدایات دیں اور جس کام کے لئے مجھے چنا گیا تھا اس راہ کے خطرات سے آگاہ کیا۔ مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ یہ راستہ پر خطر ہے مگر اسلام نے مجھے حوصلہ بخشا اس کی وجہ سے میں کسی خطرے کو خاطر میں نہ لا رہی تھی، میں جیلوں میں جانے لگی وہاں میں قیدیوں سے ملتی، ان کے سامنے اسلام کی عظمت بیان کرتی ان کو ان کی زندگی کی گھناؤنے پہلو دکھا کر ان کو بہترین زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتی کچھ قیدی وقت کاٹنے کے لئے میری باتوں کو توجہ سے سنتے کچھ میرا انداق اڑاتے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے میری جسمانی معذوری پر بھی قہقہے لگائے مگر میں مطلق ہراساں نہ ہوئی نہ میری ہمت نے جواب دیا۔

ان قیدیوں میں سے ایک حبشی قیدی اربنٹو بھی تھا اس نے میری باتوں سے خاصا اثر قبول کیا اور ایک دن کہنے لگا ''تم بڑی باہمت لڑکی ہو اگر تم واقعی یہ چاہتی ہو کہ برائی کا خاتمہ ہو جائے تو برنارڈو کا خاتمہ کر دو''

''برنارڈو کون ہے؟'' میں نے پوچھا، ''برنارڈو اس شہر میں ایک بڑی مافیا فیملی کا سربراہ ہے وہی شخص جو اس شہر میں منشیات کا اجارہ دار ہے اگر وہ نہ ہو تو لوگوں کو منشیات نہ ملیں اور نہ لوگ اس چیز کے عادی ہوں وہ بڑا خطرناک آدمی ہے، آج میں جس حالت کو پہنچا ہوں اس کا ذمہ دار بھی برنارڈو ہے۔''

''میں برنارڈو سے کیسے مل سکتی ہوں؟'' اس نے میرے کان میں مجھے برنارڈو کا پتہ بتا دیا جب میں جانے لگی تو اربنٹو کا لہجہ یکسر بدل گیا تھا وہ ندامت کے ساتھ کہنے لگا ''مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم سے برنارڈو کا ذکر کیا تم اس سارے واقعے کو بھول جاؤ تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو کہ برنارڈو کتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''مگر میں اُس سے ملنے کا فیصلہ کر چکی ہوں'' میں نے عزم سے کہا۔ ''تم اس سے مل کر کیا کرو گی؟'' اس نے پوچھا؟ ''اس کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کروں گی'' وہ ہنسنے لگا اس کے قہقہے دور تک میرا پیچھا کرتے رہے۔ صبح کا وقت تھا جب میں وقت طے کیے بغیر برنارڈو کے عالیشان گھر کے اندر داخل ہوئی اس گھر کو دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس گھر میں رہنے والا شخص کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ایک ملازم نے مجھے روک کر پوچھا وہ میرے لباس اور میری وہیل چیئر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے مسٹر برنارڈو سے ملنا ہے'' میں نے کہا ''تمہیں'' اس نے قہقہہ لگا کر کہا ''مسٹر برنارڈو سے ملنا اتنا آسان نہیں''

''آخر کیوں؟'' میں نے کہا ''وہ بھی انسان ہے اور انسان انسانوں سے ملا جلا کرتے ہیں''۔ ہم دونوں کی تکرار ہونے لگی اسی وقت ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط جثے والا آدمی ایک کمرے سے باہر نکلا اور غصے سے بولا ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ شور کیوں مچا رکھا ہے؟'' ملازم نے اس شخص کے سامنے سر جھکا کر کہا ''یہ لڑکی آپ سے ملنے پر اصرار کر رہی تھی۔''

''مجھ سے؟'' اس نے پوچھا کیا کام ہے؟ ''میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں'' میں نے کہا۔ برنارڈو نے کچھ تعجب سے میری طرف دیکھا پھر ملازم کو

وہاں سے جانے کا اشارہ کیا جب ملازم چلا گیا تو برنارڈو نے نخوت سے کہا ''میں اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتا ہوں تم معذور ہو اس لئے رک گیا ہوں کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

میں نے اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''مسٹر برنارڈو کیا واقعی آپ اس معذور لڑکی کے کسی کام آنا چاہتے ہیں؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے کچھ سوچا پھر مسکرا کر کہا ''ہاں کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

میں نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، میں نے محسوس کیا کہ مسٹر برنارڈو کچھ بے چینی محسوس کر رہا ہے، وہ میری نظروں سے نظریں چرا رہا تھا۔

''مسٹر برنارڈو'' میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے اب آپ کو ہدایت کی ضرورت ہے، سچی ہدایت کی۔ ''لڑکی میں نہیں جانتا تم کون ہو میرا وقت بہت قیمتی ہے دو منٹ میں اپنی بات ختم کرو۔''

میں نے جب بات شروع کی تو برنارڈو کا چہرہ طیش اور غصے سے سرخ ہو گیا اس نے غصے کو دبا کر کہا، ''تم پاگل ہو نکل جاؤ یہاں سے تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہ کام کرتا ہوں؟ میں تمہیں اور تم کو یہ بتانے والے کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔''

میں نے بڑے اطمینان سے کہا ''آپ کے اس غصے اور جوش ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں جو اطلاع ملی ہے وہ درست ہے۔''

''تم بکتی ہو، چلی جاؤ یہاں سے مجھے تمہارے اپاہج پن کا خیال آ رہا ہے ورنہ''

''میں جانتی ہوں مسٹر برنارڈو آپ بہت طاقتور ہیں سارا شہر آپ کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔'' ''آخر تم چاہتی کیا ہو؟ برنارڈو نے گرج کر کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ خلق خدا کے فائدے کے لئے اپنا یہ دھندا چھوڑ کر کوئی اور کام کریں اور اگر آپ سے یہ ممکن نہیں تو پھر مجھ معذور لڑکی پر کرم کریں مجھے ہر روز پانچ منٹ ملاقات کا وقت دے دیا کریں۔''

وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا پھر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا ''تم ضد کی پکی ہو تم کل پھر آ سکتی ہو اسی وقت۔''

میں وہاں سے نکلی تو بے حد مطمئن تھی۔

برنارڈو اطالوی نژاد تھا، دل کا کھلا، اس کو زندگی میں شاید ہی مجھ جیسا کوئی انسان ملا ہو، وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگا ایک دن کے بعد دوسرا دن وہ مجھے ہر روز بلاتا مجھ سے باتیں کرتا پانچ منٹ کی گفتگو کا دائرہ پھیل کر گھنٹوں تک پہنچ گیا، میں اس کے سامنے انسانوں کی بدحالی کا ذکر کرتی، منشیات کی تباہ کاریاں بیان کرتی اسلام کی حقانیت کا ذکر کرتی آہستہ آہستہ اس کے خیالات میں کچھ لچک پیدا ہونے لگی۔

''آمنہ'' ایک دن اس نے مجھ سے کہا ''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ مسلمان کیا ہوتے ہیں؟ مگر میں ایک بات جان گیا ہوں کہ تم انسان کی نفسیات کو خوب سمجھتی ہو''

''اسلام انسانوں کا مذہب ہے مکمل دین'' میں نے جواب دیا ''اس لئے اسلام مسلمانوں کو نفسیات پر گہری نظر رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔''

''میں نے محسوس کیا کہ اب میں اس سے ملنے جاتی ہوں تو وہ کچھ بے چینی محسوس کرنے لگتا ہے اس نے ایک دن مجھ سے کہا'' آمنہ واقعی انسان کی زندگی فانی ہے اور انسان کو دنیا میں اچھے کام کرنے چاہئیں دوسروں کا بھلا سوچنا چاہیئے۔''

الحمدللہ میں نے جواب دیا ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ بات آپ کے ذہن میں سما گئی ہے۔'' چند دنوں بعد برنارڈو نے اپنا دھندا چھوڑ دیا اور راہ راست پر آ گیا اس نے بلا ہچکچاہٹ قبول کر لیا کہ وہ مافیا کا کارکن ہے، اس نے مافیا کے سربستہ رازوں کو کھول کر رکھ دیا آپ کو یاد ہوگا کہ صدر فورڈ کے عہد صدارت میں برنارڈو کے اس عمل سے امریکہ میں کتنا تہلکہ مچا تھا، برنارڈو نے اخبار نویسوں سے کہا تھا ''ایک اپاہج اور چلنے پھرنے سے معذور لڑکی نے مجھے یہ طاقت پرواز بخشی ہے کہ میں نے برائی کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے اور کھلی آزاد فضاؤں میں اڑنے کی ہمت اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں''۔

اس روز میں بہت روئی تھی جب مجھے خبر ملی کہ برنارڈو کو جیل میں گولی ماردی گئی ہے اس کو مافیا کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا اس کا زندہ رہنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا وہ ایک ایسا انسان تھا جو بھلائی کی راہ پر چلنے نکلا تھا وہ زندہ رہتا تو بڑا مصلح ثابت ہوسکتا تھا۔

برنارڈو کے تائب ہونے کی وجہ سے مجھے پریس نے بڑی شہرت دی میری

تقریریں شائع ہونے لگیں اخباروں اور رسالوں میں میرے انٹرویو شائع ہوئے ٹی وی اور ریڈیو پر مجھے بلایا گیا اور میری خدمت کو بے حد سراہا گیا۔

عالمی ہیوی ویٹ چمپئین محمد علی مجھ سے ملنے آئے انہوں نے بڑی تعریف کی صدر فورڈ نے مجھے وائٹ ہاؤس میں بلایا اور میری تعریف کی اس شہرت اور عزت کے باوجود مجھ میں تکبر پیدا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے۔

اسلام نے میری زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا میں اسے ساری دنیا میں پھیلا دینا چاہتی ہوں اور اگر یہ میرے بس میں نہیں تو میرے دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ اسلام کی برکات اور فیوض سے امریکہ کے سیاہ فام ضرور فیض یاب ہوں۔

میرے والد شراب سے توبہ کر چکے ہیں وہ ہر نشہ چھوڑ چکے ہیں میری والدہ میری عزت کرتی ہیں اگرچہ انہوں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا مگر ان کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔

پچھلے چند برسوں میں میری کوششوں کی وجہ سے ساڑھے تین سو افراد نے منشیات سے توبہ کی ہے اور اکیس مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ میں ایک اپاہج عورت ہوں مگر میں اپنے آپ کو اپاہج نہیں سمجھتی کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ کبھی اپاہج نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا اس کا سہارا بن جاتا ہے میری زندگی اسلام کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ میں اسلام ہی کے لئے کام کروں گی اور اسلام کی روح کو انسانوں میں پھونک دینا چاہتی ہوں۔ جب بھی کوئی انسان برائی کا راستہ ترک کرتا ہے میں سمجھتی ہوں کہ اسلام کی فتح ہوئی ہے۔ تو یہ ہے میری کہانی سنتھیا سے آمنہ بننے کی۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: امیرہ **ملک کا نام**: امریکہ

# میں اس جنگ میں تنہا نہیں ہوں

## امریکہ کی نومسلم امیرہ کے قبول اسلام کی داستان

میں نے ارکنساس میں ایسے والدین کے گھر جنم لیا جو ارکنساس ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ماضی میں جہاں تک میں جھانک سکتی ہوں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری فیملی کے بزرگ جنوبی ریاستوں سے یہاں آ کر آباد ہوئے۔ میری ساری پرورش ایک فارم پر ہوئی جہاں صبح سویرے اٹھ کر گائے (بڑی تعداد میں) کا دودھ دوہنا ہوتا ہے، مرغیوں کو خوراک دینی ہوتی ہے اور روزمرہ کے دیگر کام کرنے ہوتے ہیں۔ میرا باپ ایک بپٹسٹ (BAPTIST) منسٹر (چرچ کا پادری تھا) بپٹسٹ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جیسے کیتھولک اور میتھوڈسٹ وغیرہ۔ یہ تمام عیسائی مذاہب ہیں مگر مختلف نظریات و مسالک کے حامل ہیں، یہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے مسلمانوں میں شیعہ اور سنی، اس سلسلہ میں مجھے آپ سنی کہہ سکتے ہیں۔

جس قصبے میں میری رہائش تھی، وہاں سب گوری نسل کے لوگ آباد تھے اور سارے کے سارے عیسائی تھے، اس لئے میں کسی دوسرے مذہب اور کلچر سے متعارف نہ ہو پائی لیکن مجھے ہمیشہ یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ نے ہم سب انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے، رنگ، نسل، کلچر اور مذہبی عبادات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعد میں مجھ پر منکشف ہوا کہ ایسی تبلیغ کرنا اور تعلیم دینا اس وقت تک ان کے لئے آسان ہے جب تک وہ الگ تھلگ رہیں اور دنیا کے دوسرے لوگ ان کی دنیا میں داخل نہ ہوں۔

پہلی بار میں نے کسی مسلمان کو اس وقت دیکھا جب میں یونیورسٹی آف ارکنساس کے کالج میں داخل ہوئی۔ مسلمان لڑکیاں مختلف قسم کے عجیب وغریب لباس پہنے ہوئے تھیں جبکہ لڑکے سروں پر تولیے (پگڑیاں) لپیٹے ہوئے اور رات کا لباس

(Night Gowns) پہنے ہوئے تھے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں بڑی دیر تک ان کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتی رہی، پہلی بار مجھے ایک مسلمان لڑکی سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس سے سوال پوچھتے ہوئے میں نے بڑا اطمینان محسوس کیا، اس کی باتوں نے میرے قلب اور روح میں ایک پیاس لگادی، الحمدللہ یہ پیاس کبھی نہ بجھی۔

میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتی، اس کا تعلق فلسطین سے تھا، میں اس کے پاس گھنٹوں بیٹھی اس کے ملک اور کلچر کی کہانیاں سنتی رہتی، اس کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مسحور کیا وہ اس کا مذہب ''اسلام'' تھا۔ یہ لیڈی اندر سے انتہائی مطمئن تھی، میں نے ایسی مطمئن پرسکون اور پر اعتماد خاتون اپنی زندگی میں نہیں دیکھی، مجھے آج بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس کی بتائی ہوئی ہر بات یاد ہے، اگرچہ اس کا آج تک میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ میرے ذہن میں اکثر ''تثلیث'' کے بارے میں سوال پیدا ہوتے تھے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کیوں کرتے ہیں اور براہ راست اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر ہی زور کیوں دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اہمیت کیوں نہیں دی جاتی۔

اسلام سے متعلق مجھے قائل کرنے کے لئے کہ صرف یہی دین حق ہے جو مجھے جنت میں لے جا سکتا ہے، میری دوست نے وہ سب کچھ جو وہ کر سکتی تھی اس نے مجھے بتایا کہ اسلام کوئی عام مذہب نہیں ہے بلکہ انسان کے لئے یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ میری دوست نے چھ ماہ بعد اپنی گریجویشن مکمل کرلی اور واپس فلسطین چلی گئی، فلسطین پہنچنے کے دو ہفتے بعد ہی اسے اس کے گھر کے باہر قتل کر دیا گیا اس کی موت کی خبر سے مجھے شدید صدمہ ہوا۔ میں نے محسوس کیا جیسے میرے بدن کا کوئی حصہ مرگیا ہو۔ جب وہ اپنے گھر واپس جارہی تھی تو ہم جانتے تھے کہ اس دنیا میں شاید ہی ہم ایک دوسرے سے دوبارہ مل سکیں، جاتے وقت اس نے ایک انتہائی اہم بات بڑے یقین سے کہی تھی کہ وہ مجھے اگلے جہاں جنت میں ملے گی اور واقعی وہ جنت میں چلی گئی۔

اس کے بعد مشرقی وسطیٰ کے کئی افراد سے میری ملاقات اور دوستی ہوئی، میری سہیلی کی موت سے مجھے جو صدمہ پہنچا تھا، اس صدمہ کو برداشت کرنے کے لئے انہوں نے میری بڑی مدد کی، اس سانحہ کے بعد عربی زبان سے بھی مجھے محبت ہوگئی، یہ بہت ہی

خوبصورت زبان ہے۔ میں گھنٹوں قرآن مجید کی ٹیپس (Tapes) سنتی، اگر چہ میں کبھی نہ سمجھ پائی کہ کیا کہا جار ہا ہے۔ آج بھی یہی صورت ہے کہ میں بڑی چاہت سے قرآن مجید کو سنتی ہوں اگر چہ کچھ سمجھ نہیں پاتی لیکن قرآن مجید کی تلاوت میرے قلب و روح کو اپنے اثر میں لے لیتی ہے۔ کالج میں عربی سیکھنے کے لئے میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا، کالج سے فارغ ہونے کے بعد جب میں اپنی کمیونٹی میں واپس آ گئی تو مسلمانوں سے میرا مزید رابطہ نہ رہا لیکن میری روح میں اسلام کی جو طلب اور عربی زبان سے جو محبت پیدا ہو چکی تھی اس نے مجھے کبھی نہ چھوڑا۔ اس کے باعث میرے والدین اور کئی دوستوں کا غصہ بھی بڑھا، والدین اور دوستوں کے رویے نے مجھے کنفیوژ کر دیا کیونکہ مجھے تو ہمیشہ یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہم سب برابر ہیں۔ میں سوچنے لگی کہ اس تصور مساوات میں میرے دوستوں اور فیملی کے لئے شاید کچھ استثناء ہوں۔

یہ ۱۹۹۵ء کا موسم بہار تھا جب اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں ایک اور فرد کو داخل کیا۔ ایک مسلمان کو کیسا ہونا چاہیئے، یہ فرد اس کا ایک خوبصورت نمونہ تھا، اس فرد کے باعث ایک بار پھر اسلام میرے ذہن پر چھا گیا، میں نے اس سے سوال پوچھنے شروع کر دیئے، پھر ایک دن پہلی بار مجھے مسجد میں لے جایا گیا، یہ ایسی یادیں ہیں جو میرے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہیں اس نے اسلام سے متعلق مجھے جو بھی دیا میں نے پڑھ لیا، ٹیپس کو مسلسل سنا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک جاری رہا پھر وہ لمحہ آ گیا، باطل کو چھوڑنے اور حق کو قبول کر لینے کا لمحہ ۱۵ فروری ۱۹۹۶ء کو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ (الحمد للہ)

اسلام قبول کر لینے کے بعد آزمائشوں کا دور شروع ہو گیا۔ سب سے پہلی آزمائش میری منگنی کا ٹوٹنا تھا، میرے منگیتر کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ اس کی شادی کسی مسلمان لڑکی سے ہو اگر چہ ہمارے درمیان منگنی کا تعلق و رشتہ ختم ہو گیا، میں پھر بھی اس کا احترام اور قدر کرتی ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ثابت قدم رکھا اور میں انشاء اللہ اسلام کے راستے کو کبھی نہ چھوڑوں گی۔

جب میں نے ایک عرب یعنی غیر ملکی سے منگنی کی تو میرے والدین کو شدید جھٹکا لگا، انہوں نے میرے ساتھ بات چیت بند کر دی، میری بیشتر امریکی سہیلیاں بھی مجھے چھوڑ گئیں، جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری فیملی نے مجھے ذہنی امراض کے ہسپتال لے

جانا چاہا جب وہ اس میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے مجھ سے اظہار لاتعلقی کر دیا۔ وہ مجھے فون کرواتے کہ انہیں یقین ہے کہ میں دوزخ میں جلوں گی، میری اکثر سہیلیاں بھی اپنے فون میں اسی خواہش کا اظہار کرتیں، اگرچہ اس سے مجھے شدید دکھ پہنچا، میرے اور میرے گھر والوں میں کئی اختلاف پیدا ہو گئے، تاہم میں پھر بھی ان سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے ایمان کو قوت بخشی اور مضبوط بنایا۔ سعودی عرب میں بم دھماکوں کے دو روز بعد آخری بار میری اپنے گھر والوں سے بات ہوئی میرے انکل اور کزن ان بم دھماکوں میں مارے گئے تھے میرے گھر والوں نے مجھے یہ خبر سنانے اور بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ مرنے والے میرے عزیز مجھ سے بہت محبت کرتے تھے......... اور ان کا خون میرے اور میرے ''دہشت گرد دوستوں'' کے سر پر ہے۔ میں کئی دنوں تک روتی رہی، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے استقامت بخشی اور میرا ایمان قائم رہا۔

بم دھماکوں کے چار دن بعد کی بات ہے کہ ایک دوپہر کو جب میں اپنے گھر واپس لوٹی تو میں نے دیکھا کہ کھڑکیوں پر کسی نے فائرنگ کی ہوئی ہے اور میری ایک گاڑی پر ''دہشت گردوں سے محبت کرنی والی (Terrorist Lover) پینٹ کیا ہوا ہے۔ پولیس میری کسی قسم کی مدد کرنے کو تیار نہ تھی، اسی رات جب میں انٹرنیٹ کے ''مسلم چاٹ'' پر گپ شپ لگا رہی تھی، میں نے فائرنگ کی آواز سنی، پہلے حملے میں جو کھڑکیاں بچ گئی تھیں اب دوسرے حملے میں انہوں نے سب کا تہس نہس کر کے رکھ دیا، باہر جو میرے پیارے پیارے جانور تھے ان سب کو بھی انہوں نے مار دیا۔

پولیس آئی اور مجھے کہا کہ ''جب تک حملہ آوروں کی شناخت اور ان گاڑیوں کے بارے میں معلومات نہیں دیتیں جن پر وہ آئے تھے، حملہ آوروں کا سراغ لگانا ناممکن ہے'' میں نے ان سے التجا کی کہ وہ میری گاڑیوں کو چیک ہی کر دیں کہ سفر کے لئے ان میں کوئی خطرہ تو نہیں پیدا کر دیا گیا۔ میں ہوٹل جانا چاہتی ہوں اور اس کے لئے میں محفوظ سفر کی خواہاں ہوں۔ انہوں نے مجھے صاف جواب دے دیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے ''کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ تمہارے دہشت گرد دوستوں'' نے ہمیں ٹریپ کرنے کے لئے اندر بم نہ رکھ دیئے ہوں۔ میں اللہ کے حضور جھک گئی اور رو رو کر اس سے رحم اور رہنمائی کی دعا کرنے لگی۔

اللہ نے بڑے ہی پیار سے جواب دیا، ایک رات کو پارکنگ لاٹ میں ایک نامعلوم شخص نے مجھ پر حملہ کر دیا۔اس نے مجھے پیٹنے، زخمی کرنے میں میری کلائی اور پسلیاں توڑنے کی کوشش کی، اس آدمی کو پکڑلیا گیا ایک روز جب میں ڈرائی کلینر کے پاس اپنے کپڑے لینے گئی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گم ہو گئے ہیں ان کپڑوں میں میرے تمام اسکارف، جلباب، خیمارز وغیرہ شامل تھے ان کے لئے یہ اشیاء گم کرنا کتنا آسان تھا؟

یہ قصبہ بہت چھوٹا ہے اور قرب و جوار میں کوئی مسلمان اور عرب بھی نہیں ہے، قریب ترین مسجد ۱۲۰ میل دور ہے اگر چہ میں یہاں تنہا ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان نہیں جس کے پاس ملنے کے لئے جاسکوں، یا اس سے کچھ سیکھ سکوں لیکن الحمد للہ کہ اللہ ہر وقت میرے پاس ہوتا ہے میرے پاس اسلام کا جو بھی تھوڑا بہت علم ہے یہ انٹرنیٹ پر اسلام کے بارے میں دستیاب معلومات پڑھ کر اپنے سچے دوستوں کے ذریعے اور انٹرنیٹ فیملی کے ذریعے حاصل ہوا ہے، میں اپنے فلسطینی بھائی کی محبت، مدد، دوستی اور اس کی دعاؤں کے لئے اس کی خصوصی شکر گزار ہوں اور اے میری فلسطینی بھائی تم جانتے ہی ہو میں کس سے مخاطب ہوں۔ میرے فلسطینی بھائی میری دعا ہے کہ اللہ تم پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کرے، انٹرنیٹ کے میرے دوسرے مسلمان بھائیو اور بہنوں میں آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں اور آپ سب کی شکر گزار ہوں۔

میں نے یہ داستان کسی قسم کی ہمدردی حاصل کرنے کی امید پر نہیں لکھی ہے لیکن میں سب سے یہ ضرور کہوں گی کہ میرے لئے مسلسل دعا کرتے رہیں۔امریکہ اور دنیا بھر میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی ہیں اور ان کے ساتھ جس تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، انشاء اللہ یہ جلد اپنے انجام کو پہنچے گا۔ میں جانتی ہوں کہ ناانصافیوں اور تعصب کے خلاف جنگ میں میں تنہا نہیں ہوں، یہی وقت ہے کہ میڈیا لوگوں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرے۔

آخری بات اپنی اس پیاری سہیلی سے جس نے سب سے پہلے اپنے اسلامی علم میں مجھے شریک کیا میں جانتی ہوں کہ ۱۵ فروری ۱۹۹۶ء کو جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا تم جنت میں خوشی سے مسکرا اٹھی تھیں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں انشاء اللہ ہم ایک بار پھر ملیں گے۔

۱

**سابقہ نام**: لکشمی پرکاش **سابقہ مذہب**: ہندو

**اسلامی نام**: صدیقہ **ملک کا نام**: بھارت

# بمبئی کے برہمن خاندان کی بیٹی کے قبول اسلام اور پھر اسلامی زندگی کا ایمان افروز تذکرہ

پچھلے تین چار سالوں سے جب سے ''خواتین میگزین'' زیر مطالعہ ہے بہت دل کرتا ہے میں بھی ایک ایسی تحریر نذر قارئین کروں جس سے چاہے کوئی سبق لے نا لے۔ میں نے اپنی زندگی کا مقصد جان لیا، ہر ماہ جب بھی کسی نومسلمہ خاتون کا ایمان افروز انٹرویو یا داستان پڑھتی تو میرے دل میں بھی آگ بھڑک اٹھی کہ میں بھی صدیقہ کی کہانی لکھ ڈالوں چونکہ جو داستان بھی پڑھتی ہوں اس میں لادینیت کی طرف سے دین کی طرف پلٹ آنا ایک کامیاب زندگی میں داخل ہو جانا اور پھر اس دین کے لئے قربانیاں برداشت کرنا یہیں تک ختم ہو جاتی ہیں یہ دراصل آخرت کی کامیابی کی طرف قدم بڑھانا ہے، لیکن صدیقہ ہاں صدیقہ کی کہانی تو کامیابی کی معراج کو چھو لینا ہے۔ ابتداء سے انتہا تک ایک سبق ہی سبق ہے، آزمائش ہی آزمائش ہے اور پھر آخر میں وہ پرسکون زندگی جو ''بڑی کامیابی'' سے انتہائی قریب کر دیتی ہے۔

اتوار کی چمکیلی صبح کو مسز محمود کا فون آتا ہے وہ بتاتی ہیں کہ ان کی ملاقات ایک نومسلمہ خاتون صدیقہ سے ہوئی ہے اس کے شوہر بیمار ہیں، انہیں علاج کے لئے امریکہ بھجوانا ہے، وہ خاتون انتہائی خوددار ہیں کم از کم ٹکٹ تو ہم ارینج کر دیں۔ چنانچہ بغیر کسی جذبہ کے لیکن سوائے ایک مسلمان بہن کے لئے (شاید اللہ کو اس کا کام کروانا مطلوب تھا) میں نے جس سے کہا اس نے بڑھ کر جذبہ ایثار میں حصہ لیا اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیا۔ منگل کے دن کوئی ۸ ہزار درہم کے لگ بھگ کی رقم میں نے اپنے میاں کے ہاتھ مسز محمود کو بھجوادی، منگل کی شام ہی محمود صاحب نے میرے میاں کے ذمہ یہ کام لگایا کہ

ان دونوں میاں بیوی کو فلاں ٹریول ایجنسی سے ٹکٹ بنوادو فلاں تاریخ کی اور باقی کی رقم ان کے ہاتھ میں دے دینا۔ محمود صاحب اور ان کی وائف تو ویک اینڈ میں چھٹیوں پر چلے گئے کافی کوششوں کے بعد میرے میاں نے اس تاریخ کے ٹکٹ حاصل کر لئے اور مجھے آفس سے کہا کہ شام کو تیار رہنا ہم ٹکٹ دینے چلیں گے۔

آپ تصور کریں، دبئی جیسے شہر میں پھر اس کے پوش علاقے ابوظہبی بائی وے پر بلند و بالا گلاس بلڈنگز کے پیچھے ستواں کے علاقے میں ایک ٹوٹا ہوا مکان، پھر اس مکان کے کونے میں ایک طرف بنا ہوا کمرہ، ٹین کی چھت جگہ جگہ نیچے بالٹیاں رکھی ہوئی ہیں بارش کی وجہ سے پانی ٹپک رہا ہے ایک کونے میں چولہا اور چند برتن دوسری سائیڈ پر لکڑی کے بورڈ لگا کر باتھ روم بنایا گیا ہے اور اسی کمرے میں پارٹیشن کر کے ایک طرف مسہری اور الماری رکھی ہوئی ہے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک خاتون نے پردہ کی اوٹ سے کھولا اور مجھے دیکھ کر اندر آنے کی دعوت دی میں اندر داخل ہوئی تو بڑھ کر گلے لگا لیا جیسے بچھڑی ہوئی دو بہنیں بڑے عرصے بعد آپس میں ملتی ہیں۔ کمرہ تو ایک ہی ہے اب مرد کہاں بیٹھیں حالانکہ میرے میاں نے بھائی سے بہت کہا لیکن وہ زبردستی اندر لا رہے تھے چنانچہ دو کرسیاں کچن والے حصے میں رکھ دی گئیں اور وہاں مرد حضرات بیٹھ گئے۔

گھر انتہائی سادہ لیکن صفائی ستھرائی سے مزین تھا صدیقہ تو اتنی خوش کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی عورت سے ملی ہیں لیکن یہ گمان اس وقت ٹوٹا جب صدیقہ مجھ سے کہنے لگیں کہ مجھے تو ہر مسلمان خاتون سے ملنے میں ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے میں اپنی سگی بہن سے مل رہی ہوں اب تو آپ ہی میرے اپنے ہو اور واقعی مجھے اپنی شخصیت پرستی پر افسوس ہونے لگا۔

سانولی رنگت، پرکشش چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، لمبا قد.......... یہ صدیقہ تھی۔ واقعی بے انتہا سچی اور پرخلوص تھی جب ہی تو اتنی بڑی آزمائش پر بھی اس کی زبان پر سوائے ''توکلت علی اللہ'' کے کچھ نہ تھا۔ میری جتنی بھی ملاقاتیں رہیں تو اندازہ ہوا ''توکلت علی اللہ'' تو اس کا تکیہ کلام ہے اور آج بھی میں یہی سوچتی ہوں کہ کاش میرا بھی یہی تکیہ کلام ہو جائے۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ میرا بیٹا دس دن کا تھا (پہلی بیٹی پانچ سال کی اور بیٹا تین سال کا ہے) کہ شوہر کہیں جا رہے تھے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا پھر تقریباً دو

سال وہ ہسپتال میں داخل رہے، چوٹ اتنی سخت ہے کہ صحیح نہیں ہو رہی ہے اب گذشتہ چھ ماہ سے امریکہ میں ڈاکٹروں سے اسٹیمیٹ لے رہی ہوں روزانہ FAX کرتی ہوں۔ میں چاہ رہی ہوں کم سے کم میں آپریشن ہو جائے بچوں کو میں پاکستان چھوڑ آئی ہوں سسرال میں۔ اللہ نے چاہا تو سب بہتر ہو جائے گا بس ہم سے کوئی غلطی نہ ہو جائے اللہ ہماری غلطیوں کو درگزر فرمائے۔

صدیقہ کی باتیں سن کر یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید اللہ آزمائش بھی ان ہی پر ڈالتا ہے جو سہہ سکیں۔ ایک عورت تنہا دنیا سے ٹکرلے رہی ہے ہر طرح سے کام کرنے کو تیار ہے اور پھر اس پر بھی اللہ کا شکر حالانکہ ابھی چند سال پہلے ہی مسلمان ہوئی ہے واقعی میرا تو سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ اس وقت کی ملاقات کے بعد امریکہ جانے تک صدیقہ سے فون پر بات چیت رہی اپنی پریشانی ایک طرف، وہ مجسمہ صبر ہستی جسے صرف اس بات کی فکر تھی کہ میری عمر کا بڑا حصہ بتوں کو پوجتے ہوئے گزر گیا اب باقی زندگی میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمالوں۔ اس مقصد کو لئے ہوئے وہ ہر فون پر اسلام کو مزید جاننے کی کوشش کرتی اور اپنے عملی پہلو سے آگاہ کرتی اور ہر مرتبہ فون رکھنے کے بعد مجھ جیسی نافرمان ہستی پر یہ احساس مزید اجاگر ہو جاتا کہ میں نے تو پوری زندگی مسلمان رہ کر بھی کچھ حاصل نہیں کیا۔

نومبر میں امریکہ جانے کے بعد امریکہ سے دو مرتبہ صدیقہ کا فون بھی آیا اور خیریت سے آگاہی کردی، مجھے بار بار یہی احساس ہوتا رہا کہ اپنا بنایا ہے تو واقعی بنا کر بھی رکھ رہی ہے ہمارے اعمال تو ایسے نہیں ہے کہ کسی سے اتنا تعلق نبھائیں وہ بھی آخرت کے لئے۔ جنوری ایک شام کو صدیقہ کا فون آیا کہ وہ واپس آگئی ہے اور بچوں کو بھی پاکستان سے لے آئی ہے، میاں کا آپریشن ہو گیا ہے لیکن ری اوپننگ یہیں کروانی ہے پھر چند دنوں بعد ملاقات پر بتایا کہ امریکہ سے واپسی پر پاکستان گئی تھی جو پیسے باقی بچے تو وہ کسی بیوہ خاتون کو دے آئی ہوں۔ بیٹی کی شادی کرنی تھی میں نے کہا بھی کہ صدیقہ اپنے پاس رکھتیں ابھی تم لوگ معاشی طور پر ڈسٹرب ہو تو کہنے لگی ''توکلت علی اللہ'' انشاء اللہ، اللہ پورا کرنے والا ہے۔ ویسے اب میں جاب کی تلاش میں ہوں کسی اسکول میں جاب کرلوں، کیونکہ یہاں ڈاکٹر (Re Opening) پر تیار نہیں ہیں وہ رسک

نہیں لینا چاہتے۔ اس لئے اب میرے میاں اکیلے امریکہ جائیں گے میں حیران بھی ہوئی اور وقتی طور پر غصہ بھی آیا دیکھو ابھی حالات ایسے ہیں اور پیسے وہاں دے دیئے، لیکن اس موقع پر میرے میاں جو اپنی ماں کے بعد پہلی مرتبہ دنیا میں جس عورت سے متاثر ہوئے تھے وہ صدیقہ تھی انہوں نے کہا کہ جب اللہ پر اتنا توکل ہے تو یقیناً اللہ ہی بندوبست کرنے والا ہے۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد صدیقہ کو اسکول میں جاب مل گئی اسی اسکول میں بچے بھی داخل ہوگئے اور میاں بھی امریکہ چلے گئے۔ میرے بڑے اصرار پر ایک دن وہ میرے گھر آنے پر راضی ہوئی چنانچہ میرے میاں آفس سے واپسی پر صدیقہ اور بچوں کو لے آئے، میری پڑوس میں میری دوست سبین کو بھی صدیقہ سے ملنے کا بے انتہا شوق تھا چنانچہ میں اس کے گھر ملوانے لے کر گئی ہم دونوں کے اصرار پر صدیقہ اپنی زندگی کی کہانی سنانے پر راضی ہوئیں چنانچہ اس عظیم شخصیت کی کہانی اسی کی زبانی سنئے:

''ہم دو بہنیں اور تین بھائی تھے ہم برہمن فیملی سے تعلق رکھتے تھے اور بمبئی میں رہتے تھے میرے بڑے بھائی دبئی میں رہتے تھے ایک بھائی اور بہن میرے سے چھوٹے اور دو بھائی بڑے تھے۔ ممی پاپا بہت پیار کرتے تھے بچپن ہی سے گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی لیکن ہر چیز میں سختی بھی تھی اسکول کالج جاتے تھے تو تانگہ گھر کے دروازے پر آتا اور اسکول چھوڑتا کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی بچپن ہی سے جب ماں باپ مورتیوں کے سامنے بیٹھ کر پوجا کرتے تو میں سوچا کرتی یہ کیا ہماری مرادیں پوری کریں گی ایک ہاتھ تک تو اٹھا نہیں سکتیں یا کوئی انہیں توڑے تو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتیں اسی لئے ماں باپ کے غصہ ہونے کے باوجود جب بھی پوجا کے لئے ہاتھ جوڑنے کو کہا جاتا تو میں بجائے جوڑنے کے پھیلا لیتی (جیسے ہم لوگ دعا مانگتے ہیں) جس پر مجھے ڈانٹ پڑتی لیکن میں ٹھیک نہیں ہوئی۔ ماں باپ کی طرف سے تعلیم کی کوئی پابندی نہ تھی پاپا ہمیں زیادہ سے زیادہ پڑھانا چاہتے تھے بچپن سے A لیول تک ہمیشہ پوزیشن ہی لیتی رہی، A لیول میں جب پوزیشن لی تو پاپا نے مزید تعلیم کے لئے امریکہ جانے کی آفر کی لیکن میں نے ایک شرط رکھی کہ پہلے بھائی کے پاس دبئی جاؤں گی پھر تین ماہ بعد امریکہ، چنانچہ پاپا نے دبئی جانے کا بندوبست کر دیا۔

دبئی میں بھیا بھابھی نے خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بھابھی کے ساتھ شاپنگ کرنے نکلتی تو ایک چیز بڑی ڈسٹرب کرتی جس نے میری زندگی میں بھونچال پیدا کر یا وہ تھی ''اذان'' کی آواز۔ کیا کشش تھی اس میں ایک مرتبہ تو میں ایک مسجد کے باہر کھڑی ہوگئی اور ان لوگوں کی حرکات دیکھنے لگی مجھے بہت سکون ملا یہ تو معلوم تھا کہ مسلمان اللہ کو مانتے ہیں لیکن عبادت کرتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کوئی بت نہیں کوئی مورتی نہیں سب ایک جیسا پڑھ رہے ہیں ایک ساتھ اُٹھ بیٹھ رہے ہیں، بھابھی نے مجھے ڈانٹا اور گھر آ کر بھیا سے شکایت بھی کی بھیا نے بھی اچھی خاصی خبر لی اور پاپا سے شکایت کی دھمکی دی۔

دبئی میں پندرہ بیس دن بعد ہی میرا جی اکتا گیا۔ میں نے بھیا سے کہا کہ میں مصروف رہنے کے لئے کوئی جاب کرنا چاہتی ہوں، بھیا نے اجازت دے دی۔ چنانچہ اگلے دن ایک اخبار میں دیکھ کر کچھ دفاتر گئی اور ایک ریٹل اسٹیٹ میں سیکریٹری کی جاب مل گئی، نفیس احمد صاحب میرے باس تھے کوئی ۴۵، ۵۰ سال کی عمر کے تھے میرے ساتھ بڑے پیار سے پیش آتے تھے میں نے ان سے بہت سیکھا، ہمیشہ سچی بات کہتے چاہے کتنا ہی نقصان ہو جائے لیکن کھری بات کرتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو خواہ کتنا ہی اہم کام کیوں نہ ہوتا انہوں نے کبھی نماز ڈسٹرب نہ ہونے دی ہمیشہ مسجد جاتے کبھی فارغ ہوتے تو ایک موٹی سی کتاب کھول کر بیٹھ جاتے اور کبھی تو پڑھتے پڑھتے رو پڑتے۔ ایک دن میں جب کسی کام سے فائل لے کر پہنچی تو وہ پڑھ رہے تھے میں نے کہا سر آپ کیا پڑھتے ہیں تو انہوں نے قرآن کے ساتھ تعارف کرایا اور بتایا کہ ہماری زندگی کا مقصد صرف اسی کتاب میں لکھا ہے مجھے بھی تجسس ہوا میں نے انگلش ترجمہ ان سے مانگا اور وہ اپنے گھر لے آئی اور بھیا بھابھی سے چُھپ چُھپ کر پڑھتی رہی، جیسے جیسے میں پڑھتی رہی مجھ پر حقیقتیں کھلتی رہیں اب تک میں کتنی لاعلمی میں رہی ایک دن نفیس صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے آنٹی نے مجھے عملی طور پر بہت اچھی راہ دکھائی، میں اپنی زندگی کے لئے آنٹی اور انکل کی بہت مشکور ہوں کیونکہ جب عملی طور پر مجھ پر واضح ہوا تو میرا احساس جاگا کہ میں تو بہت غلط کر چکی ہوں اور اب وقت ضائع کئے بغیر صحیح راستہ اپنا لینا چاہیئے۔

آنٹی اور انکل نفیس کے سامنے جب میں نے اپنی خواہش بیان کی تو وہ جہاں

بہت خوش ہوئے وہاں انہوں نے کسی قسم کی جلد بازی کئے بغیر مجھے سوچنے کے لئے کہا۔ لیکن میں نے پہلے ہی بہت عرصہ گزار دیا تھا مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر ایک دن میں نے انکل نفیس کے گھر ایک مولانا صاحب کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا اور لکشمی پرکاش سے صدیقہ خاتون بن گئی۔

مغرب کا وقت ہو رہا تھا جب میں نے بھیا کے دوراز ے کی بیل بجائی۔ بھابھی نے دروازہ کھولا دونوں سامنے صوفے پر بیٹھے چائی پی رہے تھے میں نے سر سے پاؤں تک ایک بڑی چادر میں اپنے آپ کو ڈھکا ہوا تھا دونوں نیچے سے اوپر تک مجھے حیران و پریشان دیکھ رہے تھے بھابھی نے تھوڑے غصے سے کہا کہ کیا کہیں سے لٹ کر آ رہی ہو تو میں نے ہلکی آواز میں کہا ہاں میں نے اپنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے ہاتھوں بیچ دیا ہے اب کچھ میرا نہیں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

کیا کہا تم نے؟ بھیا بلند آواز سے بولے تم نے باپ دادا کی عزت خاک میں ملا دی، نکل جاؤ اسی وقت میرے گھر سے ''اگر میری جگہ پاپا بھی ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے'' تم دیدی ہو تو تمہیں اس لئے صحیح سلامت جانے دے رہا ہوں ورنہ کوئی اور ہوتا تو جسم پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بھیا نے بھابھی کو پیچھے ہٹایا بھیا کی آنکھیں یکدم سرخ ہوگئیں اور مجھے دھکہ دے کر دروازہ پوری قوت سے بند کر دیا۔

اور میں باہر نکل کر سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئی، پوری دنیا میرے سامنے تھی......

اب میں کہاں جاؤں؟ اندھیرا پھیلنے کو تھا سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا اللہ کے آگے فریاد کی تو سننے والے نے سوچ پیدا کی کہ جس کے گھر تو نے کلمہ پڑھا ہے وہیں چلی جاؤ وہی کچھ کریں گے میں الٹے قدموں معلوم نہیں کس طرح انکل کے گھر پہنچی انکل آنٹی نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بتایا ہم یہی گمان کر رہے تھے چنانچہ اب میں وہاں رہنے لگی۔ میرے شعور کی حدیں پختہ ہوتیں چلی گئیں، ایک دن آنٹی نے بڑی عجیب بات کہی ''بیٹی تم ہماری بیٹی ہی جیسی ہو، اسلام نے لڑکی کے لئے بلوغت کے بعد جلد از جلد نکاح کا حکم دیا ہے اب جبکہ تم اس دین میں داخل ہوگئی ہو اس وقت تمہارا کوئی محرم نہیں ہے تم سوچ لو اور اگر تم شادی کرلو تو تمہارے لئے یہی پسندیدہ عمل ہے'' میں یکدم خاموش ہوگئی کافی دن بعد آنٹی کے پوچھنے پر میں نے یہ بات کہی کہ میرا تو آگے پڑھنے کا ارادہ تھا لیکن جو اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے میں سر اطاعت خم کرنے والوں میں سے ہوں گی۔ چنانچہ انکل اور آنٹی نے دو رشتے میرے سامنے رکھے ایک ڈاکٹر کا تھا اور دوسرا ایک معمولی کلرک کا تھا میں نے خاصا سوچا پھر آنٹی کو اپنی رائے بتا دی انکل نے بھی میری رائے سے اتفاق کیا اور ایک شام میں صدیقہ سے صدیقہ اسلم بن گئی۔

شادی کے شروع کے سال بڑے خوشگوار گزرے اگلے سال اللہ نے ہمیں بیٹی کی نعمت سے نوازا۔ اسلم کے گھر والے شاید مجھے قبول نہیں کر پا رہے تھے، اسلم گھر میں بڑے تھے اور ظاہر ہے سب چاہتے ہیں کہ بڑے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے ہو۔ خاص کر ماں، بہنیں تو یہ چاہتی تھیں کہ ان کی پسند سے ہو اور یہاں اسلم اس لئے شادی کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ ان کی ایک منگنی پاکستان میں ٹوٹ چکی تھی اس لئے انہوں نے غصہ میں یہیں شادی کا ارادہ کر لیا۔ بہرحال میرے ساتھ اسلم کا تعلق اچھا تھا بیٹی دو سال کی تھی جب میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی بیٹا دس دن کا تھا کہ اسلم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور پھر شاید میرے اندر کوئی کمی تھی جسے اللہ کو نکھارنا تھا میرے اوپر آزمائشیں آتی چلی گئیں لیکن میرا ایمان جو شاید کچا تھا اور پختہ ہوتا چلا گیا اور وقت کے ساتھ ساتھ مزید پختگی آتی جا رہی ہے۔ الحمد للہ بہت لوگوں سے اچھی ہوں البتہ ایک کسک جو کہ اکثر دل میں چھبتی ہے کہ کہیں آخرت میں مجھ سے میرے ماں باپ، بہن بھائیوں کے بارے میں جواب طلبی نہ ہو تو میں اسلام لانے کے بعد سے اب تک ہر پندرہ بیس دن بعد انڈیا فون کرتی ہوں اپنے ماں باپ سے بات کرنا چاہتی ہوں انہیں ایمان کی حقیقت بتانا چاہتی ہوں لیکن وہ فون اٹھاتے ہیں، میری آواز سنتے ہیں اور کہتے ہیں ''تم ہمارے لئے مر چکی ہو اس دن سے جب ہندومت سے پھر گئی تھیں ہمیں فون نہ کیا کرو'' میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتی ہوں لیکن کچھ دن بعد دل پھر ملامت کرتا ہے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا جواب ملے گا لیکن اللہ تو دلوں کو پھیرنے والا ہے کب کس کا دل پھر جائے اسی امید پر دوبارہ فون کرنے کی ہمت کر لیتی ہوں۔''

یہ تھی صدیقہ کی کہانی، صدیقہ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور میری دوست خاموشی سے سن رہی تھی، لیکن خدا گواہ ہے کہ ہم دونوں اس کی ثابت قدمی، اس کے اخلاص، اس کے اخلاق اور اس کی اسلام پسندی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم لوگ صدیقہ اور بچوں کو واپس چھوڑنے جا رہے تھے دبئی

کے مکتوم برج سے اتر کر ابوظہبی ہائی وے پر نکلتے ہیں تو راستے میں ایک خوبصورت ٹنل (Tennel) آتا ہے جو کہ بڑے بڑے چمکتے ہوئے ٹائلز سے مزین ہے اور جگمگاتی روشنیوں میں تو نہایت خوبصورت لگتا ہے پھر ان دنوں چونکہ شاپنگ فیسٹیول چل رہا تھا تو اس ٹنل اور سڑکوں پر روشنیوں سے شہر مزید جگمگا رہا تھا یہ بات مجھے ابھی تک نہیں بھولتی اس دن کے بعد سے اب تک میں سینکڑوں مرتبہ اس ٹنل سے گزر چکی ہوں اور آج بھی میرے کانوں میں صدیقہ کے وہ الفاظ اسی طرح رس گھولتے ہیں جیسے اس دن گاڑی میں اس نے کہے تھے ''دنیا کتنی پیاری ہے، کتنی حسین ہے، انسان کا کچھ اختیار نہیں کہ یہاں رہ سکے لیکن مجھے یہاں کی ذرا فکر نہیں ہے میرا تو بس ایک ہی عزم ہے ایک ہی ارادہ ہے چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے مجھے تو بس آخرت کے امتحان میں پاس ہونا ہے۔''

یہ تھا عزم اور وہ ارادہ جو اس نے دل میں بٹھایا ہوا تھا جس کے گرد اس کی ساری زندگی گھوم رہی تھی اور پھر اس مقصد کو حاصل کرنے کی لگن واقعی دیکھنے والی تھی صدیقہ کی زندگی تو ان لوگوں میں سے تھی جو ایک ارادہ کر بیٹھے تو بس جم گئے۔ چاہے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے وہ اپنے مقصد سے نہیں ہٹتے۔

چند ماہ میرے کافی مصروفیت میں گزرے جب کافی عرصے بعد فون پر بات ہوئی تو صدیقہ نے بتایا کہ میاں کی طبعیت اب بھی نارمل نہیں ہے اور میرے سر میں بھی کافی درد رہنے لگا ہے۔ ایک دن جمعرات کو میں صدیقہ کے گھر گئی تو صدیقہ نے بتایا کہ میں ہسپتال گئی تھی ڈاکٹر ایڈمٹ ہونے کو کہہ رہی تھی لیکن میرے اوپر اسکول کا قرض ہے مجھے بچوں کا رزلٹ تیار کر کے دینا ہے جو کہ میرے اوپر بوجھ ہے، کل جمعہ کو بچوں کا رزلٹ ہو جائے گا انشاء اللہ العزیز ہفتہ کے دن جا کر اپنے ٹیسٹ وغیرہ کرالوں گی پھر صدیقہ نے مجھے سفید رنگ کی کیپسول ٹائپ گولیاں دکھائیں کہ ڈاکٹر نے یہ کھانے کو کہا ہے اس دن مجھے صدیقہ کی طبعیت خاصی ڈسٹرب لگ رہی تھی لیکن مجھے محسوس ہوا کہ شاید اسکول میں کام کا زیادہ بوجھ ہے، سر میں درد اس لئے ہے اور کل کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔

اور ہفتہ کے دن صبح ۹ بجے میں سو رہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی میں نے فون اٹھایا تو دوسری جانب مسز محمود تھیں سلام دعا کے بعد انہوں نے جو بات کہی وہ میرے ہوش اڑانے کے لئے کافی تھی، وہ کہہ رہی تھیں Siddiqa is expire میرے کان یہ الفاظ سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: امینہ اسلمی **ملک کا نام**: امریکہ

# اسلام ہی نے عورت کو حقیقی آزادی دی ہے

## ایک امریکی نومسلمہ کا بیان

(امینہ اسلمی) یہ وہ امریکہ خاتون ہیں جنہوں نے مئی ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا اس سے پہلے وہ متشدد عیسائی تھیں وہ امریکی ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر بچوں اور سماجی بہبود سے متعلق پروگرام پیش کرتی تھیں اور ٹیلی ویژن کے بعض پروگراموں پر انہوں نے انعامات بھی حاصل کیے اور فی الحال (امینہ اسلمی) بچوں کے لئے ایسے رسالے نکالنے میں مشغول ہیں جن میں اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا جاسکے۔ برطانیہ کے اس ایک سفر کے موقع پر ان سے یہ انٹرویو لیا گیا۔

س:...... آپ کے اسلام قبول کرنے کا بنیادی سبب یا باعث کیا ہے؟

ج:...... مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے دوران میں عین اس وقت سلام سے واقف ہوئی جب کمپیوٹر کی تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ کے ایک سینٹر میں میں نے اپنا نام درج کروایا، میرے ہی سیکشن میں بعض عرب بھی تھے میں ان کو صرف اس لئے ناپسند کرتی تھی کہ وہ مسلمان ہیں اسی وجہ سے میں نے اپنا سیکشن تبدیل کرواکر ایسے سیکشن میں داخلہ کروانا چاہا جس میں کوئی عرب مسلمان نہ ہو اسی سلسلہ میں اپنے شوہر سے میں نے مشورہ کیا، انہوں نے عجلت سے کام لینے سے روکا اور برداشت کرنے کی تلقین کی اب میں نے یہ خیال کیا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو ان کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو۔ میں نے ان عربوں سے کہا کہ تم سب جہنم میں جاؤ گے، عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی وفات تمہاری ہی وجہ سے ہوئی، میں نے قران کو خریدا کہ اس کو انہی کے خلاف استعمال کروں اور دو سال تک اس کا مطالعہ کرتی رہی تاکہ کچھ غلطیاں ملیں۔

اسی دوران ایک مرتبہ عربوں کی ایک جماعت نے میرے گھر کے دروازے

پر دستک دی، میں نے جب دروازہ کھولا تو انہی میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں، میں نے ان سے کہا ہرگز نہیں میں تو پختہ طریقہ سے مسیحیت پر کاربند ہوں اور میں اسی امید میں ان سے اسلام کے خلاف گفتگو کرتی رہی کہ ان کو ہدایت ہو۔ اور ان تمام امور کا تذکرہ میں نے ان سے کیا جن کو میں سلبی تصور کرتی تھی ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام عبدالعزیز شیخ تھا اسلام کے محاسن بڑی تفصیل سے بیان کئے اور میری تلخ گفتگو کو وہ لوگ برداشت کرتے رہے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے اور انہوں نے انتہائی بردباری اور اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف قرآن کے مطالعہ کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے شراب پینا، خنزیر کھانا چھوڑ دیا، لیکن ابھی اسلام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی۔

س:...... آپ کے خیال میں وہ کون سے حقیقی اسباب ہیں جو مغربی عورت کو اسلام میں دلچسپی لینے پر مجبور کر رہے ہیں، باوجود یہ کہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھتا ہے؟

ج:...... مغربی عورت کی زندگی بڑی محنت و مشقت کی زندگی ہے، تمام لوگ اس سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اچھی عورت ہے، اچھی ماں، اچھی آفیسر، اچھی ملازم بنے اور عورت کی آزادی کے لئے ہمارے یہاں کافی اسکول (کالجز) ہیں اور ہر کالج مختلف امور پر توجہ دیتا ہے اور عورت ان تمام دعووں اور مطالبوں کے درمیان حیران ہے، اس کی کوئی شخصیت نہیں اور نہ اس کی اپنی کوئی مرضی ہے ایسی صورت میں مغربی عورت قرآن پڑھتی ہے اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں اس کو علم ہوتا ہے تو اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو مکمل حقوق عطا کئے ہیں۔ اور یہ حقوق سینکڑوں سال پہلے عورت کو دیئے گئے ہیں جبکہ عورت کی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا پھر قرآن ہمیں عورت کے حقیقی معنی سے آشنا کرتا ہے۔

اسلام ان سوالوں کا جواب دیتا ہے کہ مثلاً عورت کی اپنی معاشرہ میں کیا ذمہ داری ہے، خاص طور سے اپنے والدین کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں اس کے کیا اختیارات ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے انتہائی محبوب شوہر سے جو مسلمان نہیں ہوتا اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

س:...... لیکن بعض مغرب پرست عرب ملکوں میں یہ بات کہتے ہیں کہ مغربی عورت فعلاً آزاد ہے یہ بات کہاں تک درست ہے؟

ج:...... مغربی عورت آزاد نہیں ہے بلکہ اس پر بہت سی پابندیاں ہیں جو آزادیٔ نسواں کے نام سے اس پر لگائی گئی ہیں اور یہ مطالبے اس کو پریشانی میں مبتلا کئے ہوئے ہیں اس کے لئے یہ بات ضروری ہوجاتی ہے کہ وہ ایسے نظام میں رہے جس میں مرد کو حاکمیت حاصل ہے تاکہ وہ کامیاب ہوجائے یہ ایسا مطالبہ ہے جو عورت کو عورت سے زیادہ مرد کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر مجبور کرتا ہے۔ تو یہ آزادی کہاں ہوئی؟ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں کی پرورش کے لئے اس کو موقع نہیں ملتا جس کی وجہ سے وہ بچے آوارہ گھومتے گروہوں میں شامل ہوجاتے ہیں اور یہی چیز ماں کو بے چین کردیتی ہے اور اس کے اندر احساس گناہ پیدا کردیتی ہے۔ اور اگر کوئی عورت اپنے آپ کو اپنے بچوں کی تربیت کے لئے فارغ کرلیتی ہے تو اس کا معاشرہ اس کو کمتر سمجھتا ہے۔

مغربی عورت انہی تصورات کی غلام ہے جس کو معاشرہ اور میڈیا مثالی عورت کے لئے پیش کرتا ہے وہ تصورات عام عورت کے تصور کے منافی ہیں یہی چیز اس کے اندر بے چینی پیدا کردیتی ہے اس لئے ہر عورت چاہتی ہے کہ وہ ویسے ہی ہوجائے جیسی تصویر مثالی عورت کی میڈیا میں پیش کی جاتی ہے لیکن ہر عورت اس کی استطاعت نہیں رکھتی۔

س:...... عرب ملکوں میں مغربی طرز پر عورت کی آزادی کے داعیوں کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟

ج:...... میں بعض عرب ممالک کا دورہ کروں گی مثلاً کویت وغیرہ اور میرے دورے کے اسباب میں سے ایک سبب عرب اور مسلمان عورتوں کو ان مدارس کی تقلید سے بچانا ہے جو مغربی عورت کی آزادی کے نام سے قائم ہیں۔ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے آزادی کی داعی تھی اور میں اس سلسلے کی دعوت کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ مسلمان عورتیں اس بات سے بخوبی واقف ہوجائیں کہ مغربی عورت آزاد نہیں ہے بلکہ مغربی نظام میں مجبور ہے اور حقیقی آزادی جس کو وہ تلاش کررہی ہے وہ اس کو صرف اور صرف اسلام عطا کرتا ہے، عرب ممالک میں جو لوگ عورت کی آزادی کا دعویٰ کررہے ہیں وہ مغرب میں عورت کی آزادی کے مفہوم کو جانتے نہیں اور حقیقت

ہیں وہ اسلام سے بھی واقف نہیں ہیں۔

س:...... آپ نے ایک مدت تک امریکہ کے ٹیلی ویژن پر کام کیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے کہ امریکی میڈیا مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟

ج:...... امریکی میڈیا موضوعی انداز رکھتا ہے لیکن مسلمانوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس انداز سے پیش نہیں کرتے جس انداز سے میڈیا چاہتا ہے وہ میڈیا کے ساتھ معاملہ کرنا نہیں جانتے دوسری شکل یہ ہے کہ مسلمانوں کے اپنے بیانات اور تشریحات اختلاف رکھتے ہیں اور اس کا اظہار ٹیلی ویژن کے پردہ پر بھی ہوتا ہے اس کی وجہ سے امریکی عوام پریشانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں (یعنی جو لوگ اسلام کے بارے میں کچھ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام سے قریب ہوتے ہیں وہ پس وپیش میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اور اسلام قبول کرنے میں یہ چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں) بسا اوقات امریکی عوام اسلام کے بارے میں ایسے لوگوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں جن کا ذہن اسلام کے بارے میں صاف نہیں ہوتا مگر وہ اپنی بات ان کے ذہن کے مطابق پیش کرتے ہیں اس لئے مسئلہ امریکی میڈیا کا نہیں خود مسلمانوں کا ہے۔

س:...... مغربی ملکوں میں اسلام کے مستقبل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:...... مسلمانوں کے انتشار کے باجود اسلام جلد ہی یورپ میں ترقی کرے گا اور اب یورپ میں ایسے مسلمان پائے جانے لگے ہیں جو اپنے ملکوں کی عادات واطوار کو چھوڑ کر حقیقی اسلام کے پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ بہت سے مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں سے خطاب کرنے کا طریقہ جان گئے ہیں اس لئے امریکی تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کررہے ہیں اسی وجہ سے اسلام مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے، لیکن یہاں لوگوں کے دلوں میں ایک غلط بات بیٹھ گئی ہے کہ اسلام غریب لوگ ہی قبول کرتے ہیں یا مختلف مشکلات میں گرفتار اشخاص اسلام قبول کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اسلام قبول کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں جو یونیورسٹیوں سے فارغ شدہ ہیں، یا سیاسی، صحافتی، قانونی میدانوں میں قدم رکھنے والے حضرات ہیں اور یہی چیز مستقبل میں اسلام کے منظر کو اور بہتری عطا کرے گی۔

س: یورپ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا کون سا بہتر طریقہ ہے؟

ج:...... سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ ہم لوگوں کے لئے اسلامی تعلیمات کا آئینہ ثابت ہوں (۲) سوالوں کا جواب دینے کے لئے کافی علم ہونا چاہیئے کیوں کہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے اوران کے پاس کوئی ایسی شخصیت ہے نہ کوئی ایسا موقف جو اسلام کے سلسلہ میں مددگار ثابت ہو اور یہی چیز میرے دل کو تڑپا رہی ہے کہ ہم ان کو اسلام سے کیسے واقف کرائیں۔

س:...... اس کانفرنس کے بارے میں جو ابھی حال میں بکین میں منعقد ہوئی تھی آپ کا موقف کیا تھا؟ اور مزید اس کانفرنس کے مقصد سے بھی مجھے آگاہ کریں؟

ج:...... میں نے کانفرنس میں شرکت سے انکار کردیا تھا اور اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ بائیکاٹ اس وجہ سے نہیں کیا کہ میرے پاس دعوت نامہ نہیں آیا تھا اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے کئی دعوت نامے مجھے موصول ہوئے تھے لیکن میں نے اس کانفرنس میں شریک ہونے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ کانفرنس نے اسلامی نقطہ نظر کے بارے میں سننے سے پہلے ہی انکار کردیا تھا اور یہی بات مجھے ناپسند تھی جس کی وجہ سے میں نے بائیکاٹ کیا، اور میں اس کانفرنس کے ذمہ داروں میں سے اکثر سے ملاقات کرچکی تھی اور اکثر سے میں واقف بھی تھی اور میں اکثر کو منحرف اور اخلاقی مخالف جانتی تھی میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں کانفرنس میں شریک ہوتی تو گویا میں نے کانفرنس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرلیا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلمان عورتوں نے کانفرنس میں شرکت کرنے میں فخر محسوس کیا کیونکہ وہ کانفرنس کا مطلب نہ سمجھ سکیں عورت کی آزادی کے غلط دعوؤں اور اسلام سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس کانفرنس سے متاثر ہوگئیں۔

س:...... آپ عورت کی آزادی کے داعیوں میں سے رہی ہیں اور اس زمانہ میں آپ کی متعدد سرگرمیاں بھی رہی ہیں اپنے تجربات کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات فراہم کیجئے؟

ج:...... میں اپنی زندگی کے اس مرحلے میں یہ اعتقاد رکھتی تھی کہ عورت اور مرد کے درمیان مقابلہ ہے اور میرا کام یہ ہے کہ میں مرد کی طرح ہوجاؤں حتیٰ کہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت رکھ سکوں، جو کام مرد کرتا ہے، میں یہ سمجھتی تھی کہ میں بھی اس کے کرنے پر قادر ہوں لیکن جب وہ مجھ سے کسی چیز میں فوقیت لے جاتا تو میں یہ سمجھ لیتی کہ وہ میرا دشمن ہے، یہ جاننے کے بعد کہ عورت ہونا فخر کا باعث ہے اور ماں ہونا فخر کا باعث ہے، میں نے اسلام قبول کرلیا میں پہلے اپنے آپ کو سب کے سامنے محصور پاتی تھی، اب ایک

خاندان کے ایک باعزت اور محفوظ فرد کی حیثیت رکھتی ہوں میرا خیال ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے اور ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور ان دونوں کی زندگی بعض کی بعض کے ساتھ رحمت ہے جس کے بارے میں قرآن بیان کرتا ہے:

''مشرقی معاشرہ میں اگر عورت حقوق سے محروم ہوتی ہے تو بعض سماجی یا انفرادی کوتاہیوں کی وجہ سے، نہ کہ اسلام کی تعلیمات کی وجہ سے جو بہت واضح ہیں۔''

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: بنت آدم **ملک کا نام**: انگلینڈ

# انگلینڈ کی نومسلمہ بنت آدم کی ایمان افروز باتیں

## اسلام نے مجھے آزاد کیا

ماضی میں جہاں تک میں جھانک سکتی ہوں، مجھے یاد ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر چھوٹی عمر سے ہی یقین رکھتی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک بائبل باقاعدگی سے پڑھتی تھی، مگر میرے مذہبی عقائد میری ذات تک ہی محدود تھے کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ اگر میں نے لوگوں کے سامنے ان کا اظہار کیا تو وہ میرا تمسخر اڑائیں گے۔ میرا خاندان مذہبی نہیں تھا، مذہب پر اول تو بہت ہی کم بحث ہوتی تھی اور اگر کبھی ہوتی بھی تو مذہب کے منفی پہلوؤں کے حوالے سے ہوتی۔ میں نے یسوع مسیح کی ماہیت کے بارے میں کبھی نہ سوچا تھا کہ آیا وہ انسانی ہے یا ربانی مجھے صرف اس میں دلچسپی ہوتی تھی کہ انہوں نے کہا کیا ہے مطالعہ کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں نے محسوس کیا کہ ان کی صحیح پیروی کا ایک ہی راستہ ہے کہ میں اپنی سوسائٹی اور دنیوی معاملات سے کٹ کر نن بن جاؤں لیکن میں ایسا نہیں کرسکتی تھی کیونکہ میں شادی بھی کرنا چاہتی تھی اور مجھے بچوں کی بھی خواہش تھی۔

آہستہ آہستہ میں ملک میں مروج نوجوانوں کے مشاغل یعنی پاپ میوزک اور ڈسکو وغیرہ میں مشغول ہوتی گئی اور میرے مذہبی احساسات بتدریج کم ہوتے چلے گئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں بطور نرس ٹریننگ کے لئے میں گھر چھوڑ کر لندن آ گئی۔ لندن میں میری چند عرب اسٹوڈنٹس سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مجھے اپنے ملک آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر میں شام گئی میں اسلام اور اسلامی کلچر سے مکمل ناواقف تھی پہلی بار جب میں نے باپردہ خواتین اور عجیب وغریب لباس میں مردوں کو دیکھا تو ششدر رہ گئی میرا خیال تھا کہ ان کا رویہ بھی عجیب وغریب اور انوکھا ہی ہوگا لیکن میرے لئے تو یہ ایک سرپرائز تھا کہ وہ نہایت خوشگوار اور یگانگت طبیعت رکھتے تھے۔ تعلیم، خاندان اور مذہب

کے لئے ان کے ہاں جو ادب واحترام پایا جاتا ہے میں اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ نہایت ہی پرتپاک مہمان نواز تھے اور ان کی محبت وشفقت زبردست تھی جب میں انگلینڈ واپس آئی تو میں نے محسوس کیا کہ میں اپنا دل تو وہیں چھوڑ آئی ہوں، شام میں ہونے والے تجربات کو میں اپنے ذہن سے نہ نکال سکی اور اسلام کے بارے میں مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک پاکستانی نرس نے مجھے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ دیا جسے میں اپنے فالتو وقت میں پڑھنے لگی۔

میں مسلمان بنوں گی، اس کے بارے میں تو میں نے قطعاً نہ سوچا تھا، میرے اندر تو ایک مذ بردست تجسس تھا جس کے باعث میں خوشی سے قرآن پڑھنے لگی۔ میری زندگی کا یہ لمحہ نقطۂ انقلاب بن گیا میں نے جلد ہی جان لیا کہ یہ وہی سچائی ہے جو میں نے بائبل میں پڑھی تھی اور یہ وہی تعلیمات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیان کی تھیں لیکن کہیں زیادہ طاقتور، اثر انگیز اور صاف وشفاف مجھے یاد ہے کہ یہ احساس ہونے پر کہ میری زندگی کے تمام طور طریقے غلط تھے اور میرے ہاتھوں میں اللہ کا حقیقی پیغام ہے میں کانپنے اور رونے لگی۔ میں فوراً اسلامی احکام کی پیروی چاہتی تھی مگر کیسے یہ نہ جانتی تھی۔ میں ایسے کسی فرد کو بھی نہ جانتی تھی جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکے۔ میں تو ہر طرف غیر مسلموں میں گھری ہوئی تھی، آہستہ آہستہ میرا عزم وارادہ تحلیل ہوتا گیا اور میں بتدریج اپنی سابقہ حالت پر چلی گئی۔

۵ سال تک اسلام کو میں نے اپنے آپ سے دور کر دیا، قرآن کو پڑھنے اور اللہ کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی، غیر متوقع میرے ایک شامی دوست نے مجھ سے دوبارہ رابطہ قائم کیا اور اس سے میری تمام یادیں واپس لوٹ آئیں میں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے معاف کر دے اور مجھے یہاں اس طرح نہ مرنے دے اور یہ سوچ کر کہ میں دوزخ میں پھینکی جاؤں گی رونے لگی۔ ایک ہفتہ بعد میں اچانک بیمار ہوگئی اور مجھے ایک بڑے آپریشن کے مرحلہ سے گزرنا پڑا میں تقریباً مر گئی تھی میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے موت کے قریب لے گیا اور پھر اس نے مجھے زندگی کا دوسرا موقع دیا۔

اس کے بعد میں اسلام کی طرف لوٹ آئی اور یو کے اسلامک مشن لندن میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں ایک پاکستانی گھرانے

کے ساتھ دو ماہ تک رہی یہیں میں اپنے ہونے والے شوہر سے متعارف ہوئی، اتفاق سے وہ بھی شامی نکلا، جو افراد اسلام قبول کرنے کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں ان کے لئے میرا مشورہ ہے کہ وہ ایسا کرتے ہوئے ہرگز خوف زدہ نہ ہوں، یہ تو شیطان ہے جو آپ کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔ ایک بار آپ نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ آپ کے لئے ہر دروازہ کھول دے گا اور اسلام پر عمل آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

اسلام قبول کرنے سے قبل میں پانچ سال تک ذہنی کرب سے گزری، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے راستہ آسان کر دیا۔ اکثر لوگ حیران ہوتے ہیں اور انہیں یقین نہیں آتا کہ ایک انگریز عورت نے ''آزادی'' کو چھوڑ کر ایک ایسے مذہب کو کیسے اختیار کرلیا جو عورتوں کے لئے ''ظالمانہ و جابرانہ'' ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اسلام اس کے بالکل الٹ ہے، برطانوی سوسائٹی میں خواتین کو ایک ''جنسی شے'' کے طور پر دیکھا جاتا ہے، انہیں استعمال کیا جاتا ہے، ان کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور دہشت ناک جنسی جرائم کا انہیں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ''ماں'' کو دولت حاصل کرنے کے لئے دوسرے درجہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ذہین عورتوں کو *Macho* (جارحانہ مردانہ خصوصیات کی حامل) کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام میں عورت عزت و تکریم کی انتہائی بلندیوں پر ہے، اپنے حسن کو ڈھانپ کر وہ مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ جنسی شے کے بجائے ان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جائے۔ اسلام میں ماں کا مقام تو اس قدر بلند ہے کہ مغربی عورت اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت ماں کے قدموں میں ہے'' ہر مسلمان عورت سمجھتی ہے کہ بڑی بڑی دولت کا حاصل کرلینا بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بچوں کی دیکھ بھال سے زیادہ قیمتی اور انعام کی حق دار نہیں ہے۔ اسلام میں مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم اتنی ضروری ہے جتنی مسلمان لڑکوں اور مردوں کی۔

میں ذاتی طور پر محسوس کرتی ہوں کہ اسلام نے مجھے نہ صرف کئی سختیوں سے نجات دلائی ہے بلکہ میری خودداری بھی مجھے واپس لوٹائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھی اچھا کام کرتا ہے اور اللہ پر یقین رکھتا ہے وہ مرد ہو یا عورت اللہ کی

طرف سے اسے بہتر اجر دیا جائے گا۔ مرد وزن، نسل ورنگ اور امارت وغربت کے امتیازات سے بالا دینی مساوات ہی اسلام میں بھائی چارے کی اصل بنیاد ہے۔ اسلام میں بہترین آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی یعنی نیک اور اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کی فیملی مسلمان نہیں ہے تو ایمان کا رشتہ خونی رشتوں سے بھی مضبوط اور بڑھ کر ہے۔

مجھے اسلام قبول کئے ۹ سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ ہوا ہے، میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اسلام کے مطابق زندگی گزاریں میرے اور میرے شوہر کے درمیان تعلقات کی مضبوطی اور بنیادی حقیقت ہم دونوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین اور ذہنی ہم آہنگی ہے ہم ایک ہی طرح کی خواہشات اور خیالات رکھتے ہیں۔ ایک ایسے دور میں جہاں طلاق عام ہو، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان کے باعث اپنے آپ کو مضبوط محسوس کرتے ہیں، ہر قسم کے دباؤ اور بے شمار مجبوریوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ہم اس دور میں رہ رہے ہیں جس میں ایڈز، سنگل پیرنٹ فیمیلیز اور اسقاط حمل کی بھرمار ہے۔ اسلامی طرز حیات اپنا کر آپ ان تمام برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جدید سوسائٹی میں درپیش تمام مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے اس ملک کو اسلام کی ضرورت ہے بلکہ تمام دنیا کو اس کی ضرورت ہے کیونکہ یہی تو ہے ہدایت اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لئے کونسا صحیح راستہ ہے۔

(ترجمہ ملک احمد سرور)

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **ملک کا نام**: آسٹریلیا

# قرآن کریم کی تلاوت نے ایک عیسائی مبلغہ کو اسلام کی طرف کھینچ لیا

اسلام کے دین فطرت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ دشمنان اسلام کے سارے پروپیگنڈوں اور سازشوں کے باوجود اس کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے اور مختلف طبقات و گروہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بکثرت پیش آرہے ہیں اور اخبارات میں اس کی تفصیلات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اخبار العالم الاسلامی مکہ مکرمہ کی ایک اشاعت میں ایک آسٹریلوی مبلغہ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل شائع ہوئی ہے جو ناظرین کی خدمت میں پیش کی ہے۔

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ ''اوتاولیامز'' کی ایک آسٹریلوی عیسائی خاتون، جو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے سرگرم عمل تھیں اور اس میدان کی بہت کامیاب مبلغہ مانی جاتی تھیں، عیسائیت کی تبلیغ کرتے کرتے اسلام کی مبلغہ بن گئیں۔ اس زبردست تبدیلی حالت میں ایک معمولی واقعہ کا دخل ہے جس نے اس کی زندگی کے رخ و دھارے کو موڑ کر اسلام کی طرف پھیر دیا، واقعہ دیکھنے میں تو بڑا سادہ اور معمولی ہے مگر اپنی اثر آفرینی وقوت کے اعتبار سے بڑا ہی نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے۔

یہ خاتون ایک مصری انجینئر حسین زید سے عیسائیت کی تبلیغ کے مقصد سے ملنے گئیں، بڑی گرم جوشی کے ساتھ انہوں نے ان کا استقبال کیا اور ان کی آمد پر بڑی بشاشت وانبساط کا مظاہرہ کیا۔ وہ پہلے ان کے اخلاق سے متاثر ہوئی جس کا ان کو اس سے پہلے تجربہ نہ تھا، ادیان کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوئی تو موصوفہ نے عیسائی مذہب کی برتری وفوقیت کے بارے میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی اور اسلام کے بارے میں اپنے شبہات اور اعتراضات بیان کئے۔ کچھ دیر کے بعد انجینئر صاحب نے تھوڑی دیر

کے لئے اجازت لی اور پھر واپس آ گئے، موصوفہ نے ان سے استفسار کیا کہ آپ کہاں گئے تھے اس پر انہوں نے کہا کہ یہ میری تلاوت کا وقت ہے میں اس کے لئے تیاری کرنے گیا تھا۔ طہارت کے بعد وضو کر کے آیا ہوں، محترمہ کے لئے طہارت اور وضو انوکھی بات تھی انہوں نے پوچھا کہ تلاوت کے لئے وضو کے کیا معنی؟ انجینئر موصوف نے وضو کی اہمیت اور افادیت بتائی اور تلاوت کے لئے اس کی ضرورت۔ انہوں نے کہا پھر تلاوت کیجئے ہم سنتے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی، تلاوت سنتے ہی خاتون پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی وہ محو ہو کر سننے میں مصروف ہو گئیں۔ تلاوت اور قرآن مجید کے معانی و مطالب کچھ بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے مگر لہجہ اتنا پرکشش اور شیریں تھا اور خشوع و خضوع کی وہ کیفیت تھی کہ اس کی حلاوت ان کے دل میں اثر کر گئی اور ان کو زندگی میں پہلی بار اس کا تجربہ و احساس ہوا کہ آج انہوں نے خدا کا کلام سنا ہے۔ تلاوت ختم ہونے کے بعد انجینئر صاحب کی بیگم نے تلاوت کردہ سورت کی (حسن اتفاق کہ یہ سورۃ مریم تھی) تشریح و توضیح اور بڑے دلنشین پیرائے میں اس کے معانی و مطالب بیان کئے جس کو سن کر آنکھیں نم ہو گئیں۔

اخبار العالم الاسلامی کے سوال پر وہ اپنا قصہ خود بیان کرتی ہیں:

وہ کہتی ہیں کہ جب میرے سامنے سورۃ مریم کی تشریح بیان کی گئی اور اس کے حقائق میرے اوپر منکشف ہوئے تو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ میرے ذہن و دماغ پر بجلی گر پڑی، بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے کہا کہ یہ سچا کلام ہے اور اسی ڈوبی ہوئی کیفیت کے ساتھ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق مجھے پیدا ہوا۔ میں کتابوں کی ایک طویل فہرست لے کر روانہ ہوئی وہاں سے واپسی کے بعد میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا اور رفتہ رفتہ میرے قلب میں نور اسلام کی شعاعیں داخل ہوتی چلی گئیں جبکہ میری نشو ونما اسلام دشمن ماحول میں ہوئی تھی اور میرا تعلق ایسے گروہ و جماعت سے ہے جو مومن کہلاتا ہے اور یہ گروہ اپنی اسلام دشمنی اور ماسونیت و صیہونیت نوازی میں بہت مشہور ہے۔ یہودیوں کے بارے میں اس کے افکار بڑے جانبدارانہ ہیں اس گروہ کے اندر مسلمانوں میں سے خاص طور سے عربوں کی نفرت اور ان کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ گروہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے

کے میدان میں بڑے زور وشور کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ میں بھی اسی طرح کے افکار واقتدار کی علمبردار تھی اور پندرہ سال تک مسلسل بڑی جانفشانی کے ساتھ مسلمانوں کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بہت سے نوجوانوں کو میں نے اس کام کے لئے تیار کیا۔ اس میدان میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی اور بڑا نام کمایا، ان کے شاگرد اور تربیت یافتہ مختلف ممالک میں اس مہم کو انجام دے رہے ہیں، لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا اس نے اسلام کی دولت سے ہمکنار کیا اس سلسلہ میں مطالعہ قرآن نے میری بڑی رہنمائی کی خاص طور سے میں نے سورۃ مریم کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، اس مطالعہ سے اسلام اور مسلمانوں اور حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام کی سچی تصویر اور سچے خدوخال سامنے آئے۔

اس کے بعد وہ کہتی ہیں کہ جب مجھے اسلام سے اطمینان حاصل ہوگیا اور اس کی حقانیت وصداقت کا پورا پورا یقین ہوگیا تو میں نے کلیسا کا رخ کیا اور بغیر کسی خوف و ڈر کے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا، میرا یہ اعلان کلیسا کے راہب و راہبات پر بلکہ عیسائیت کے قلب پر بجلی بن کر گرا، لیکن میں نے کسی کی کوئی فکر و پروانہ کی، بلکہ مجھے اس کا بھی اندیشہ نہیں ہوا کہ میرے گھر والے اس کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک وبرتاؤ کریں گے۔ اسی اعلان کے بعد پانچ سال تک بڑی لگن وعرق ریزی کے ساتھ میں نے مختلف ادیان ومذاہب کے عقائد کا تقابلی مطالعہ کیا لیکن روز اول سے میرے دل میں اسلام کی جو محبت جاگزیں ہوگئی تھی بال برابر بھی اس کے اندر کمی نہیں آئی بلکہ روز بروز اسلام کی ابدیت پر یقین اور مستحکم ہوگیا، پھر وہ مرحلہ آیا کہ اب مجھے سرکاری طور پر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے سڈنی کے اسلامک سینٹر میں حاضر ہوئی اور وہاں اپنے اسلام کا اعلان کیا اس کے بعد سے میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ شرعی علوم اور اسلامی دعوت کے اسلوب وانداز اور اس کے ضوابط سے آگاہی کے بعد اپنے ماضی کی تلافی کرسکوں۔

ان سے پوچھا گیا کہ اسلام کے پہلے وبعد کی زندگی میں کیا آپ نے کوئی فرق محسوس کیا؟ انہوں نے کہا ہاں! اتنا ہی فرق جتنا کہ رات ودن کا محسوس کیا جاتا ہے اور الحمدللہ میں بہت مسرور وخوش ہوں۔ اسلام نے مجھے روحانی وقلبی اطمینان وسکون عطا کیا

جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاسکتا۔

یورپ کی اسلام دشمنی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس نے تعدد ازدواج جیسے مسائل کو لے کر اسلام کے خلاف خوب واویلا مچایا لیکن اب خود انہی مغربی ممالک سے اس کی حمایت اور جواز کے بارے میں صدائیں بلند ہو رہی ہیں جیسا کہ جنگ عظیم ثانی کے بعد جرمنی نے اس کی اجازت دے دی تھی۔

معاشرہ میں عورتوں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ عورت ہی وہ بنیادی پتھر اور ستون ہے جس پر شوہر کے ایمان اور اطاعت وتقویٰ، پرہیز گاری، نیکی و صلاح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ خیر کے کاموں میں شوہر سے تعاون کرتی ہے اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے اچھے کاموں کی تحسین کرتی ہے۔ زندگی کے دشوار گذار و پر پیچ مقامات پر اس کا سہارا بنتی ہے پھر بچوں کی تعمیر وتشکیل اور ان کی ترقی میں اس کا پورا دخل ہوتا ہے، موجودہ زمانے میں جب کہ ہر طرف غلط افکار کی تند و تیز ہوائیں چل رہی ہیں عورت کی ذمہ داری اس حیثیت سے دو چند ہو جاتی ہے کہ وہی بچوں کی حقیقی اور پہلی معلمہ واستانی ہوتی ہے اس لئے اس پر ضروری ہے کہ وہ خود دینی تعلیم اور اسلامی ثقافت کے زیور سے آراستہ ہو اور بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائے تا کہ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والے بچے اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کے سانچے میں پروان چڑھیں اور اگر وہ اس سے پہلو تہی برتے گی اور اہمال وغفلت سے کام لے گی تو پورا انسانی معاشرہ تباہی کے گڑھے میں گر سکتا ہے۔

عورت کی تزئین وآرائش کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ عورتوں کی تزئین اس وقت صحیح ہے جب کہ شوہروں کو خوش کرنے کے لئے ہو لیکن اگر تفاخر کی نیت سے ہو اور ریا ودکھاوا مقصود ہو تو میں نہیں سمجھتی کہ شریعت میں اس کی گنجائش ہے۔

**سابقہ نام**: مسز ماڈل ڈونا فک ڈیوڈسن
**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: فاطمہ
**ملک کا نام**: فرانس

## ''اللہ اکبر'' کی پکار نے میرے لئے قبول اسلام کی راہ ہموار کردی

## جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ میں سوشل ڈیویلپمنٹ کی سابق وزیر مادام فاطمہ مک ڈیوڈسن کا مصری جریدے کو خصوصی انٹرویو

چند سال پہلے تک مادام فاطمہ مک ڈیوڈسن جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو میں سوشل ڈویلپمنٹ اور لوکل گورنمنٹ کی وزیر تھیں انہوں نے ۱۹۷۵ء میں عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ ان کا پرانا نام مسز ماڈل ڈونا فک ڈیوڈسن تھا۔ قاہرہ کے معروف عربی جریدے ''منبر الاسلام'' کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے اپنے قبول اسلام کی وجوہ بیان کیں۔ اس انٹرویو کا انگریزی ترجمہ کراچی کے ''یقین انٹرنیشنل'' میں شائع ہوا (۲۲ جنوری ۱۹۸۴ء) جسے ذیل میں اردو کا قالب پہنایا جا رہا ہے۔

کہنے کو تو میں نے ۱۹۷۵ء میں عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ میں لمبا عرصہ پہلے اسلام کے قریب آ گئی تھی تاہم یہ وضاحت کرنے سے قاصر ہوں کہ ایسا کس طرح ہو گیا تھا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ۹ مارچ ۱۹۵۰ء کی تاریخ تھی گھر میں یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ میں تاحیات راہبہ کی حیثیت سے ایک خانقاہ میں داخل ہو جاؤں گی لیکن جب میں اس صبح کو بیدار ہوئی تو پراسرار طور پر میرے کانوں میں یہ آواز گونجنے لگی ''اللہ اکبر............اللہ اکبر'' اور اس نے میرے اندرون کو مکمل طور پر ہلا کر رکھ دیا، میں نے مسیحی خانقاہ میں داخلے سے صاف انکار کر دیا۔

اس کے بعد میں تواتر و تسلسل کے ساتھ تلاش حق میں سرگرداں رہی، حتیٰ کہ خوش قسمتی سے میری ملاقات پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک عالم دین مولانا صدیق صاحب سے ہوگئی اور اس حوالے سے میرا تعارف ایک بھارتی عالم شیخ انصاری صاحب

سے بھی ہو گیا۔ میں نے ان دونوں سے رابطہ قائم کرلیا ان سے. مسلسل گفتگوئیں چلتی رہیں بالخصوص فطرت کے بارے میں میرے ذہن میں جو تصورات تھے ان پر تفصیل سے باتیں ہوئیں حتیٰ کہ ایک روز ان دونوں جید علماء نے فیصلہ صادر کر دیا ''الحمدللہ آپ کے خیالات ہو بہو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں اور ہماری رائے میں آپ مسلمان ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان سمجھئے اور مسجد میں جا کر نماز ادا کیجئے، ہم آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جب آپ کا جی چاہے ہم آپ سے گفتگو کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔''

اس طرح میری زندگی کا ایک نیا باب کھل گیا۔ میں نے اس احساس سے بے حد مسرت محسوس کی کہ میرے خیالات اسلام کے عین مطابق ہیں اور اس انکشاف پر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس دن کے بعد الحمدللہ میرا سینہ ایمان کی دولت سے منور ہو گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو میرے دل میں بے پناہ محبت اور عقیدت جاگزیں ہوگئی ہے چنانچہ میں کہہ سکتی ہوں کہ اگرچہ رسمی طور پر میرے قبول اسلام کی تاریخ ۱۹۷۵ء کا کوئی دن ہے لیکن ذہنی اعتبار سے میں ۱۹۵۰ء سے مسلمان ہوں۔ یعنی اس روز سے جب میں نے پہلے پہل اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی پراسرار مبارک آواز سنی تھی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر اور جب میں نے عیسوی خانقاہ میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔

میں رنگ دار نسل کی پہلی لڑکی تھی جس نے اسلام قبول کیا اور عبادت کے لئے مسجد میں داخل ہوئی اور اس کے بعد تو الحمدللہ گویا راستہ کھل گیا اور بے شمار تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیاں دینِ اسلام میں داخل ہوگئیں اور یہ نومسلم خواتین نماز کے لئے جوق در جوق مسجد میں بھی جانے لگ گئیں۔ خصوصاً ٹرینی ڈاڈ کے شہر فرانس کی مسجد جامع سنتال میں تو عبادت گزار خواتین کے ٹھٹھ لگ جاتے یہ مسجد ڈاکٹر شیخ انصاری نے تعمیر کرائی تھی اب اس کے چیئرمین الحاج شفیق محمد ہیں۔

اس سے پہلے ٹرینی ڈاڈ کے لوگ اسلام کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ مذہب ہندوستانیوں کا ہے جو کئی طرح کی اقسام میں بٹا ہوا ہے وہ اسلام کے مقابلے میں قادیانیت کو کہیں زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ٹرینی ڈاڈ میں قادیانیت کی تبلیغ بڑے منظم انداز میں ہو رہی تھی۔ یہ اللہ کا خصوصی احسان ہے کہ میرے قبول اسلام کے بعد

افریقی نسل کے لاتعداد لوگوں نے اسلام قبول کیا حتیٰ کہ جلد ہی اس ریاست میں مسلمانوں کی آبادی تیرہ فیصد تک جا پہنچی جبکہ کیتھولک ۳۱ فیصد، پروٹسٹنٹ ۲۷ فیصد اور ہندو ۶ فیصد ہیں باقی لوگ لامذہب ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے مختلف فرائض کے معاملے میں اخلاص اور عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ایمان کے تقاضوں سے پوری سنجیدگی سے عہد برآں ہونے کی کوشش کرتی ہوں چنانچہ خواہ سرکاری معاملات ہوں یا ذاتی سطح کی کوئی بات، میں کسی حالت میں جھوٹ نہیں بولتی، اسی طرح میں حتی الامکان کوشش کرتی ہوں کہ سرکاری یا ذاتی سطح پر کوئی عمل اسلامی تعلیمات کے برخلاف نہ ہونے پائے۔

جہاں تک میرے سرکاری اور سیاسی فرائض کا تعلق ہے، ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال ہے اور میری کارکردگی کا معیار بڑا ہی بلند ہے۔ نتیجہ یہ کہ میرے سابق وزیر اعظم نے مجھ سے خود کہا کہ مصر کا ایک چکر لگا آو۔ وہ ملک اسلامی تہذیب کا ایک اہم مرکز ہے۔ وہاں جامعۃ الازہر سے بھی استفادہ کر آنا، چنانچہ میں نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھایا اور مصر کے مختلف علمی مذہبی اور انتظامی اداروں کا معائنہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ میں نے متعدد بار پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا ہے اور مسلمان ہونے کے باوجود ہر بار کامیاب ٹھہری ہوں میں نے ایک بار تعلیم اور ثقافت کے وزیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی ہیں، اور ہر شعبے میں کامیابی نے میرا خیر مقدم کیا ہے خصوصاً ٹرینی ڈاڈ کے وزرائے اعظم اور میرے رفقاء نے کمال بے تعصبی اور وسعت ظرفی سے میرے ساتھ تعاون کیا ہے اندازہ کیجئے کہ دیگر قومی ایام کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر باقاعدہ سرکاری طور پر تعطیل ہوتی ہے اور رمضان المبارک میں مسلمانوں کے گھروں اور مساجد میں ہر طرح کی آسانیاں فراہم کی جاتی ہیں تاکہ وہ روزے کے فریضہ کو احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔

آخر میں، میں تمام اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اتحاد کی مضبوط لڑی میں پرولیں، مصنوعی حد بندیاں ختم کر دیں اور عظیم دین اسلام کے پرچم تلے بھائی بن کر رہیں، میں انہیں یاد دلاتی ہوں کہ اسلام نے مساوات اور اخوت کا درس دیا ہے اور ہمارے سارے معاملات اور تعلقات اسی کے

زیر اثر استوار ہونے چاہئیں۔ اس حوالے سے یہ افسوس ناک منظر بڑا تکلیف دہ ہے کہ کچھ اسلامی ریاستیں باہم برسر پیکار دکھائی دیتی ہیں، آخر یہ اختلافات کیوں اسلام کے ازلی و ابدی پیغام کی روشنی میں باہمی محبت، درگزر اور ایثار سے کام لے کر ختم نہیں کر دیئے جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اسلام کی روشنی عطا فرمائی ہے اور اسی سے التجا کرتی ہوں کہ وہ اپنے خاص کرم سے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دے، ان کے اختلافات ختم ہو جائیں، ان کے ملک امن و آشتی کے مرکز بن جائیں اور وہ عہد حاضر میں صحیح معنوں میں وہ امت بن جائیں جو قرآن کے الفاظ میں ایسی بہترین امت ہے جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے، جو نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔

(شکریہ۔ تحریر عبدالغنی فاروق صاحب

**سابقہ نام**: کورین
**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: شاہین گلفام
**ملک کا نام**: ہالینڈ

# مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے والی خاتون سے انٹرویو

دراز قد شاہین گلفام جو کہ بظاہر پٹھان معلوم ہوتی ہیں درحقیقت ایک ڈچ مسلم خاتون ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسا مسلمان کہتی ہیں جو اسلام کے سارے اور سچے اصولوں پر کاربند ہو۔ کورین (پرانا نام) نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی، وہ کہتی ہیں کہ ''میں ایک عیسائی خاندان میں پلی بڑھی اور گہرائی سے وجود خدا پر یقین رکھتی تھی۔ مگر سولہ سال کی عمر میں میرے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرنا ناقابل یقین ہو گیا پھر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا لیکن دیگر ادیان مثلاً بدھ مت، ہندومت اور سکھ مذہب وغیرہ کے مطالعے کے بعد بھی میں نے کسی چیز کی کمی کو محسوس کیا۔''

شاہین اپنی فہرست میں اسلام کے شامل نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''میں جو کچھ بھی اسلام کے بارے میں جانتی تھی اس نے کبھی مجھے اتنا متاثر نہیں کیا کہ مجھ میں اس سے متعلق مزید جاننے کا شوق پیدا ہوتا۔ باقی دنیا کی طرح میں نے بھی اسلام کو ایسے جاہل اور ظالم لوگوں سے ملا دیا تھا جن کی عورتیں مردوں کے پیچھے چلتیں، اپنے آپ کو سر سے پیر تک چھپائے رکھتیں اور کچھ کہنے کی صلاحیت اور حق بھی نہ رکھتی تھیں۔ میری ملاقات جن مسلمانوں سے ہوئی وہ یا تو اسلام پر عمل پیرا نہ تھے یا انہوں نے مجھے جو کچھ بتایا وہ اس قدر سطحی تھا کہ مجھے متاثر نہ کر سکا۔''

''یونیورسٹی کے دوران میں نے عربی کو بھی دیگر مضامین کے ساتھ بطور مضمون اختیار کیا، ساتھ ہی میں نے تاریخ اسلام مذہب اور کلچر کا مطالعہ بھی شروع کر دیا، اسی

عرصہ میں میری ملاقات اپنے شوہر سے ہوئی جو کہ اتفاقاً پاکستانی ہیں اور ایک ہسپتال کے استقبالیہ کاؤنٹر پر کام کرتے تھے۔

کیا آپ اپنے شوہر کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوگئیں؟'' شاہین سے سوال کیا۔

''نہیں! شادی سے قبل میرے شوہر کے دوست صاحبان مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ کیا میں شادی کرنے کے بعد مسلمان ہو جاؤں گی؟ تو میرا جواب ہوتا تھا کہ جب میں اچھی عیسائی بننا چاہتی تھی تو نہ بن سکی لہٰذا میں نہیں سمجھتی کہ میں اچھی مسلمان ہو سکتی ہوں، یہاں تک کہ جب میں نے پہلی بار ''کلمہ'' پڑھا تو مجھے اس پر بھی گہرائی سے یقین نہ تھا۔''

کلمہ پڑھنے کے تقریباً دو سال بعد شاہین کو اندازہ ہوا کہ اسلام درحقیقت کیا ہے ان کے مطابق ''ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد یہ آپ پر اثر انداز ہونے لگتا ہے اس میں صرف آگے بڑھنے کا راستہ ہے واپسی کا نہیں، ایک مقام پر پہنچ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک عرصے سے جس پر یقین رکھتی تھی وہی تعلیم اسلام بھی دیتا ہے۔''

کورین کا شاہین میں تبدیل ہونا ایک تدریجی عمل تھا۔ ''مسلمان ہونے کے بعد مجھ میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں جن کا مجھے احساس بھی نہیں ہوا، یہ عمل بالکل کیٹر پلر (Cater feller) کے تتلی میں تبدیل ہونے کی مانند تھا۔ جیسے کیٹر پلر اپنی نشو و نما کے لئے غذا لیتا ہے ویسے ہی میں نے بھی اپنے شوہر اور دیگر کتابوں سے معلومات حاصل کیں پھر ایک وقت وہ آیا جب میں نے کلمے کے مفہوم کو سمجھا اور پھر میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوئی۔''

جب شاہین سے مذہب کی تبدیلی پر والدین کے رویے سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا ''میرے والدین نے اسے ناپسند کیا، اسلام ان کے لئے ایک اجنبی مذہب تھا وہ خیال کرتے تھے کہ صنفِ نازک کی حیثیت سے مجھے اپنے شوہر کی طرف سے دباؤ کا سامنا ہوگا اس کے علاوہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ بتاتے ہوئے انتہائی شرمندگی محسوس کرتے کہ ان کی بیٹی نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا ہے اس بات کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونے میں انہیں کافی عرصہ لگا۔'' عیسائیت اور اسلام کے سماجی

پہلوؤں کا موازنہ کرتے ہوئے شاہین نے کہا ''عیسائیت کے مقابلے میں اسلام آپ کی زندگی میں توازن قائم کرتا ہے اس میں روحانی اور روزمرہ زندگی میں علیحدگی نہیں ہے اگر میں عیسائی ہوتی تو اب تک راہبہ بن چکی ہوتی کیونکہ وہاں مذہبی زندگی گزارنے کا فقط یہی ایک طریقہ ہے مگر اسلام میں اس کے برعکس ہے، یہاں زندگی کا ہر حصہ عبادت ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اسلام ان دونوں چیزوں کا حسین امتزاج ہے۔ نماز ہی کو لے لیجئے پہلے میں یوگا اور مراقبہ کرتی تھی، مگر نماز میں یہ دونوں عمل شامل ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں روحانی سکون کے ساتھ ساتھ آپ کے تنے ہوئے اعصاب کو بھی آرام ملتا ہے۔''

انہوں نے اپنے رمضان کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا ''میرا پہلا رمضان بہت خراب گزرا، میرا ذہن ہر وقت کھانے پینے کے خیالات میں مشغول رہتا، وقت گزارنے کے انتظار میں روزے کے اصل معنی کہیں گم ہو کر رہ گئے تھے لیکن میں تھوڑے ہی عرصے میں اس مقام پر پہنچ گئی کہ ان چیزوں سے بالاتر ہو کر روزے کے اصل مفہوم کو سمجھ سکوں'' شاہین کی تین بیٹیاں ہیں جن کی عمریں بیس سے پندرہ سال کے درمیان ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مغرب میں رہتے ہوئے ان کے بچوں کی اسلامی طریقۂ زندگی پر عمل پیرا ہونے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔

''اردگرد کا ماحول ان پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے کہ میری بیٹی اپنی کلاس روم میں سر ڈھانکنے میں جھجک محسوس کرتی ہے'' میں اپنی بچیوں کو بتاتی ہوں کہ انہیں کیا کرنا ہے اور انہیں ایسا کرنا چاہیئے، اس کے علاوہ میں ان سے کہہ چکی ہوں کہ میں ہر وقت ان کی نگرانی نہیں کر سکتی مگر خدا ان کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ انہیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہیئے تب ہی وہ اسلام کے قریب آسکتی ہیں زور زبردستی سے کام نہیں ہوسکتا۔''

شاہین کو انتہائی مخالف ماحول میں آرام واطمینان سے اسلامی احکامات پر عمل پیرا دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے اور انسان سوچنے لگتا ہے کہ درحقیقت اسلام کی پیروی کرنا اتنا ہی آسان ہے۔ وہ کہتی ہیں ''پہلے میں سکون حاصل کرنے کے لئے باہر کی چیزوں کا سہارا لیتی تھی جیسے رقص یا شراب نوشی وغیرہ مگر درحقیقت یہ سب ناپائیدار ہیں اسلام نے مجھے سکھایا کہ سکون اور راحت باہر نہیں بلکہ تمہاری ذات میں موجود ہے۔''

ایک ہوائی کمپنی میں پچھلے تیرہ سال کام کے دوران ان کے اصول یا حجاب کبھی بھی ان کی

ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے، ان کے ساتھی کافی سمجھدار ہیں۔ اس وقت مردم شماری کے مطابق ہالینڈ میں ڈچ مسلم خواتین کی تعداد ۲۰۰۰ سے ۴۰۰۰ تک ہے۔ مگر آج سے بیس بائیس سال پہلے (جب شاہین مسلمان ہوئیں) کے حالات بتاتے ہوئے وہ کہتی ہیں ''اس وقت ڈچ مسلم خواتین کی تعداد بہت کم تھی ہم کسی کے بھی گھر جمع ہو جاتے اور مختلف مسائل اور تجربات پر گفتگو کیا کرتے، پھر یہ تقریبات کسی گھر میں منعقد کرنا مشکل ہو گیا پس ہم نے ایک ''النساء'' ادارہ قائم کیا۔ ہمارا خیال تھا کہ حکومت اس سلسلے میں ہماری مدد کرے گی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔''

شاہین گلفام جو اس ادارے کی سربراہ بھی ہیں فخر سے بتاتی ہیں کہ اس وقت ہالینڈ، کے دوسرے شہروں میں بھی اس ادارے کا قیام عمل آ چکا ہے۔ ان مراکز کا بنیادی مقصد اسلام میں دلچسپی لینے والی خواتین کو اسلام اور اسلامی طرزِ زندگی سے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔

ڈچ اسکول اور یونیورسٹیاں بھی انہیں اپنے اداروں میں لیکچر دینے کی دعوت دیتے ہیں یہاں نومسلم خواتین کو طریقہ ہائے عبادت کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کے علاوہ ان اداروں میں بچیوں کو تعلیم قرآن مجید بھی دی جاتی ہے۔ خواتین کے ماہانہ رسالے کی اشاعت بھی شاہین کی مصروفیات کا ایک حصہ ہے۔ اس میں مختلف لیکچر، سورتوں کا ڈچ زبان میں ترجمہ، بچیوں کے لئے مختصر اسلامی کہانیاں اور عربی اشعار کے معنی وغیرہ شائع ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار وہ ڈچ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر بھی آتی ہیں۔

انہوں نے بتایا ''لوگوں میں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ جب ڈچ خواتین کسی مسلمان سے شادی کرتی ہیں تو اسلام قبول کر لیتی ہیں وہ اپنے آپ کو اس لئے باحجاب رکھتی ہیں کہ ان کے شوہر انہیں اس پر مجبور کرتے ہیں چنانچہ ہم بتاتے ہیں کہ ہمارا یہ کرنا شوہر کے جبر کی وجہ سے نہیں بلکہ ہماری اپنی خواہش کا نتیجہ ہے۔''

اس انٹرویو سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس باشعور اور پرعزم خاتون نے ان سب چیزوں کو ٹھکرا دیا جس کے حصول کے ہم خواب دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس کے بجائے ایسی چیزوں کو اپنا لیا جسے ہم اپنے ہاتھوں سے گنوا بیٹھے ہیں، شاہین نے اپنی روح کی گہرائیوں کو پالیا، انہیں وہ سکون اور اطمینان حاصل ہوا جس کے لئے ہم میں سے اکثر سرگرداں نظر آتے ہیں۔

**سابقہ نام** : یوروکموفا **سابقہ مذہب** :عیسائیت **ملک کا نام** : روس

# روسی خاتون یوروکموفا کا قبول اسلام

روسی خاتون یوروکموفا اسلام قبول کرنے کے بعد روسی اور وسطی ایشیا کی ریاستوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ الازہر یونیورسٹی کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی نے یوروکموفا کے روسی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کی منظوری دی ہے، یوروکموفا نے عربی اخبار ''الیوم'' کو ایک انٹرویو میں کہا کہ وہ اپنی زندگی میں دو مرتبہ خوشی کی حالت میں روئی، پہلی مرتبہ جب میں نے اسلام قبول کیا اور دوسری مرتبہ جب الازہر یونیورسٹی نے میرے ترجمے کی منظوری دی۔ یوروکموفا نے کہا کہ روس میں اسلام کے متعلق لوگوں کو معلومات نہیں ہیں اور وہاں اسلام سے متعلق نہایت غلط تصور پایا جاتا ہے۔ روسی، مسلمانوں کو بے فکرے، غربت کے مارے، دھوکے سے قتل کر دینے والے اور جابر سمجھتے ہیں۔ میرا تعلق ایک بنیاد پرست عیسائی خاندان سے ہے میری ملاقات ایک عرب مسلمان ڈاکٹر محمد سعید الرشید سے ہوئی اور بعد میں ہم نے شادی کر لی۔ میں نے ایک عورت کے طور پر اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔ میرا شوہر مجھے بتاتا کہ اسلامی اقدار کیا ہیں، اس نے مجھے اسلامی کتابیں لا کر دیں، میں نے پڑھا کہ اسلام میں عورت کو عظمت کی معراج دی گئی ہے اور عورت کو احساس دلایا گیا ہے کہ وہ بھی انسان ہے، اسلام عورت کو حقیقی آزادی دیتا ہے اور یہ آزادی اس آزادی سے بالکل مختلف ہے جس پر مغربی عورت فخر کرتی ہے۔ قرآن پاک پڑھنے سے میرا ذہن کھل گیا اور زندگی کے حقائق مجھ پر آشکار ہوئے، میں جتنا اسے پڑھتی گئی اس کے مطلب کی گہرائیاں مجھ پر واضح ہونا شروع ہوئیں اب میرا یقین ہے کہ قرآن مجید صرف اچھی اور روحانی کتاب ہی نہیں بلکہ یہ قانون بھی ہے اور ہر عمر اور فکر رکھنے والے کی ذہنی سطح کے مطابق مطلب رکھتا ہے۔ قرآن مجید کا جو اصل یا کلیہ مجھے معلوم ہوا میں نے اسے

اپنی زندگی کا حصہ بنالیا جب میں نے محسوس کیا کہ میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہو چکی ہوں تو میں نے ایک مسلمان کے طور پر روسیوں میں اسلام کا تعارف کرانا شروع کر دیا اور اس کے لئے میں نے روس کے تمام شہروں کا دورہ کیا میں نے چیچنیا کے صدر مقام کی یونیورسٹی میں اسلام پر لیکچر دیا، داغستان کی پارلیمینٹ میں اسلامی شریعت کا لیکچر دیا اور اس کے علاوہ بھی کئی ریاستوں میں اسلام کا پیغام عام کیا۔ یوروکموفا نے کہا کہ میں ایک روحانی قوت کے سہارے اسلام کی تبلیغ کرتی رہی، یوروکموفا نے قرآن مجید کے ترجمے کا کام ۱۹۸۴ء میں شروع کیا اور مسلسل ۱۹۹۱ء تک اسے جاری رکھا پھر قرآن مجید کے ترجمے کی ۲۰ ہزار کتابیں (ہر کتاب دس جلدوں پر مشتمل) شائع کرائیں، پھر ۱۹۹۳ء میں یہی ترجمہ ۳۰ ہزار کی تعداد میں (ہر سیٹ ۲۰ جلدوں پر مشتمل) شائع کرایا۔

**سابقہ نام**: مونیکا　　**سابقہ مذہب**: عیسائیت

**اسلامی نام**: فاطمہ زشکن　　**ملک کا نام**: جرمنی

# میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

س:......کیا آپ اپنا نیا اور پرانا نام اور عمر بتائیں گی؟

ج:......اب میرا نام فاطمہ زشکن ہے، مونیکا میرا مسیحی نام تھا، میں تویتشان چیکوسلواکیہ میں ۲ستمبر۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئی۔

س:......آپ نے اسلام کیوں قبول کیا؟

ج:......غیر مسلم ممالک کے افراد کو اگر یہ سوال درپیش ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلسفی تھے یا آپ پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی، اور جواب میں ان کے دل دوسری صورت پر مطمئن ہو جائیں تو درحقیقت یہ ان پر اللہ کی رحمت کی کھلی نشانی ہے۔ طویل تلاش کے بعد، خواہ یہ فطرتاً ہو یا ارادتاً، ہر فرد اس نتیجہ تک پہنچتا ہے اور حقیقت تک پہنچنے کا جو راستہ اختیار کرتا ہے وہ بذات خود حقیقت ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اس راستہ پر مبارک سفر شروع کر دیتا ہے جو اللہ نے اپنے تک پہنچنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

اس راستہ کا آغاز جس کے ذریعہ اللہ نے مجھے اسلام تک پہنچایا اس دین کے معاملات کی طرف میری توجہ مبذول ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ عرصہ پہلے جب میں فلسفیانہ رجحانات اور مختلف مذہبوں پر غور کر کے اپنی استطاعت کے مطابق معلومات جمع کیا کرتی تھی تو اس کا سبب لازماً کسی ایسی چیز کی ضرورت کا احساس تھا جس کا میں بیان نہیں کر سکتی لیکن میں فطری طور پر جانتی تھی کہ یہ میرے باطن میں موجود ہے اور میں کبھی نہ کبھی اسے پا لوں گی۔

مختلف مذاہب کے مطالعہ اور کئی غیر ممالک کے سفر کے بعد میں مشرقی تہذیب کی صحیح قدر و قیمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر چکی تھی۔ یہاں جرمنی میں مسلمانوں سے میرے

تعلقات نے مجھے اس دین پر غور کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ میرا ابتدائی تاثر بہر حال زیادہ اچھا نہیں تھا کیونکہ میرے جاننے والے مسلمانوں میں زیادہ تر وہ تھے جو محض موروثی طور پر اسلام سے منسوب تھے یا جو اسلام کی اس بگڑی ہوئی شکل کو جانتے تھے جو مشرق میں رواج پا گئی ہے اس کے باجود مجموعی طور پر میں ان کے بلند اخلاق سے متاثر ہوئی۔ جب میں اسلام کی روحانی دنیا میں قرآن، اسلامی کتب اور استاد عمر کے ساتھ بحث مباحثہ کے ذریعے داخل ہوئی تو مجھے پتہ چلا کہ اسلام کی تعلیمات اور مشرقی رسوم میں کتنا عظیم فرق ہے۔

میں نے قرآن پڑھا، اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ جیسے اسلام مجھے اپنی طرف مائل کر رہا ہے اور اس کی تعلیمات میری عقل اور فطرت کو مخاطب کر رہی ہیں۔ میرے لئے سب سے زیادہ پر کشش پہلو اس کا مثالی معاشرتی نظام تھا جو انسانوں کے تمام طبقات کو مساوی قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آسانی و رخصت جس کی کوئی حد نہیں، تمام دینوی اور روحانی معاملات میں انتہائی آزادی، اس دینوی زندگی کا بغیر کسی مبالغہ کے اہتمام، طلب علم کے لئے محنت جسے ہر مسلم مرد اور عورت کے لئے فرض کیا گیا، پھر عورت کا بلند مرتبہ اور آخر میں (جو اگر چہ آخری چیز نہیں) ہر انسان اور خدا کے درمیان بلا واسطہ تعلق، ان سب چیزوں نے مجھے بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیا۔

شاہراہ ایمان پر گامزن ہونے کے لئے میں نے کتاب اللہ کا مطالعہ شروع کیا اور اس مطالعہ کے دوران میرا نقطۂ نگاہ اسلامی تھا کیونکہ اب مجھ پر واضح ہو چکا تھا کہ اسلام ہی وہ واحد راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے انسانوں کی رہنمائی کی ہے اور اسلام ہی حق ہے۔

س:...... آپ کس تاریخ کو اسلام لائیں؟

ج:...... رسمی طور پر ۲۱ اپریل ۱۹۶۳ء کو مسلمان ہوئی۔

س:...... آپ کے خاندان، دوستوں اور حلقۂ احباب میں آپ کے قبول اسلام پر کیا ردعمل ہوا؟

ج: یہ ردعمل مختلف نوعیتوں کا تھا اور اس نے مجھے اس بات کو جاننے کا بہترین موقع

فراہم کیا کہ کن لوگوں کو اپنے تنگ نظرانہ خیالات کے مقابلہ میں میری زیادہ فکر ہے۔
میری والدہ نے تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا ''میری سعادت اور رضا اس چیز کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں'' میری دادی نے اسلام کے تھوڑے ہی سے مطالعہ کے بعد اعلان کر دیا کہ یہ ایک عمدہ دین ہے جس کا اس سے پہلے تصور نہیں کیا جا سکتا تھا میری ایک سہیلی نے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ میں نے گناہ کیا ہے اور اس نے فوراً مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ اس طرح مجھے مختلف احساسات کا سامنا کرنا پڑا جن میں میری پوزیشن کو مخلصانہ طور پر سمجھنے کی کوشش سے لے کر واضح دشمنی تک شامل تھی، اور کچھ لوگوں نے بے نیازی اور استہزاء کا رویہ بھی اختیار کیا۔

س:...... آپ کے خیال میں اسلامی تعلیمات کی توضیح اور تبلیغ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

ج:...... مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں کے سامنے فی الحال بہت زیادہ امکانات موجود نہیں آسان ترین طریقہ جو کوئی مبلغ یا مسلمان طالب علم اختیار کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ عمدہ مثال پیش کرے، پاکیزہ مظاہرہ، مہذب دل پذیر اخلاق اور دینی فرائض کو بجالانے میں استقلال، دیکھنے والے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو ایک مثبت شکل میں پیش کرنا ہے۔ لیکن صورت یہ ہے کہ جب کوئی غیر مسلم شائق اسلام کی گہرائیوں میں جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے راستہ زیادہ کشادہ نہیں ہے، یعنی عالم اسلام میں اسلامی تربیت کی کمی ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے کسی دینی مرکز سے رابطہ قائم کرے اور اہل علم سے استفادہ کر کے اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کرے، اس کے بعد وہ غیر مسلموں کی رہنمائی کا کام انجام دے سکتا ہے، اسلامی ممالک کا اتحاد اسلام کی تیز رفتار نشر و اشاعت کے لئے بہترین بنیاد ہے، یا کم از کم ایسے ملک کی مدد جس کی حکومت خالص اسلامی ہو، مجھے یقین ہے کہ غیر مسلم ممالک اگر متحدہ عالم اسلام کی برکت وقوت کا نظارہ کر لیں تو ان کا مخالفانہ پروپیگنڈہ فوراً ختم ہو جائے گا، اور پھر اس وقت وہ سیاسی اغراض کے تحت اس متحدہ اسلامی قوت کے ساتھ خوش گوار تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

مالی مدد کے ذریعہ مسجدوں اور ثقافتی مراکز کا قیام ممکن ہو سکتا ہے، اسی طرح قرآن اور قیمتی اسلامی تالیفات کے تراجم کو پھیلانے کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ اکثر تراجم

اور اسلام کے بارے میں کتب اسلام دشمن رجحانات کے تحت لکھی گئی ہیں، اسلام کی توضیح وتفسیر کی ضرورت صرف غیر مسلم ممالک میں نہیں، خود مسلمانوں میں بھی ہے۔ اسلام کی اصل روح ذہنوں میں موجود ہونا چاہیئے تا کہ اس بنیاد پر مسلمانوں کی فکر نیا رخ اختیار کر کے کامیابی کے راستہ پر آگے بڑھ سکے۔

اس وقت دنیا میں اسلام کے لئے بہت اچھا موقع میسر ہے کیونکہ وہ ایک عالمی دین بننے کی ساری خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے اور اس دور کے انسان کے تمام روحانی و مادی تقاضے پورے کرسکتا ہے۔

س:...... دنیا میں مسلمان کی موجودہ حالت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:...... میں نے سابقہ جوابات میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، مسلمانوں کی افسوس ناک حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تہذیب وتمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس حال کو کیسے پہنچے، مسلمان جو غیر اسلامی رسوم ورواج اور اسلامی تعلیمات کے درمیان پھنسے ہوئے تھے ان کو اچانک مغربی دنیا کے اثرات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا لازمی نتیجہ انتشار واضطراب تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ قوموں کا عقیدہ محفوظ ہے اگر چہ وہ قیادت کو گم کر چکی ہیں۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ حکومتیں قصداً ہر مغربی چیز کی اندھی تقلید کر کے اپنی قوموں کو الوہی عقیدہ کی طرف لانے اور دین حق کے قیام کی کوششوں کے بجائے مادی عقیدہ کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس لئے ہر قوم کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ دے جو اس تغیر کے شر سے آگاہ ہو گئے ہیں اور جدید صحیح افکار اور اسلامی قواعد کے درمیان مناسب ربط پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمام اسلامی ممالک کو اللہ کی بتائی ہوئی اساس پر متحد کر دیں۔

س:...... اس زندگی میں آپ کی تمنا اور مقصد کیا ہے؟

ج:...... میں یہ چاہتی ہوں کہ جلد از جلد یا بدیر کسی اسلامی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر کے اپنی معلومات کے ساتھ اسلام کی نشر واشاعت میں حصہ لوں، اس کے علاوہ میری خواہش یہ ہے کہ مشرقی عورتوں کو ان اعلیٰ حقوق کا احساس دلاؤں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے ذریعہ عطا کئے ہیں اور ان پر واضح کر دوں کہ اسلام نے ان کے لئے ان حقوق کا اقرار کر کے دنیا کی دوسری عورتوں کے مقابلہ میں ان کو ممتاز کر دیا ہے۔ چند سال بعد کسی ذہین مسلمان نوجوان سے شادی کر کے اسلامی خاندان میں زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں،

ذاتی طور پر میرا مقصد رموز واسرار قرآن کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش ہے۔

س:......آپ کے خیال میں مسلمانوں کو کس چیز کی ضرورت ہے؟

ج:...... یورپ میں مسلمان اخلاقی اور مادی مدد کے محتاج ہیں، اخلاقی مدد اس لئے کہ ان میں کمزوری بہ آسانی جگہ نہ پکڑ سکے اور یورپ کی زندگی کے پیش کردہ خطرناک سراب سے بآسانی دھوکہ نہ کھاسکیں۔ تمام مسلمانوں کو مل جل کر منظم زندگی گزارنا چاہیئے۔ اور ہر جماعت کا ایک امام ہونا چاہیئے، اس قسم کی تنظیم کو مالی مدد کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔

اسلامی اجتماعیت میں اس کا امکان ہوگا کہ تمام مسلمان باہم مربوط رہیں اور سخت وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں جس شہر میں ضرورت ہو اور مسجد بنانے کا امکان نہ ہو تو کم از کم نماز کے لئے ایک حجرا ہی تعمیر کرسکیں، جماعت کے خوشحال افراد تو مساجد اور دوسرے مراکز بنانے میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے سکتے ہیں۔

**سابقہ نام**: نطاسیہ کیلی **سابقہ مذہب**: عیسائیت

# نطاسیہ کیلی کے قبول اسلام کی ایمان افروز روداد

## عیسائیت کی تاریکی سے اسلام کی روشنی کی طرف

بچپن سے ہی مجھے ''اللہ پر ایمان و یقین'' کی تعلیم دی گئی تھی، میں تقریباً ہر اتوار کو چرچ میں حاضر ہوتی اور بائبل اسکول جاتی۔ مناجات مقدس میں، میں بھی گیت گاتی اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ''مذہب'' میری زندگی کا اہم حصہ نہ بن سکا۔ ہاں وہ لمحے بھی آتے جب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتی، میں اکثر ہدایت کے لئے اللہ سے دعا کرتی، مایوسی و ناامیدی کے لحامت میں حوصلہ و ہمت کے لئے مدد مانگتی اور اپنی خواہشات کی بروقت تکمیل کے لئے اس کی اعانت کی طلبگار ہوتی لیکن میں نے جلد ہی محسوس کیا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے کچھ دیر کے لئے کوئی چیز نہ مانگوں تو اللہ تعالیٰ کی قربت کے احساسات ختم ہو جاتے ہیں۔ میرے اندر یہ احساس بھی ابھرا کہ اگرچہ میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتی ہوں مگر ایمان سے محروم ہوں، میں دنیا کو ایک کھیل سمجھتی تھی، میرا خیال تھا کہ کچھ لوگوں کو فکری تحریک ملی اور انہوں نے بائبل لکھ دی اور کسی نہ کسی طریقے سے لوگ اس کے اندر ایمان پانے کے قابل ہو گئے۔

جوں جوں میں بڑی ہوئی اور دنیا کے بارے میں میری آگاہی میں اضافہ ہوا تو اللہ پر میرا یقین بھی بڑھا۔ ''ایک مافوق الفطرت قوت نوع انسانی کی رہنمائی اور حفاظت کر رہی ہے'' اس پر یقین کرنا میرے لئے سخت سہل تھا۔ ۱۲ سال کی عمر میں، میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی میں جہاں ایمان ہونا چاہیئے وہاں ایک خلاء ہے، جب کبھی بھی مجھے ضرورت ہوتی یا مجھ پر مایوسی و ناامیدی چھائی ہوتی تو میں سادگی سے دعا مانگتی، اس ہستی سے جسے ''لارڈ'' کہا جاتا ہے، ایک بار میں نے اپنی ماں سے پوچھا جس ''لارڈ'' سے ہم دعا مانگتے ہیں اور جس کی ہم عبادت کرتے ہیں، حقیقت میں یہ لارڈ کون

ہے عیسیٰ یا اللہ؟ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ میری ماں ہی صحیح کہتی ہے میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے ہی دعا مانگتی اور ہر اچھی بات کو ان سے منسوب کرتی۔

میں نے سن رکھا تھا کہ مذہب پر استدلال پیش نہیں کیا جاسکتا (یعنی کہ یہ مذہب صحیح ہے یا غلط اس پر کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی اور نہ بحث ہوسکتی ہے) مگر میں اور میری سہیلیوں نے اس پر کافی بحث کی، پروٹسٹنٹ، کیتھولک ازم اور یہودیت پر میں اکثر اپنی سہیلیوں سے بحث کرتی، ان بحثوں سے میں اپنی ذات کے اندر زیادہ سے زیادہ تحقیق کرتی اور سوچتی کہ مجھے اپنی ذات کے اندر پائے جانے والے خلاء کو پر کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ ۱۳ سال کی عمر میں، میں نے سچائی کی تلاش شروع کردی۔

اس دوران میں میری ماں نے میرے رویے میں آنے والی تبدیلیوں کو محسوس کیا، نوٹس لیا اور تب سے میرے ''مذہبی مرحلہ'' کا آغاز ہوگیا۔ میرا رویہ اس مذہبی مرحلہ سے بہت دور تھا، میں نے صرف اپنے نئے علم میں اپنی فیملی کو شریک کیا، میں نے عقائد، عبادات، مذہبی رسوم اور عیسائیت کے اندر پائے جانے والے مختلف نظریات کے بارے میں سیکھا اور معمولی حد تک یہودی عقائد اور عبادات کے بارے میں جانا۔

اپنی چند ماہ کی تحقیق سے میں نے محسوس کیا کہ اگر میں عیسائیت پر یقین رکھتی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے جہنمی ہونے کو تسلیم کرتی ہوں، ماضی سے گناہوں کو زیر غور نہ بھی لاؤں تو میں پھر بھی صرف اس ایک راستے پر تھی جو سیدھا دوزخ میں جاتا ہے، اگرچہ عیسائیت کی تعلیم میں مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اگر میں صرف یسوع کو اپنا لارڈ اور نجات دہندہ تسلیم کرلوں تو اُخروی زندگی میں مجھے جنت کی ضمانت مل جائے گی لیکن میری تحقیق اس کے خلاف تھی۔

تحقیق کے نتیجے میں نہ صرف میں پہلے سے تھوڑے بہت موجود ایمان و یقین سے محروم ہوگئی، بلکہ میرے ذہن میں بے شمار سوال ابھرے۔ ان سوالوں کو میں نے جو بھی صاحب علم عیسائی مجھے ملا اس کے سامنے رکھا مگر کسی سے بھی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

**سابقہ نام**: پولی این　　　**ملک کا نام**: امریکہ

# ایک امریکی خاتون کے مطالعہ قرآن کا واقعہ جو قبول اسلام کا ذریعہ بنا

پولی این پیشے کے اعتبار سے کیمیکل انجینئر ہے، مگر کچھ عرصہ اسلامی اسکول میں مسلمان بچوں اور بچیوں کو تعلیم دی۔ اسی حوالہ سے وہ دارالارقم اسلامک اسکول، ڈیٹرائیٹ، مشی گن میں ٹیچنگ کی اسامی کے لئے انٹرویو دینے آئی، اس موقع پر ایک سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ اس نے اسلام کیوں اور کیسے قبول کیا۔ راقم مذکورہ بالا اسکول کے اساتذہ کی تقرری کرنے والے بورڈ کا ممبر ہے، درج ذیل میں سسٹر پولی این سے تفصیلی گفتگو کی روشنی میں ان کے قبول اسلام کی خوبصورت روداد دی گئی ہے۔

میری ایک ہمسایہ مسلمان نے مجھے قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا، سسٹر پولی این نے بتایا، میں نے کہ لے کر یہ نیت کئے بغیر کہ پڑھوں گی، شیلف پر رکھ دیا کچھ عرصہ بعد مجھے خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی! میں نے کسی ترتیب سے پڑھنے کے بجائے اوراق الٹ پلٹ کئے اور بعض مقامات پر رک کر کئی کئی سطور اور پیراگراف پڑھے پڑھتے ہوئے مجھے یہ عجیب سی کتاب لگی۔ دنیا بھر میں کتب کسی خاص مضمون پر لکھی جاتی ہیں، ان میں زندگی کے کسی خاص پہلو یا پہلوؤں پر ترتیب کے ساتھ مواد پیش کا جاتا ہے۔ مگر قرآن میں ایسا نہیں۔ ایک صفحے پر کئی مختلف حوالوں سے بات ملتی ہے۔ عقیدے کے حوالے سے دو تین سطریں ملتی ہیں تو فوراً بعد اخلاقیات پر ہدایات شروع ہو جاتی ہیں۔ تاریخ بیان ہو رہی ہوتی ہے تو اچانک خوشخبریاں اور پھر قرآن کو نہ ماننے والے کے لئے ڈراوے دھمکاوے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس بے ترتیبی میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سو گئی۔

کئی دنوں کے بعد پھر میں نے قرآن اٹھایا اور ورق گردانی شروع کی،

تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوا کہ قرآن میں تصورات مابعد الطبیعات زیر بحث لائے گئے ہیں، اور فلسفیانہ مسائل پر جہاں اشارے ملتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ نکاح وطلاق پر بات شروع ہو جاتی ہے مطالعہ سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ یہ کوئی مذہبی کتاب ہے اور نہ اس سے پتہ چلتا کہ عبادت کیسے کی جائے۔ اگرچہ بار بار دہرایا جا رہا تھا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو۔

یہ بات بھی میرے دھیان میں نہیں تھی کہ یہ کوئی الہامی کتاب ہے اور خدا کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری نبی کے طور پر آخری کتاب نازل کی گئی ہے۔ سائنس کا back ground ہونے کے باعث میں نے تجزیاتی انداز میں ذرا غور سے دیکھا تو میرے لئے اس میں دلچسپی سی پیدا ہونے لگی۔ لیکن جلد ہی میں نے مطالعہ کرنا بند کر دیا۔ میرا دھیان دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر میرے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ میں اس کتاب کا پھر سے مطالعہ کروں گی۔

معمول کے مطابق امریکہ کی پرکشش اور رنگین زندگی جاری رہی، امریکہ میں میڈیا الیکٹرانک ہو یا پرنٹ، انسان کو نہ صرف مصروف رکھتا ہے بلکہ ایک خاص رخ پر دھکیلتا ہے۔ انسان بہت خوش مگر بے مقصدیت میں مگن سا رہتا ہے۔ امریکی معاشرے میں انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا یہی عالم ہے ہر فرد، مرد ہو یا عورت، لگے بندھے انداز میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ انسانوں کی بہت بڑی تعداد تو کولہو کے بیل کی طرح زندگی گزار رہی ہے۔ صبح جاگے ناشتہ کیا جاب پر گئے دن بھر کے لئے اس غرض سے کام کیا کہ Bills ادا کرنے ہیں۔ گاڑی اور مکان کی اقساط کی ادائیگی کرنی ہے اور ارد گرد کے رہتے ہوئے لوگوں کی طرح طرز زندگی گزارنا ہے۔ جاب سے واپس آئے کچھ آرام نصیب ہوا تو فبھا ورنہ تفریح کا سامان کیا ٹی وی دیکھا کلب گئے، مگر اس سب کچھ کے ساتھ اب میرے دھیان میں یہ رہتا تھا کہ قرآن پڑھوں، مگر یہ کام کرلوں اور وہ کام کرلوں تو پھر۔ بہر حال پھر میں نے قرآن اٹھایا اور پڑھنا شروع کیا، اس بار انبیاء علیہم السلام کے قصے پڑھنے کو ملے اور ساتھ ساتھ انسان کو وارننگ بھی دی جا رہی ہے، میری دلچسپی میں اضافہ ہوا مگر اب بھی قرآن پڑھتے ہوئے دل و دماغ کے کسی کونے کھدرے میں یہ بات نہ تھی کہ میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے قرآن پڑھ رہی ہوں اور مجھے

مسلمانوں کی صف میں شامل ہونا ہے، البتہ اب یہ محض ورق گردانی بھی نہیں رہی تھی، میرے لاشعور میں کوئی بات تھی مگر تصویر ابھی مبہم اور ادھوری تھی۔ اب ایک تمنا اور جاننے کی خواہش تھی۔

کچھ دنوں کے بعد یہ میرا معمول بن گیا کہ فارغ ہوتی تو ٹی وی دیکھنے کے ساتھ قرآن کا مطالعہ بھی کرتی، اس کے علاوہ سرگرمیاں بھی جاری رہیں، پھر ایک دن میرا دوران مطالعہ دھیان اس طرف گیا قرآن میں بہت بڑے بڑے دعویٰ کئے گئے ہیں، یہ دعویٰ ماضی کے حوالے سے ہیں اور مستقبل کے بارے میں بھی۔ دلچسپ بات یہ رہی کہ کوئی دلیل بھی نہیں، اور ۱۲ بلین (ایک ارب بیس کروڑ) مسلمان ان دعوؤں کو تسلیم کرتے ہیں۔

ایک دن معمول سے زیادہ کام کرنے کے باعث میں تھکی تھکی سی تھی مگر قرآن کا مطالعہ کر رہی تھی، اب میں نے قران کے طویل مقالات (سورتیں) پڑھنے کے بجائے چھوٹے چھوٹے ''چیپٹر'' اس خیال سے پڑھنا شروع کئے کہ شاید کسی ایک عنوان پر یک جا مواد ملے۔ مثلاً اخلاقیات، معاملات، سود، نماز روز وغیرہ میں نے کئی چیپٹر دیکھے مگر صورتحال جوں کی توں رہی، البتہ بارہا قرآن پڑھنے سے اب میں اسلام کے بارے میں چند باتیں جان چکی تھی، نماز پڑھو، روزہ رکھو، مال خرچ کرو بار بار قرآن میں آیا ہے میں نے سورہ مزمل پڑھنی شروع کی اس میں بھی دوسری سورتوں کی طرح ترتیب سے تو بات نہ ملی مگر آیت نمبر ۲۵ جو اس سورۃ کی آخری آیت ہے پڑھنے سے ایک اور طرح کی کیفیت پیدا ہوگئی اس آیت میں دو بار کہا گیا ہے کہ تم آسانی سے جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ میں تھکی ہوئی تو تھی ہی، خیال آیا کہ اب مجھے بھی آرام کرنا چاہیئے، مجھے مزید قرآن نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ خود قرآن بھی تو یہی کہہ رہا ہے، میں نے قرآن تو بند کیا مگر بستر پر لیٹے ہوئے خیالات کا تانتا بندھ گیا۔ عجیب کتاب ہے ''اگر تم تھکے ہوئے ہو تو قرآن اتنا پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو'' تھکاوٹ کے باوجود میں نیند نہ کرسکی، ایک ہلچل سی مچ چکی تھی۔

ابھی زندگی اسی ڈگر پر چل رہی ہے مگر یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ چکی کہ قرآن عام سی کتاب نہیں ہے۔ مجھے دھیان سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اب میں نے

اپنے معمولات میں سے زیادہ وقت نکال کر قرآن کا مطالعہ شروع کیا۔ ساتھ ہی میں نے اپنی اس دوست، جس نے مجھے قرآن پڑھنے کے لئے دیا تھا اس سے وقتاً فوقتاً اسلام کے بارے میں میرے ذہن میں ابھرنے والے سوالات پوچھنا شروع کر دیئے۔ اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں موقع بنتا میں اپنے ذہن میں آنے والی باتیں اور مختلف سوالات کا جواب تلاش کرتی رہتی۔

ابھی میں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا مگر قرآن پڑھنے سے ایک کشش سی پیدا ہو چکی تھی۔ مجھے ایسے احساس ہو رہا تھا کہ اسلام زندہ مذہب ہے۔ پانچ وقت خدا کے سامنے حاضر ہونا، پورے مہینے کے روزے رکھنا، اب میرے اندر کے انسان میں ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے بعد ایک چیز تعمیر ہو رہی ہے نیا راستہ بن رہا ہے۔ میں نے ٹی وی کا بٹن گھمایا، ایک چینل، دوسرا چینل، تیسرا چینل اور پھر ایک بہت بڑا اجتماع اسکرین پر نمودار ہوا میں نے ہاتھ بٹن سے کھینچ لیا۔ یہ حج کی براہ راست نشریات تھیں میں گھنٹہ بھر اسے دیکھتی رہی عربی کے ساتھ انگریزی زبان میں ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے تقریباً ساری باتیں ویسی ہیں جیسی قرآن میں میں نے پڑھ رکھی ہیں یا کسی سے سن رکھی ہیں۔ مگر ایک زبردست ترتیب ہے اور رواں جذبہ انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع۔

زندگی کی رمق جاری ہے، میں مسلمان نہیں ہوئی مگر پھر آخر کار وہ لمحہ آن پہنچا جب میں نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ معمول کے مطابق میں نے قران اٹھایا اور سورۃ المومنین کا مطالعہ شروع کیا۔ ''مومن ضرور فلاح پائیں گے، کہ ایسے لوگ ہیں جو خشیت سے نماز پڑھتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ باقاعدگی سے دیتے ہیں، یہی جنت کے وارث ہیں۔'' ایک طمانیت کی سی کیفیت محسوس ہوئی دل آمادہ سا ہو رہا ہے۔ مطالعہ جاری رہا، آیات ۱۲ تا ۱۴ پڑھیں۔ ''ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔'' یہ تو وہی بات ہے جو سائنس آج کہہ رہی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴۰۰ سال پہلے بتائی تھی، انہیں کیسے معلوم ہوا؟ الٹرا ساؤنڈ ایکسرے اور دوسری جدید مشینیں اس وقت نہیں تھیں؟

یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کسی بڑی طاقت (خدا تعالیٰ) نے کی ہے۔

**اشھدان لا الہٰ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ** میں نے بعد میں یہ شعوری طور پر مطالعہ جاری رکھا اور امت مسلمہ کا حصہ بن گئی۔ میرا مسلمانوں کو پیغام یہ ہے کہ خود شعور سے قرآن کا مطالعہ کریں اور غیر مسلموں کو قرآن پڑھائیں۔

**سابقہ مذہب** : عیسائیت **اسلامی نام**: حمیرا/ نفیسہ **ملک کا نام** فلپائن/چین

# فلپائن اور چین سے تعلق رکھنے والی خواتین سے انٹرویو

سوال:...... اسلام کی کس چیز نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب:...... حمیرا: جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اخوت اسلامی ہے۔

نفیسہ:...... یہ کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، میرا اسلام سے تعارف اپنے شوہر کے ذریعے سے ہوا۔ میں نے اسلام کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اس سے شروع میں بہت زیادہ متاثر نہیں تھی۔

نوشین:...... اس کی سچائی اور سادگی، مزید برآں توحید یعنی خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان یعنی اسلام انسان کے اندر توہم پرستی پیدا نہیں کرتا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایت طلب کرنے میں کسی رابطہ کی ضرورت نہیں پڑتی مثلاً تکلیف اور بیماری میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔

سوال:......اپنی گذشتہ زندگی کے بارے میں بھی کچھ بتایئے؟

حمیرا:......میرا تعلق ایک مضبوط کیتھولک فیملی سے تھا۔ میری ایک بہن تھی میں کٹر کیتھولک تھی اور چرچ میں خوب پیش پیش رہتی تھی۔

نفیسہ:......میری زندگی میں کافی حد تک مادہ پرستی تھی اور میں بائبل خوب اچھی طرح جانتی تھی۔

نوشین:......میرا طرز زندگی بہت ماڈرن تھا، جس میں صرف چند ہی اخلاقی اصولوں کا دخل تھا جو مسلمہ ہیں مثلاً دیانت، مہربانی وقار وغیرہ۔

سوال:......اسلام کی کن تعلیمات نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

حمیرا:...... مجھے توحید نے سب سے زیادہ متاثر کیا، کیتھولک چرچ میں اگر ہمیں مدد کی ضرورت ہو تو اس میں پادریوں کو درمیان میں واسطہ بنانا ہوتا ہے۔
نفیسہ:...... یہ کہ ہمیں اچھا کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کو دیکھ کر مسکرا بھی دیں تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔
سوال:...... کیا کوئی خاص واقعہ پیش آیا جس نے آپ کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا؟
حمیرا:...... کوئی خاص واقعہ تو نہیں در پیش ہوا البتہ میں آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہوئی، شروع میں تو میرا مقصد صرف اپنی فیملی کو بچانا تھا، میرے شوہر نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ ہماری ازدواجی زندگی کو خطرہ ہے تو میں نے بھی اسلام قبول کر لیا لیکن اس کے بعد میں نے اپنا دل اسلام کے لئے کھولا اور اس کو پڑھنا شروع کیا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اسلام کس قدر خوبصورت چیز ہے میرے شوہر میں جو تبدیلیاں آئیں انہوں نے بھی مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اسلام میں کوئی خاص بات ہے مسلمان ہونے کے بعد وہ ایک بالکل مختلف انسان تھا، اس نے شراب پینی بھی چھوڑ دی، عورتوں کے ساتھ باہر جانا اور جوا کھیلنا بھی ترک کر دیا۔
نفیسہ:...... نہیں ایسا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ میں نے اپنے شوہر کی وجہ سے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔
سوال:...... اسلام کی راہ میں آپ نے کیا مشکلات اٹھائیں؟
حمیرا:...... میرے اوپر بہت زیادہ سوشل پریشر تھا جب میں نے اسلام قبول کیا۔
نفیسہ:...... کوئی خاص نہیں اس لئے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ کے آگے سر اطاعت خم کیا تھا۔
سوال:...... ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے آپ نے کس طرح حوصلے بلند رکھے؟
حمیرا:...... ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے میں نے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کئے ان کے ساتھ خوب گھل مل گئی۔
نفیسہ:...... آہستہ آہستہ میں نے اللہ تعالیٰ پر اپنا ایمان مضبوط کرنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔
سوال:...... اب مسلمان ہونے کے بعد آپ کے کیا احساسات ہیں؟
حمیرا:...... میں خوش اور مطمئن ہوں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا مسلمان ہونے کے بعد

اللہ نے مجھے بہت نعمتیں عطا کی ہیں۔

نفیسہ:...... میں زیادہ پرامن اور بھرپور اپنے آپ کو محسوس کرتی ہوں۔

نوشین:...... جیسا کہ اسلام کا وعدہ ہے میں اب زیادہ پرامن ہوں۔

سوال:...... موجودہ مسلم معاشرے کی کیا خامیاں ہیں اور آپ کی نظر میں ان کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟

حمیرا:...... بے شمار خامیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

نفیسہ:...... اس سوال کا جواب بہت زیادہ طوالت چاہتا ہے مختصر یہ کہ مسلمان بدعمل ہیں اس وجہ سے ان میں نااتفاقی ہے اور اس لئے مسلم دنیا طرح طرح کی آفات کا شکار ہیں۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اسلام پر پوری طرح عمل کیا جائے اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں لایا جائے۔

نوشین:...... بہت سی خرابیاں اس وجہ سے ہیں کہ غیر اسلامی نظام تعلیم رائج ہے۔

سوال:...... مستقبل میں آپ کے دعوت وتبلیغ کے کیا عزائم ہیں؟

حمیرا:...... اس سلسلے میں میری کوششوں کا آغاز اپنے گھر سے ہوگا انشاء اللہ۔ اس کے علاوہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں میں بھی اس فریضہ کو اپنے سامنے رکھوں گی۔ میں اسلامک آؤٹ ریچ ایبم سے بھی منسلک ہوں اور ایکٹو ممبر ہوں۔

نفیسہ:...... تبلیغ کرنا ایک مشکل کام ہے میں پہلے اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کروں گی۔

نوشین:...... کوئی خاص مشکل نہیں سوائے اس کے کہ زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے حافظہ کمزور ہے۔

سوال:...... موجودہ مسلم معاشرے کی بے شمار کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود وہ کیا جذبہ تھا جس نے ان سب کو نظر انداز کر کے آپ کو ان کا طریق زندگی اپنانے پر مجبور کیا۔

حمیرا:...... اس لئے کہ یہ انسان کا بنایا ہوا دین نہیں ہے بلکہ یہ پاک وصاف اور خالص اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے یہ الگ بات ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون پر نہیں چلتے۔

نفیسہ:...... میں ایک مسلمان سے شادی کرنا چاہتی تھی اس لئے میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تاکہ میں دیکھ سکوں کہ میرے لئے اسلام قبول کرنا ممکن ہے یا نہیں، میں نے اسلام کو مکمل

ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے اپنایا ہے، موجودہ دور کے مسلمانوں کی صورتحال کو دیکھ کر نہیں۔

نوشین:......شروع میں تو اس لئے کیا تھا کہ چند بہت اچھے باعمل مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے موقع عنایت فرمایا۔

سوال:......اسلام کا مستقبل آپ کو کہاں تک تابناک نظر آتا ہے اور کیوں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

حمیرا:......مجھے تو اسلام کا بہت عظیم مستقبل نظر آتا ہے، آجکل لوگوں میں اسلام کا شعور کافی بڑھ رہا ہے۔ بے شمار لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں اس لئے کہ اسلام زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

نفیسہ:......جی ہاں! اس لئے کہ اسلام ایک سچا دین ہے۔

نوشین:......اسلام سراسر خیر ہے مجھے اس کی وسعت اور خوشحالی میں کوئی شک نہین۔

سوال:......ایک عام مسلمان اور ایک عام غیر مسلمان کے اخلاقی معیارات میں آپ کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

حمیرا:......میرے بہت سے عیسائی ملنے والے کچھ مسلمانوں سے بہت بہتر ہیں اور ان کا اخلاقی معیار کافی بلند ہے۔

نفیسہ:......بہت سے مسلمان بہت باعمل ہیں اور بہت سے غیر مسلموں کا اخلاق بھی کافی بلند ہوتا ہے مگر ہم اس کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے تاہم مسلمانوں کو کم عمری ہی سے اخلاقی تعلیمات کا زیادہ پابند ہونا چاہیئے اگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے تو یہ دوسری بات ہے۔

نوشین:...... عام اخلاقی معیارات تو مسلم اور غیر مسلم میں یکساں ہی ہوتے ہیں۔ البتہ کوئی واضح اور مستحکم روایات نہ ہونے کی بناء پر اور والدین کی صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے غیر مسلم زیادہ Open minded ہو جاتے ہیں۔

سوال:......کیا ماضی یا حال کے کسی مسلم شخصیت نے متاثر کیا؟

حمیرا:......میں نے اپنے شوہر میں مسلمان ہونے کے بعد جو تبدیلی دیکھی اس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اسلام میں ضرور کوئی بات ہے۔

نفیسہ:......صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابہ کرامؓ کی شخصیات نے متاثر کیا۔

سوال:......کیا آپ نے محسوس کیا کہ اسلام لانے کے بعد آپ کو اپنی عادات واطوار

رسم ورواج، رویوں، احساسات، فیشن اور لباس وغیرہ میں کوئی بنیادی تبدیلی لانا پڑی یا اسلام لانا کسی بڑی تبدیلی کا موجب نہیں ہوا؟

حمیرا:...... جی ہاں! سب سے بڑی تبدیلی تو پردہ ہے دوسرا یہ کہ کچھ عیسائی رسم ورواج اور اقدار کو بھی چھوڑنا پڑا۔

نفیسہ:...... جی ہاں! میں نے اسلام کی وجہ سے اپنا طرز زندگی بالکل بدل دیا۔

نوشین:...... میں کافی فیشن کرتی تھی اب اسکرٹ بھی پہننا چھوڑ دیا ہے، بالوں کے اسٹائل اور میک اپ پر بھی توجہ دینی ختم کردی اس لئے کہ میں اپنا پیسہ ان چیزوں میں ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ دنیا میں بے شمار ضرورت مند لوگ ہیں اگر ان پر خرچ کروں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ میری اس ادنیٰ عبادت کو قبول کرے۔

سوال:...... کیا آپ سمجھتی ہیں کہ کوئی چیز ایسی تھی جس سے اسلام سے پہلے آپ کو بہت زیادہ رغبت تھی اور صرف اسلام کی وجہ سے اسے چھوڑنا پڑا؟

حمیرا:...... ایسی کوئی چیز نہیں۔

نفیسہ:...... سب سے پہلے تو سور کا گوشت چھوڑنا مشکل ہوا پھر تمام ترجیحات ہی بدل گئیں حتیٰ کہ لباس پہننے کا طریقہ بھی بدلا، بالخصوص سر ڈھانپ کر نکلنا جس کی وجہ سے میں خاصی بڑی عمر کی لگنے لگتی ہوں۔

نوشین:...... مجھے کسی بھی محرومی کا خیال نہیں آتا اس لئے کہ اسلام قبول کر کے اتنا کچھ ملا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔

سوال:...... اب آپ کو زندگی کیسی لگتی ہے؟ بدل گئی یا ویسے ہی ہے، کوئی خاص فرق نہیں سوائے اس کے کہ زندگی کا بنیادی رخ بدل گیا ہے؟

حمیرا:...... میری زندگی کا رخ بدل گیا ہے میں اب زیادہ پرامن محسوس کرتی ہوں۔

نفیسہ:...... جیسے جیسے میں اسلام کا مطالعہ کرتی جارہی ہوں میرے اقدار اور پیمانے بدلتے جارہے ہیں۔ اب زندگی میں زیادہ معنویت اور مقصدیت پیدا ہوگئی ہے۔

نوشین:...... زندگی اب مختلف نظر آنے لگی ہے اللہ سے ملنے کے تیاریاں کرنا اور امت مسلمہ کی جانب عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھانا۔

سوال:...... جب آپ کا سب سے پہلے قرآن مجید سے رابطہ ہوا تو آپ نے کیا محسوس کیا؟

حمیرا:...... جب میں نے پہلے پہل قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو اس نے میری زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا، مجھے ہمیشہ اس کی گہرائیوں اور حکمتوں پر بہت حیرت ہوئی۔

نفیسہ:...... پہلی دفعہ مجھ پر بہت زیادہ اثر نہیں پڑا اس لئے کہ میں اس وقت کچھ زیادہ سمجھی بھی نہیں، اس وقت میں سورۃ فاتحہ کی اہمیت بھی نہ سمجھ سکی۔

نوشین:...... میں متاثر تو بہت ہوئی مگر مجھے اس کا بخوبی احساس تھا کہ یہ میرے لئے بہت بھاری کلام ہے میں چند لائنوں سے زیادہ نہ پڑھ سکی اور مجھے کوئی پڑھانے والا نہ تھا مگر بعد میں جب سے بہت اچھے استاد ملے تو میری زندگی ڈرامائی طور پر بدلنا شروع ہوگئی۔

سوال:...... کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نے آپ کی زندگی پر اثر ڈالا اور سیرت کے کس پہلو نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

حمیرا:...... جی ہاں! بہت زیادہ اثر ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو ہی بہت غیر معمولی ہے، لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے شادی کے لئے حضرت خدیجہؓ کا انتخاب کیا۔ آپؐ جوان بھی تھے اور خوبصورت بھی اور حضرت خدیجہؓ معمر بھی تھیں اور بیوہ بھی، لیکن اس کے باوجود ان کی وفات تک ان کے ساتھ گہری محبت بھی کرتے رہے اور ان سے انتہائی درجے کی وفاداری کا ثبوت دیا۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی انہیں ہمیشہ یاد کرتے رہے۔

نفیسہ:...... جی ہاں! آپ کی زندگی اس قدر بہترین اور مکمل مثال ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے یہ کس قدر مشکل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کا اتباع کروں مگر یقیناً مجھے اس کے لئے بہت زیادہ محنت کرنا ہوگی۔ سب سے زیادہ میں جس پہلو سے متاثر ہوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ پر ایمان اور لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔

نوشین:...... جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نے میری زندگی پر گہرا اثر چھوڑا ہے خاص طور پر صبر اور مشکل اوقات میں استقامت، آپ کو اپنی فیملی اور عام مسلمان کے ساتھ جو بے اندازہ محبت تھی وہ بھی کچھ کم متاثر کن نہیں، ہم سب مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طرز زندگی سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔

سوال:...... بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت اور ان کے اندر اسلامی خدوخال نمایاں کرنے میں آپ کے پیش نظر کیا منصوبے، خیالات اور ترجیحات ہیں؟

حمیرا:...... ہمارے ملائشیا آنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ بچے اسلامی ماحول میں رہیں اور غیر اسلامی ماحول سے (جو فلپائن کا ہے) سے محفوظ رہیں۔

نفیسہ:...... پہلے مرحلے میں تو میں چاہتی ہوں کہ انہیں شروع سے اسلام کی ٹھوس اور بنیادی تعلیمات بہم پہنچاؤں اور پھر دوسرے مرحلے پر ان کے لئے ایک بہترین مثال قائم کروں۔

نوشین:...... میرا بیٹا چار سال کا ہے میں نے اسے اسلامی اسکول میں داخل کیا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ وہاں اسلامی ماحول دیکھتا ہے، میں چاہتی ہوں کہ گھر پر بھی وہ اسلامی ماحول دیکھے مگر بدقسمتی سے میرے والدین مسلمان نہیں ہیں۔

سوال:...... آپ کے خیال میں موجودہ زمانے میں ایک مثالی مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے؟

حمیرا:...... میرے خیال میں مثالی مسلمان وہ ہے جو قرآن اور سنت کی جملہ تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔

نفیسہ:...... وہ اک مثالی مسلمان ہے جو قرآن کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق زندگی کو اپنائے ہوئے ہو۔

سوال:...... آپ کے خیال میں اس زمانے میں کون کون سی مسلم شخصیت ایسی ہے جو امت مسلمہ کی لیڈر شپ سنبھال سکے؟

حمیرا:...... ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی شخصیت دنیا میں اس وقت موجود ہو مگر میرے علم میں نہیں ہے اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔

نفیسہ:...... میرے خیال میں کوئی نہیں ہے۔

سوال:...... اگر انسانوں کی اکثریت اسلام قبول کرلے اور اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوجائے تو دنیا کیسی لگے گی؟

حمیرا:...... اگر دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوجائے تو یہ دنیا بہت پرامن ہوجائے گی اور یہاں کشمیر اور بوسنیا جیسے حالات پیش نہیں آئیں گے۔

نفیسہ:...... یہ دنیا بہت مکمل، بھرپور اور پھلدار ہوجائے گی۔

سوال:...... اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کے خیال میں آج کے دور میں غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے کا کون سا طریقہ بہترین ہے؟

حمیرا:...... اسلام کی تبلیغ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ذاتی مثال قائم کی جائے۔ اگر ہم عملی مسلمان بن جائیں تو غیر مسلموں کو بھی دیکھنے کا موقع ملے گا کہ اسلام کتنا مکمل اور خیر پر مبنی ہے۔

نفیسہ:...... پہلے تو مثال قائم کر کے خود مسلمانوں کو مضبوط اور طاقتور بھی ہونا چاہیئے اس طرح مسلمانوں کے لئے اسلام کو پھیلانا آسان ہو جائے گا۔

**سابقہ مذہب** :عیسائیت **اسلامی نام**: فاطمہ سی لامیر **ملک کا نام** :جرمنی

# فاطمہ سی لامیر

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ!

﴿ومن احسن قولاً ممن دعآ الی اللہ وعمل

صالحاً وقال اننی من المسلمین ﴾ (القرآن)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس

نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

میرا اسلام سے تعارف اس طرح ہوا گویا سخت سردیوں کے بعد کسی سرزمین پر گرم پانی کا چشمہ ابل پڑا ہو، اسلام نے میری روح کو گرما دیا اور اپنی دلکش تعلیمات کے لبادے میں مجھے لپیٹ لیا، اسلام کی تعلیمات کس قدر صاف اور واضح ہیں، کتنی دلکش اور کتنی منطقی ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کیا اس جملے سے زیادہ بلند مرتبہ اور بہتر کوئی جملہ ہے؟ اگر آپ اس جملہ پر غور کریں تو اس میں کہیں بھی مبہم اور غیر مانوس مذہبی رسومات کا کوئی اثر نہیں پائیں گے، جیسا کہ عیسائیت کا حال ہے جو کہ............ باپ، بیٹے اور روح القدس یعنی عقیدہ تثلیث پر ایمان رکھتی ہے یہ صحیح ہے کہ اس طرح کی مذہبی رسومات بعض نیک دلوں کو متاثر کرتی ہیں لیکن جن کی عقلیں کھلی ہوں اور جو ذہین ہوں وہ اس طرح کی چیزوں کو قبول نہیں کر سکتے ہیں۔

اسلام ہر زمانہ کا دین ہے، جس پر ہر زمانہ میں عمل کیا جا سکتا ہے، مثلاً تصور مساوات کو لیں جس کا دعویٰ عیسائیت بھی کرتے ہے، پھر آپ غور کریں کہ گرجا کے پادری اور مذہبی رہنما وغیرہ کس طرح اللہ کے نام کو اپنے اقتدار و سلطنت کے دائرہ مستحکم اور وسیع کرنے کے لئے ناجائز طریقہ سے استعمال کرتے ہیں، پھر آپ ان کے اور

اسلام کے درمیان مقابلہ کریں.......... ایک عظیم فرق دونوں کے درمیان محسوس کریں گے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کتنی سچی ہیں۔

میرے لئے یہ بالکل فطری بات تھی کہ میں ایک عیسائی ہوتی کیونکہ میں ایک عیسائی ملک...... مغربی جرمنی میں رہ رہی تھی، لیکن میں کبھی بھی صحیح معنوں میں عیسائی نہیں تھی، عیسائی مذہب میں بڑی بھول بھلیاں ہیں خاص طور پر یہ تصور کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسروں کی نجات کی خاطر صلیب پر مقتول ہوئے، اس نے میری عقل کو اپیل نہیں کیا، کم سے کم بات جو میں کہہ سکتی ہوں وہ یہ کہ عیسائی مذہب میرے لئے حیران کن توہمات کا مجموعہ ثابت ہوا۔ اس لئے میں عیسائی گرجا سے بہت پہلے بے تعلق ہوگئی تھی جبکہ میری عمر اس وقت صرف ۳۱ سال ہے میں سنجیدگی سے اس نتیجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس دین کی پیروی کی سلسلہ میں منافقت کا رویہ اختیار کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ جیسا کہ آجکل عیسائیت کا حال ہوگیا ہے۔

ایک مدت ایسی گذری کہ میں کسی بھی دین سے متعلق نہیں تھی۔ بلکہ لامذہب رہی البتہ یہ بتادوں کہ میں کبھی بھی ملحدہ نہیں رہی ۱۹۵۱ء کے شروع دنوں میں میرا ربط و تعلق بعض مسلمانوں سے ہوا جو کہ میرے سامنے دین اسلام کو پیش کیا کرتے تھے اور یہ تعلق میری درخواست ہی پر خط وکتابت کے ذریعہ قائم ہوا تھا۔ میں یہ بیان نہیں کرسکتی کہ مجھے کتنی مسرت ہوئی تھی جب یہ دین میرے سامنے واضح ہوتا گیا، میں نے یہ محسوس کیا کہ یہی وہ دین ہے جس کا مجھے انتظار تھا، اور یہی وہ دین ہے جس پر میں ایمان لائی ہوں، قبول اسلام کا اعلان دراصل میرے ضمیر کی پکار کی عملی ترجمانی ہے، کیا اس دنیا میں اسلامی عقیدہ سے بڑھ کر کوئی جستجو سکتی ہے؟

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب میرے اہل خاندان، دوستوں اور رشتہ داروں کو میرے قبول اسلام کا علم ہوگا تو وہ مجھے بہت لعنت ملامت کریں گے، لیکن مجھے یقین ہے کہ جب میں انہیں اپنے نئے دین کے بارے میں بتاؤں گی تو ان کے ذہنوں میں اسلام کے متعلق جو شک وشبہات ہیں دور ہوجائیں گے اور ان شبہات کی تدریس ہمارے ملک جرمنی میں ہوتی ہے اور میرا اعتقاد ہے کہ جرمنیوں کے ذہن ان غلط تصورات سے متاثر ہیں۔

## اسلام علم کا دین ہے:

اسلام تمام مذاہب و ادیان سے قدیم اور سب سے پہلا دین ہے اور اسلام زندگی کا ایک ہمہ گیر تصور ہے جس نے ساری دنیا کی تہذیب و ثقافت پر براہ راست یا بالواسطہ طریقہ سے مکمل یا جزوی طور پر اثر ڈالا ہے۔

اور یہ اس وجہ سے کہ یہ دین انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے ایسے وقت میں جبکہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات اور ان کے اصول علم کی طاقت کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں تو اب دنیا کے اہل علم رہنمائی کیلئے اسلام کی طرف نظریں دوڑا رہے ہیں کیونکہ اسلام کی تعلیمات کسی بھی دوسرے مذہب کے مقابلہ میں علم سے قریب ہیں، اسلام حصولِ علم کی ترغیب دیتا ہے، اور یہ دین ہر ماحول اور ہر ملک کے لئے موزوں اور ہر زمانے کے لئے مناسب ہے۔

یہ دین زندگی اور حرکت سے بھر پور ہے، تمام دانشمند اور تعلیم یافتہ حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ روحانی خلا کو اسلام کی تعلیمات کے ذریعہ پُر کریں اور یہ عظیم ذمہ داری تمام عالم اسلام پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ اسلام کے پاس ساری دنیا کے لئے ایک پیغام ہے اور اس پیغام کو پیش کیا جانا چاہیئے۔ اسلام ایک نور ہے اور یہ نور سارے عالم کو منور کرسکتا ہے، آیئے! ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے اور جو شخص بھی اسلامی دعوت کے پیغام کو خود مسلمانوں تک اور پھر سارے انسانوں تک پہنچانے، پھیلانے اور پیش کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس دعوت کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: مریم احمد/سارہ جوزف

**ملک کا نام**: لاکمبا/انگلینڈ

# قرآن وسنت کا براہ راست مطالعہ اور اسلام کے اعجاز نے مجھے اپنا اسیر بنالیا

## سسٹر مریم احمد اور محترمہ سارہ جوزف کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان

سسٹر مریم احمد صاحبہ: آبائی طور پر میرا عیسائیت سے تعلق ہے، لیکن ان گنت عیسائیوں کی طرح میں اپنے مذہب سے مطمئن نہ تھی اور حقیقت کی تلاش میں سرگرداں تھی، لیکن اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی تھی، بس مبہم سی معلومات تھیں اس لئے میں نے سنجیدگی کے ساتھ اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسے ادارے میں ملازمت مل گئی جہاں چند مسلمان بھی کام کرتے تھے۔ میں ان کے عمومی رویے سے بہت متاثر ہوئی اور اسلام کے بارے میں جاننا چاہا، لیکن وہ بے چارے کم علم تھے اور مطلوبہ مقامی لائبریری سے رجوع کیا اور اسلام اور تاریخ اسلام کے حوالے سے مطالعے کا آغاز کردیا اور لائبریری میں جتنی متعلقہ کتابیں تھیں، سب پڑھ لیں۔

میرے اشتیاق اور پیاس کا یہ عالم تھا کہ میں نے مختلف اسلامی اداروں سے بھی رابطہ قائم کرلیا۔ خصوصاً لاکمبا (Lakemba) میں اسلامک وومن سینٹر سے مجھے غیر معمولی تعاون ملا، میں نے بہت سی نومسلم خواتین سے رہنمائی حاصل کی، ان خواتین کا رویہ بہت حوصلہ افزا تھا انہوں نے مجھے اپنے گھروں میں بلایا اور چند خاندانوں کے ہاں تو میں کئی کئی دن مقیم رہی، اس طرح اسلامی طرز زندگی کو سمجھنے کا مفید موقع میسر آیا اور مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ اسلامی طرز زندگی ہر اعتبار سے فطری، راحت افزا اور پرسکون ہے۔ اس طرح میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرلیا۔ نماز پڑھنے کا طریقہ

سیکھنے لگی اس مقصد کے لئے عربی زبان سے بھی آگاہی حاصل کرنے لگی اور مکمل شرح صدر اور اطمینان کے بعد میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

میں اپنے قارئین کو بتانا چاہتی ہوں کہ میرے نزدیک اسلام ''حق وصداقت'' پر مبنی ایک ایسا مکمل طریق زندگی ہے جو موجودہ دور کی پریشان حال (Confused) دنیا کو ذہنی سکون فراہم کر سکتا ہے اور ہر طرح کے معاشرتی، مادی، اخلاقی اور معاشی مسائل کا قابل عمل حل بھی پیش کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے وہ کلام مجید جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا، بغیر کسی بحث وتمحیص کے قبول کر لیا چنانچہ میں نے مغربی طرز پر زندگی کو ترک کر کے جو مادی نقصان اٹھائے اسلام نے مجھے اس سے کہیں بڑھ کر عطا کر دیا۔ میرا خاندان، رشتہ دار اور دوست احباب سب میرے مخالف ہو گئے، انہوں نے میرا بائیکاٹ کر دیا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ نماز اور صبر کے ساتھ میرا رشتہ مضبوطی سے قائم رہا، حتیٰ کہ صورتحال خاصی تبدیل ہو گئی ماشاء اللہ میرے بچے اسلام میں گہری دلچسپی لینے لگے ہیں اور میری ایک بیٹی اس کے خاوند اور بچوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ حالات کی ناموافقت کے باوجود ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے، میں سر پر اسکارف اوڑھتی ہوں، ڈھیلا ڈھالا اسلامی لباس پہنتی ہوں اور نمائش کا ہر طریقہ ترک کر چکی ہوں۔ عام لوگوں کے طرز گفتگو سے اب مجھے وحشت ہوتی ہے اور ان کے طور و اطوار سراسر احمقانہ محسوس ہوتے ہیں۔ میں سب سے خوش دلی سے ملتی ہوں، لیکن ان کی تقریبات میں گپ شپ میں شریک نہیں ہوتی...... نتیجہ یہ ہے کہ میں جس معاشرے میں پیدا ہوئی تھی اور پلی بڑھی تھی اب اس سے قطعی اجنبی اور بیگانہ بن گئی ہوں لیکن بحمد اللہ میں خوش اور مطمئن ہوں میں نے زندگی کا راز پا لیا ہے اور سمجھ گئی ہوں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مجھے کیا کرنا ہے اور ایک مومن کا طرز زندگی کیسا ہونا چاہیئے؟

مثال کے طور پر رمضان کا مہینہ آتا ہے تو کام کے دوران کھانے کے وقفے میں ہم جو چند افراد مسلمان ہیں، وہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آفس پارٹیوں میں شامل ہوتے ہیں، لیکن کھانے میں شریک نہیں ہوتے تب ہم بتاتے ہیں، وضاحت کرتے ہیں کہ روزے کا فلسفہ کیا ہے اور اس کے جسمانی اور روحانی فوائد کیا

ہیں؟ لوگ توجہ سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی سوچ اور طرز عمل میں مثبت تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

اس طرح اسلام قبول کر کے الحمد للہ میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ روحانی اور ذہنی اعتبار سے گہرا سکون ملا ہے، صراط مستقیم پر ثابت قدمی نصیب ہوئی ہے اور مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے اخلاص پر مبنی محبت اور اخوت کی نعمت حاصل ہوئی کہ اس معاشرے میں ہمارے مسائل اور مشکلات مشترکہ ہیں اور سب سے بڑھ کر مجھے ایک ایسا شریک حیات مل گیا ہے جو بے حد مخلص ساتھی اور باعمل مسلمان ہے جس نے میرے ایمان کو مکمل کر دیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام یعنی قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں میرا مددگار و معاون ہے۔

محترمہ سارہ جوزف انگلینڈ:...... محترمہ سارہ جوزف انگلینڈ کی ایک نامور صحافی خاتون ہیں اور مسلم یوتھ میگزین *Trends* کی ایڈیٹر ہیں۔ قبول اسلام کے بعد ان کے فکر انگیز تاثرات لندن کے مشہور جریدے ''امپیکٹ'' میں شائع ہوئے جہاں سے محمد حنیف، شاہد صاحب نے اپنی کتاب میں شامل کئے، ذیل میں ان کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

یوں تو میں اسلام سے بحیثیت مجموعی بہت متاثر ہوں اور یہی تاثر مجھے اس کے زیر سایہ لے آیا ہے، لیکن ایک عورت کی حیثیت سے میں حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، سمیہؓ اور نوشیبہؓ جیسی خواتین کو خراج عقیدت پیش کرتی ہوں جو ایک خدا ترس معاشرہ تشکیل دینے اور عدل و انصاف پر مبنی ایک انقلاب برپا کرنے کے لئے اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش باطل کی قوتوں سے برسر پیکار تھیں۔ اس طرح مدینہ کے مردوں اور خواتین نے اللہ کے دین کے فروغ اور استحکام کے لئے باہم مل کر جدوجہد کی اور اس دور میں ہمیں بھی ایک بہتر، امن پسند معاشرے کے قیام کے لئے مل جل کر تگ و دو کرنی ہوگی، مردوں کو بھی خواتین کو بھی۔

میں ایک ایسی برطانوی مسلمان خاتون کی حیثیت سے اپنے تاثرات قلم بند کر رہی ہوں جو اپنے خاندان اور والدین کے حوالے سے اسلام سے متعارف نہیں ہوئی بلکہ جس کا تعلق بالکل دوسری دنیا سے ہے بلکہ موزوں تر الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ میرا تعلق ''فرعون کے گھر'' سے ہے۔ جس طرح فرعون کے گھر میں ایک خداشناس

خاتون بھی تھی اور ایک بچہ بھی جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے نام سے اللہ کے پیغام کا علمبردار بنا اور جنہوں نے فرعون کے عتاب اور عذاب کا مقابلہ کرلیا لیکن حق کو مسترد کرنے سے انکار کردیا۔ اسی طرح آج یورپ کے ایوانون میں میری طرح بے شمار لوگ ہیں جو عہد حاضر میں ''جدید فرعونیت'' کا انکار کررہے ہیں، سختیاں جھیل رہے ہیں، لیکن راہ حق پر مستقل مزاجی سے ڈٹے ہوئے ہیں یہاں ان گنت افراد ایسے بھی ہیں جن تک اگر حکمت اور سلیقے کے ساتھ اسلام کی دعوت پہنچائی جائے تو وہ اسے قبول کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ لیکن افسوس کہ حق ان سے چھپایا گیا ہے، اور یہ افسوسناک حرکت یورپ کے ''میڈیا'' نے نہیں بلکہ خود مسلمانوں نے انجام دی ہے۔ کاش وہ اس کا احساس کریں میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت یوں کروں گی کہ نسلی مسلمانوں نے اپنے طرز عمل، رہن سہن اور اپنے ''غصہ ور'' مزاج کی وجہ سے اپنے اور غیر مسلم دنیا کے درمیان ایسی دیوار کھڑی کردی ہے جو دعوت وتبلیغ کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ بن گئی ہے۔

میں یہ نہیں کہتی کہ غصہ نہ کیا جائے، غصہ ایک فطری امر ہے اور جب ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، بزرگوں، بچوں اور نوجوانوں سے سنگدلانہ سلوک کیا جارہا ہو، ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہو اور تعصب وتنگ نظری کا رویہ جاری وساری ہو تو غصہ ضرور آئے گا۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ غصہ دعوت وتبلیغ دین کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے اور چونکہ تبلیغ دین ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور قرآن میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے اور پیغمر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غیر معمولی تاکید فرمائی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان جسے ایک آیت آتی ہو، اسے چاہیئے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے میرے نزدیک دعوت تبلیغ یورپ میں رہنے والے ہر مسلمان کے لئے ہے جس کی حفاظت کرنا اس کے لئے لازم ہے، یہ ہمارا بنیادی فریضہ ہے جس سے ہرگز پہلو تہی نہیں ہونی چاہیئے۔

چنانچہ میرے نزدیک جو لوگ اٹھتے بیٹھتے یورپ کے برا بھلا کہتے ہیں اور اسلام بمقابلہ مغرب کا نعرہ لگاتے ہیں وہ یورپ میں اسلام کی منزل کھوٹی کرتے ہیں۔ وہ بلاامتیاز سارے یورپ کو اسلام کا دشمن ثابت کرتے ہیں اور یہ نعرے اہل یورپ کے دلوں میں نفرت اور بیزاری پیدا کرتے ہیں وہ بجا طور پر جواب دیتے ہیں جب ہم سے

برملا نفرت کی جاتی ہے تو ہم اسلام قبول کیوں کریں؟ ان لوگوں کے مذہب کیوں اختیار کریں جو ہم سے بیزار اور متنفر ہیں؟

چنانچہ یقین کیجئے کہ اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے میں نے متذکرہ نوعیت کے نعرے سنے ہوتے، تو کبھی مسلمان نہ ہوتی۔ لیکن الحمدللہ میں نے نسلی مسلمانوں کے کردار کو نہیں دیکھا بلکہ براہ راست قرآن وسنت کا مطالعہ کیا اور اسلام کے اعجاز نے مجھے اپنا اسیر بنالیا اور یہ محض میرا ہی احساس نہیں مجھے بہت سے نومسلموں سے ملنے کا موقع ملا ہے اور ان سب کی یہی رائے ہے کہ ہم مسلمانوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کو دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ دردناک منظر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور عمل سے کتنا مختلف ہے کہ ان گنت لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور مقامی کردار سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر، دیانت داری اور شدید ترین مخالفت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انصاف پسندی اور متوازن رویہ مخالفین کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا تھا۔

اندازہ کیجئے کہ ایک مخالف بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تو ان پر کوڑا پھینک دیتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے الجھے بغیر خاموشی اور صبر سے آگے بڑھ جاتے، یہ بڑھیا کا روزانہ کا معمول تھا۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ ایک دو دن اس معمول میں فرق آگیا بڑھیا گھر سے باہر نہ نکلی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کی عیادت فرمائی اور کچھ مدد بھی کی، اس پر بڑھیا کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا، اس کی نفرت محبت میں بدل گئی، اور وہ مسلمان ہوگئی۔

لیکن آہ! آج مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں اور عام ملنے والوں سے کیسا سلوک ہے؟ کوئی معمولی سے اختلاف کا اظہار کردے تو ہم برگشتہ ہوکر اس سے تعلق توڑ لیتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ اپنا دفاع کرنا جارحیت نہیں ہے دوسروں کی مخالفت کے جواب میں تیز تر مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ گرامی ایسے حالات میں کیا تھا؟ یہ درست ہے کہ مدافعت جارحیت نہیں ہوتی لیکن پھر صبر وتحمل اور حکمت وانتظار کس چیز کا نام ہے؟ آخر مخالفین کو ہم کیسے

اور کیونکر اسلام کے قریب لائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تو صبر گہرا صبر مسلسل صبر نمایاں ترین خوبی کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ عفو و درگزر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، لیکن ہم یہ خصوصیات کیوں ترک کر بیٹھے ہیں؟ ہم نے یہ ہتھیار کیوں کند کر دیا ہے، یاد رہے کہ ہم نے مغرب کو بحیثیت مجموعی اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ یہ سراسر منفی رویہ ہے ہماری نظر صرف خرابیوں پر ہے اور خوبیوں کو نظر انداز کر کے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اسلام کل بنی نوع انسان کا اثاثہ ہے، اس پر کسی خاص قوم کی اجارہ داری نہیں اور ہمیں یہ اثاثہ دوسروں تک منتقل کرنے کی اپنی سی کوشش کرنی ہے اور یہ کوشش محبت، صبر، حکمت، محنت اور انتظار ہی سے انجام پذیر ہوگی، نعرے بازی، نفرت کی مہم اور مخالفانہ پروپیگنڈہ اس کے راستے میں خطرناک رکاوٹ بن جائے گی اور ہم اس نقصان کیلئے جواب دہ ہوں گے۔

**سابقہ مذہب** : عیسائیت

# اسلام ہی میرا دین ہے

"دین اسلام انسانی جبلت کا خاصہ ہونے کے ناطے دین فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم سنتے ہیں کہ دنیا بھر میں واحد پاکیزہ اور خالص انسانی طرز زندگی کے طور پر اسلام لاکھوں نومسلموں کے دلوں کی دھڑکن بن رہا ہے تو ہمیں چنداں حیرت نہیں ہوتی، اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہر پانچ نومسلموں میں سے چار خواتین ہیں، اور یہ بات بجائے خود اس پروپیگنڈے کا تار و پود بکھیر دیتی ہے کہ اسلام عورتوں کو محبوس کر دینے والا مذہب ہے۔ زیر نظر تحریر بھی ایک ایسی ہی نومسلمہ کے سفر ہدایت کی روداد ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا مذہب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہبر مان لیا ہے۔"

غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہونے کے ساتھ ہی میرا اکیلے خالق پر یقین تھا جس پر تمام غائب و موجود کا انحصار ہے۔ اگرچہ میرے والدین بدھ مت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے مستقل مزاجی سے خدائے واحد کی پرستش کی اور اس کی طرف ہمیشہ رجوع کیا۔ عیسائی ماحول میں تعلیم پانے کی وجہ سے میری شناخت شروع ہی سے عیسائی کے طور پر ہوئی۔

بدقسمتی سے اسلام کے متعلق میرا علم بے حد محدود تھا اور میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ شرق اوسط میں بسنے والی چند غیر مہذب اقوام کا مضحکہ خیز مذہب ہے جو نامعقول حد تک ناروا اور جبر پر مبنی ہے خصوصاً عورتوں کے لئے۔ میرا تصور یہ تھا کہ مسلم عورت کمتر خیال کی جاتی ہے اور محض ایک منفعل گھریلو خادمہ کے طور پر زندہ رہتی ہے اور تشدد سہتی ہے اور اپنے شوہر کی چار بیویوں میں جاری ازدواجی محبت حاصل کرنے کی دوڑ میں سبقت لے

جانے کی کوشش کرتے رہنا جس کی مجبوری ہے ان نظریات میں سے اکثر کو میں نے سنی سنائی پر یقین کر کے اپنایا تھا ٹی وی پر ایران اور سعودی عرب کے بارے میں چند دستاویزی فلمیں دیکھ کر میں نے اس بات پر یقین کر لیا تھا جس میں عورت کو اک عجیب سے لباس میں محبوس کر کے دکھایا گیا تھا۔ یونیورسٹی پہنچنے پر مختلف پس منظر رکھنے والے کئی مسلمان طالب علموں سے میرا واسطہ پڑا۔ لاشعوری طور پر میں ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے مذہب کے متعلق مزید جاننے اور سمجھنے کی امنگ نے خود مجھے حیران کر دیا میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی مطمئن زندگی گزار رہے تھے اور جس کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اور خود میرے ساتھ کرتے تھے، متاثر کن تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ مذہب کے ساتھ ان کا والہانہ لگاؤ تھا، اس مذہب کے ساتھ جسے غلط اور منفی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔

غیر شعور طور پر اسلام بتدریج میرے دل میں جگہ بنانے لگا اور اس کے متعلق جوں جوں میرا علم بڑھتا گیا، یہ مجھے اتنا ہی محبوب لگنے لگا حتیٰ کہ میرے اپنے مذہب عیسائیت سے بھی آگے نکل گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اسلام کے بارے میں میرا ماضی کا تاثر کس قدر غلط تھا اور عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقوق و احترام اور بلند مرتبے کے متعلق علم نے تو مجھے مبہوت ہی کر ڈالا۔ اب میں نے اسلامی انداز زندگی اور بودی امریکی اصطلاح ''قدامت پسندی'' دونوں کی حقیقت دریافت کر لی تھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر کھلے ذہن کا مالک ناقص دلیل رکھتا ہو تو اسے طاقتور دلیل اور سچ کو قبول کر لینا چاہیئے، خواہ کہیں ملے، یہی معاملہ میرا تھا نت نئی شہادتیں، ہر دفعہ کوئی نئی گرہ کھولتی چلی گئی اور لٹریچر دستیاب ہونے لگا جو میرے ذہن کو قائل اور دل کو مائل کرتا چلا گیا۔ اب تو مجھے اسلام کے متعلق سب کچھ معلوم کرنے کا جنون سا ہو گیا، اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ وابستگی تو مجھے بہت پہلے ہی محسوس ہونے لگی تھی، اسلام کی یہ خوبی کہ زندگی کے ہر پہلو میں بے مثال رہنمائی فراہم کرتا ہے سب سے بڑھ کر جاذب توجہ تھی، بالآخر وہ گھڑی آ گئی جب میں اس بارے میں یکسو ہو گئی کہ عیسائیت بطور مذہب کے کئی نقائص کا مجموعہ ہے اور میری اسلام کے بارے میں سابقہ رائے جہالت پر مبنی تھی۔ چنانچہ ایک دوپہر تقریباً بیس افراد کے سامنے میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور باقاعدہ مسلمان ہو گئی، میں

یقیناً اس خوش بختی والے دن کو اور اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ میری زندگی پہلے ہی سال میں کس قدر بدل گئی، مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام کی طرف آنا کیسے لگا اور کیا کیا مسائل درپیش آئے، کسی ترس اور رحم کی طالبہ بن کر میں اس موضوع پر زیادہ گہرائی میں جانا نہیں چاہتی، تاہم چند تجربات کا ذکر ضرور کروں گی۔

پہلا رمضان شروع سے آخر تک ایک آزمائش کا دور تھا، تقریباً ہر روز گھر میں جھگڑے ہوتے، طعن وتشنیع کی بوچھاڑ کی جاتی، مضحکہ اڑایا جاتا اور دھمکیاں دی جاتیں۔ کئی دفعہ میرے کمرے میں اودھم مچا کر اسے ادھیڑ کر رکھ دیا گیا، پراسرار طور پر کتابیں غائب ہوگئیں اور غلیظ قسم کے ٹیلی فون مجھے اور میرے دوستوں کو کئے جاتے۔

اس طرح کے واقعات بھی بارہا پیش آئے کہ گھر کا دروازہ مجھ پر بند کر دیا جاتا یا مجھے بھوکا رکھنے کے لئے جان بوجھ کر سور کا گوشت پکایا جاتا، یہاں تک کہ تادم تحریر میری ڈاک مجھے بعد میں موصول ہوتی ہے اور اس میں تانک جھانک پہلے سی کی جاچکی ہوتی ہے۔ نہ صرف مجھے گھر میں آنے اور کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے بلکہ مالی طور پر بھی خود بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے، ٹیلی فون ہی واحد ذریعہ رہ گیا ہے کہ جب موقع میسر آئے تو چپکے سے کسی مسلمان سے رابطہ کر کے مزید اسلامی تعلیمات سیکھوں۔ مجھے اپنی تحریروں اور مسجد جانے کو ہمیشہ چھپانا پڑتا ہے اور مسلم دوستوں سے ملنے پر کڑی پابندی ہے کہ کہیں وہ مجھے مزید بھٹکا نہ دیں۔ نماز اس وقت تک نہیں پڑھ سکتی جب تک یقین نہ ہو جائے کہ کوئی آس پاس نہیں ہے، اسی طرح رمضان کے دوران اپنی مسرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتی، میں ابھی تک حجاب اوڑھنے کی نعمت سے محروم ہوں جبکہ اسلامی تعلیمات پر گفتگو یا کسی مسلمان عالم سے سیکھا ہوا سبق دہرانے کا موقع بھی نہیں ملتا، میں چاہتی ہوں کہ مسلم دنیا اور اسلام پر میڈیا کے ذریعے سے اچھالے جانے والے کیچڑ کے خلاف دفاعی جنگ لڑوں اور میرے والدین اس ضمن میں جو بوسیدہ خیالات رکھتے ہیں ان سے مسلسل نبرد آزما رہوں۔

والدین جب مجھ سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں تو ناقابل برداشت ہو جاتا ہے، اسی لئے میں شروع میں خود کو حد درجہ غیر محفوظ خیال کرتی کہ والدین مجھے مسلسل اذیت سمجھنے لگے ہیں، رمضان کے پورے مہینے میں میری ماں مجھ

ایک لفظ نہیں بولی جبکہ دوسروں کو مخاطب ہو کر مجھے ہمیشہ یہ بات سناتی رہتی کہ میں نے خاندان کا نام ڈبو دیا ہے اور سخت غداری کی مرتکب ہوئی ہوں، میری ایک نہیں سنی جاتی اور مجھے بار بار کوسا جاتا ہے، جیسے میں نے ناقابل معافی جرم کیا ہے اور کسی کو معاشرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ پھر بھی مجھے کوئی شکوہ نہیں اور نہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ میری زندگی عذاب ہوگئی ہے، اس کے برعکس میں پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن اور پرسکون ہوں، یہ حالات بیان کرنے کا مقصد تو آپ کو یہ باور کرانا ہے کہ آپ لوگوں کو مواقع میسر ہیں مگر اکثریت دین کی قدر نہیں کرتی۔ کاش آپ لوگ محسوس کرسکیں کہ مجھ جیسے نئے اسلام لانے والوں کو جب دین سے دور، مجبور اور لاچاری کے عالم میں رکھا جائے تو ہمارے دل پر کیا گزرتی ہے، کاش سب لوگ دین کی قدر کرنا سیکھ لیں۔

سطحی طور پر ان مشکلات پر نظر ڈالی جائے تو لگے گا کہ مسلمان ہو کر سوائے دکھوں کے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، حالانکہ یہ تاثر قطعی غلط ہے، اسلام نے تو مجھے عظیم انعامات سے نوازا ہے، جب میں ان انعامات کا سوچتی ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جنت میں رکھے ہوئے ہیں تو میرا رواں رواں شکر گزاری اور مسرت کی انوکھی کیفیات محسوس کرتا ہے۔

میں نے اگرچہ اسلام کو حق اور سچ سمجھ کر قبول کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ یہ میرے اندر کس قدر تبدیلیاں لے آئے گا، اب میں حیران ہوں کہ اسلام کے ذریعے مجھے کس قدر علم حاصل ہوا ہے۔ اسلام میرے خیالات میں کس قدر رچ بس گیا ہے، امت مسلمہ کے حوالے سے میرے احساسات کس قدر بڑھ گئے ہیں اور کیسے میں ہر گزرتے ہوئے لمحے میں پہلے سے بہتر مسلمان بنتی جارہی ہوں، یوں لگتا ہے کہ زندگی کی مسلسل ترقی کا نام اسلام ہے، یہ تو گویا ہر حلیہ پر چھا جاتا ہے اور روح کی ہر جہت کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

> ''اللہ کا ارشاد ہے کہ...... میرا بندہ میرے نزدیک آتا رہتا ہے...... حتیٰ کہ میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور

اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

میں اپنے ذاتی تجربے کو بلا کم و کاست اسی طرح پاتی ہوں۔ فقید المثال طور پر میں نے ایک مذہب کے ذریعے سے انسان کے انفرادی اور سماجی رویوں کے بارے میں علم حاصل کیا، اسی طرح جیسے جیوفزکس اور فلکیات کا ادراک حاصل کیا۔ جوں جوں اسلام سے میری شناسائی بڑھتی جا رہی ہے میرا یقین پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ اسلام نے انسان کو درپیش آج کے سماجی و معاشی مسائل کا حل پہلے ہی پیش کر رکھا ہے۔

پچھلے ایک سال میں میری اسلامی معلومات بہت وسیع ہوئی ہیں۔ میں نے کئی قرآنی آیات کا زیادہ تفصیل سے مطالعہ کیا ہے، اس دوران کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے قرآن کے مستند ہونے یا اسلام کے دور حاضر کے سماج سے متعلق مسائل حل کرنے کے بارے میں کوئی شک گزرا ہو۔

مجھے اپنی شناخت مل چکی ہے۔ میری خود اعتمادی میں اضافہ ہوا ہے، آج میں ایک مضبوط، باصلاحیت عورت ہوں جو اپنے وجود سے پوری طرح آگاہ اور اپنی زندگی کی جنگ لڑنے کے سلسلے میں زیادہ محفوظ اور تیار ہے۔ اس مضمون سے اگر مجھے کچھ حاصل ہوا ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رحمت کو بیان کیا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''وہ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔''

ہاں واقعی مجھ پر اس کی رحمت ہوئی ہے اور میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جنہیں ہدایت کی روشنی ملی اور جن کو قلب سلیم عطا ہوا ہے۔ (بشکریہ ندائے اسلام آسٹریلیا)

**سابقہ نام**: میری واٹسن **سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: خدیجہ **ملک کا نام**: فلپائن

# فلپائن کی سابق مشنری خاتون میری واٹسن کا قبول اسلام کے بعد ایمان افروز عزم

## میں خود کو اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر چکی ہوں

''میری واٹسن'' فلپائن کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے رہ چکی ہیں، ساتھ ہی ساتھ وہ عیسائی مشنری کی ایک عظیم مبلغہ اور راہبہ کی حیثیت سے بھی معروف رہی ہیں۔ لیکن اب وہ ایک عظیم اسلامی داعی بن چکی ہیں انہوں نے اپنا نیا نام خدیجہ رکھا ہے اور دعوت اسلامی کے کام کا آغاز انہوں نے سعودی عرب کے شہر قصیمکے ایک سینٹر سے کیا ہے، پیش ہے ان کے قبول اسلام کی کہانی خود انہی کی زبانی۔

سوال:...... اسلام سے قبل اور اب اسلام کے بعد آپ کس حیثیت سے جانی جاتی رہی ہیں؟

جواب:...... سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت پر شکر ادا کرتی ہوں، اسلام لانے سے قبل میرا نام ''میری'' تھا ایک فلپائنی شخص کو شوہر کی حیثیت سے میں نے منتخب کیا، اس وقت ان سے سات بیٹے اور بیٹیاں ہیں میری پیدائش امریکہ کے صوبہ ''اوہایو'' میں ہوئی۔ جوانی کے اکثر ایام میں نے لاس انجلز اور فلپائن میں گزارے، اور اب اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنا نام خدیجہ رکھا ہے۔ اس نام کا انتخاب میں نے اس لئے کیا کہ میں اپنے اور ان کے (ام المومنین حضرت خدیجہؓ) درمیان گہری مناسبت پاتی ہوں وہ اس وقت بیوہ تھیں میں بھی اس وقت بیوہ ہوں، ان کے پاس اولاد تھی میرے یہاں بھی اولاد ہے، ان کی عمر اس وقت ۴۰ سال کی تھی میں بھی اس وقت چالیس کی دہائی میں ہوں، میں ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوں جب کہ نزول وحی کے وقت پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی اور ہر ممکن تعاون پیش کرنے کا یقین دلایا۔

سوال:......نصرانیت کے ساتھ سفر کی روداد بیان کریں گی؟

جواب:......میرے پاس تین سندیں ہیں، ایک کالج کی اور دوسری علم لاہوت میں بی اے ڈگری کی اور دو کالجز میں علم لاہوت کی استانی کی ڈگری کی اس طرح میں علم لاہوت کی ماہر ایک لیکچرار، راہبہ اور عیسائی مبلغہ تھی، اسی طرح میں عیسائی مذہب کی تعلیمات نشر کرنے کے لئے ایک ریڈیو اسٹیشن پر بھی مامور تھی ٹیلویژن پر بھی مجھے مدعو کیا جاتا تھا۔ اسلام لانے سے قبل اس کے خلاف میں نے کئی ایک مقالے بھی لکھے تھے۔ عیسائی مذہب کے لئے میں بے حد متعصب تھی اب میری دعا ہے کہ اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔

سوال:......عیسائی مبلغہ سے ایک عظیم اسلامی داعیہ تک بننے میں آپ کی زندگی کا نقطہ انقلاب کیا ہے؟

جواب:......میں فلپائن میں ایک مشنری مہم میں شریک تھی جہاں بوقت ضرورت میں لیکچرز پیش کرتی تھی، میں نے ایک فلپائنی استاذ کو دیکھا جو کسی عرب ملک سے آئے تھے اور ان کے چہرہ پر کچھ عجیب اثرات تھے، میں ان سے باصرار دریافت کرنے لگی بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اب تک کوئی ان کے قبول اسلام کو نہیں جانتا۔

جب میں نے ان کے قبول اسلام کی روداد سنی تو میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے کہ کیوں انہوں نے اسلام قبول کیا؟ اور اپنا دین کیوں بدل دیا؟ نہ ہو اس دین میں ضرور کوئی خوبی ہے، میرے دماغ میں میری ایک پرانی سہیلی کا خیال آیا جنہوں نے خود بھی اسلام قبول کرلیا تھا اور سعودی عرب میں ملازمت کر رہی تھیں، میں ان کے پاس گئی اور ان سے اسلام کے متعلق دریافت کرنے لگی۔ میرا ان سے سب سے پہلا سوال عورتوں کے حقوق کے بارے میں تھا کیونکہ عیسائیت کے تصور کے مطابق اسلام میں مسلم عورتوں کو حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، حالانکہ یہ فی الواقع غلط ہے، ایسے ہی میں سمجھتی تھی کہ اسلام شوہروں کو عورتوں کی پٹائی کی اجازت دیتا ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ اپنے گھروں ہی میں روپوش رہتی ہیں۔

میں اپنی سہیلی کی گفتگو سن کر کافی مطمئن ہوگئی پھر اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کیئے، جب انہوں نے مجھے اسلامک سینٹر لے جانے کی پیشکش کی تو میں کچھ تردد میں پڑی مگر انہوں نے میری ہمت افزائی کی، چنانچہ میں نے اللہ رب

العزت سے دعا مانگی اور روئی گڑگڑائی کہ وہ مجھے صحیح راستہ دکھا دے، میں جب اسلامک سینٹر پہنچی تو میری عیسائیت کے متعلق وسعت معلومات اور اسلام کے متعلق غلط تصورات دیکھ کر وہ حیرت میں پڑ گئے۔ پھر اس کی تصحیح کی اور کچھ پمفلٹ پڑھنے کیلئے لئے جسے میں روزانہ مطالعہ کرتی اور یومیہ تین گھنٹے ان سے گفتگو کرتی، ایک ہفتہ میں میں نے ۱۲ کتابیں پڑھ ڈالیں، یہ میرا پہلا اتفاق تھا کہ مسلم مصنفین کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں اور اب مجھے یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا عیسائی مصنفین کی جتنی تصانیف اب تک میں مطالعہ کر سکی تھی سب غلط فہمیوں اور اسلام کے تعلق سے مغالطے سے بھری پڑی ہیں، اس لئے میں نے پھر قرآن کریم کی حقیقت اور نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کے متعلق سوال کیا۔

ہفتہ ختم ہوتے ہوتے مجھ پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور وہی خطاؤں کو معاف کرتا ہے اور آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔ لیکن اب تک اسلام میرے دل میں رچ بس نہیں سکا تھا، کیونکہ شیطان ہمیشہ نفس کو خوف وہراس میں مبتلا کرتا رہتا تھا چنانچہ اسلامک سینٹر میں میں نے کئی تقریریں سنیں اور اللہ رب العزت سے روئی، گڑگڑائی کہ وہ مجھے ہدایت دے، ایک رات مجھے کچھ عجیب چیز محسوس ہوئی کہ وہ دل میں میرے جاگزیں ہوگئی۔ میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ اے رب میں صرف تجھ پر ایمان لائی، کلمہ شہادت ادا کیا اور اس کے بعد میں نے پورے جسم میں اطمینان وسکون محسوس کیا میں اس نعمت پر نہایت شکر گزار ہوں اور کبھی اس دن پر جو میرا یوم پیدائش سمجھا جاتا ہے، مجھے پشیمانی نہیں ہوئی۔

سوال:...... اور اب اسلام کے ساتھ آپ کا یہ سفر کس طرح طے ہو رہا ہے؟

جواب:...... اسلام قبول کرنے کے بعد کالج کی پروفیسری میں نے ترک کر دی، چند مہینوں کے بعد مجھ سے کہا گیا فلپائن کے اسلامک سینٹر میں میں اسلامک اسٹڈیز (اسلامی مطالعات) کی کلاسز منعقد کروں اور عورتوں کے تعلق سے موضوعات پر خطاب کروں۔ یہاں تقریباً ڈیڑھ سال یہ مشغلہ جاری رہا۔ پھر قصیم سینٹر کے شعبہ نسواں میں اسلامی داعیہ کی حیثیت سے مقیم ہوئی جہاں فلپائنی زبان میں تقریروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

سوال:...... آپ کے بچوں کا کیا حال ہے؟

جواب:...... جب میں فلپائن کے اسلامی سینٹر میں ملازمہ تھی تو سینٹر آتے وقت میں گھر پر کچھ پمفلٹ قصداً چھوڑ کر آتی تھی تاکہ میرا لڑکا ''کریسٹوفر'' مطالعہ کرے اور ممکن ہے کہ اللہ اسے ہدایت دے۔ چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی پمفلٹ پڑھتے اور وہیں پڑھ کر رکھ دیتے (واضح رہے کہ صرف ایک ہی بچہ اس وقت میرے ساتھ ہے) اسی طرح میرے پاس آذان کے لئے بیدار کرنے والی ایک گھڑی تھی جب میں باہر رہتی تو وہ اسے بار بار سنتا کچھ دنوں بعد اس نے اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کی میں بہت خوش ہوئی اور اس کی ڈھارس بندھائی اس دوران اسلامک سینٹر سے کچھ ساتھی تشریف لائے اور میرے لڑکے سے کچھ گفتگو ہوئی جس کے بعد فوراً اس نے کلمہ شہادت کا اعلان کیا۔ میرا یہ تنہا لڑکا ہے جس نے اسلام قبول کیا ہے اپنا نام اس نے عمر رکھا، میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بقیہ اولاد کو بھی اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

سوال:...... دین اسلام کی کونسی چیز آپ کو سب سے زیادہ پسند آئی؟

جواب:...... اسلام زندگی کا مکمل اور قابل تقلید نظام ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کرتا ہے۔

سوال:...... سب سے زیادہ کس آیت نے آپ کے دل کو اپیل کیا؟

جواب:...... ''ھم درجات عند اللہ واللہ بصیر بما یعملون'' ﴿القرآن﴾ اس آیت نے سخت اوقات میں بھی بڑا تعاون کیا۔

سوال:...... کس قسم کی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہیں؟

جواب:...... بخاری، مسلم، سیرت النبیؐ، سیرت صحابہؓ اور سیرت صحابیاتؓ، اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی تفسیر بھی اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں مطالعہ میں رہیں۔

سوال:...... قبول اسلام کے بعد ایک نئی فضا سامنے آتی ہے بہت ساری دشواریاں بھی پیش آتی ہیں تو وہ کونسی دشواریاں تھیں، جو آپ کو بھی پیش آئیں؟

جواب:...... میں کبھی امریکا رہتی اور کبھی فلپائن، میری بچیاں بھی یہاں سب شادی شدہ ہیں، جس وقت میں نے اسلام قبول کیا میری تین بچیوں کا ردعمل تو بہت سخت تھا البتہ باقی بچیوں نے اسے شخصی آزادی سے تعبیر کیا۔ میرے گھر اور ٹیلی فون پر بھی پہرہ بٹھادیا گیا پھر میں نے فلپائن ہی میں رہنا طے کرلیا۔ لیکن میرے سسرال کے تمام لوگوں نے

رخ پھیر لیا، جب کہ اس سے قبل میرے والدین کی وفات کی وجہ سے میں ان سے گہرے طور پر جڑی ہوئی تھی۔ تین دن تک میں روتی رہی، جب میں اپنے اسلامی لباس میں باہر نکلتی تو بچے مجھے بڑھیا یا شامیانہ کہہ کر چڑاتے مگر میں اسے اسلامی دعوت سے تعبیر کرتی، اس طرح میرے تمام شناسا مجھ سے دور رہنے لگے۔

سوال:......قبول اسلام کے بعد کیا آپ کا کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کا اتفاق ہوا؟

جواب:......ایسا اتفاق تو نہیں ہوا البتہ فلپائن کے کالجز اور یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کا موقعہ ملا ہے بعض ممالک کے سربراہوں کی طرف سے ایک عیسائی مبلغہ سے مجھے ایک اسلامی داعیہ کی حیثیت سے گفت وشنید کی دعوت دی گئی ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتی کیونکہ عیسائیت کا انداز بہت سخت ہے اور میں دعوت کے لئے اس طریقہ کو مناسب نہیں سمجھتی۔ بلکہ پرسکون انداز خاص کر پہلے شخصیت کا تعارف پھر دعوت۔

سوال:...... بتایا جاتا ہے کہ ایسا منصوبہ بنایا گیا ہے کہ آئندہ پچیس برسوں میں دنیا کی آبادی کو نصرانی بنالیا جائے گا اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:......اسلام کے مطالعہ کے بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ تمام مذاہب کی جانب سے اسلام کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کیونکہ عالمی پیمانہ پر دیگر مذاہب کا مقابلہ میں یہی زیادہ قبول عام حاصل کررہا ہے اور مسلمان زیادہ طاقتور نظر آرہے ہیں کیونکہ یہ اپنا مذہب نہیں بدلتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دین اسلام ہی سچا ہے، اس نے جو حقوق اور آسانیاں فراہم کی ہیں وہ کوئی اور مذہب نہیں دے سکتا۔

سوال:......اپنے سلسلہ میں اور اسلام کے متعلق آپ کی آرزوئیں کیا ہیں؟

جواب:......اپنی ذات کے تعلق سے میری یہ خواہش ہے کہ (انشاء اللہ) افریقہ جاؤں گی وہاں کے حالات کا مطالعہ اور دعوت کے امکانات تلاش کروں گی، مصر کی بھی زیارت میرے پیش نظر ہے جس کا مقصد فرعون کی لاش دیکھنا ہے، اسلام کے تعلق سے میری یہ آرزو ہے کہ اس کی صداقت اور اس کی خوبیاں پورے زور کے ساتھ سامنے لائی جائیں اور اس ماحول میں بیان کی جائیں جہاں حقائق کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: لیلیٰ رفین **ملک کا نام**: فرانس

# فرانسیسی لڑکی لیلیٰ رفین کے قبول اسلام کی

# ایمان افروز روداد

میری عمر ۲۵ سال ہے اور میں ایک فرانسیسی لڑکی ہوں میں نے دو سال قبل اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام میں میری دلچسپی کا باعث کیا اور کون بنا؟ بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بھی مسلمان اسلام میں میری دلچسپی کا باعث نہ بن سکا جن سے میں اسلام قبول کرنے سے پہلے ملی تھی بلکہ اسلام کی طرف میرے سفر کی وجہ وہ لوگ بنے جنہوں نے اسلام کا ایک بڑا چہرہ پیش کیا، میری مراد ''میڈیا'' سے ہے۔ ایک مسلمان دوست جو زیادہ مذہبی نہ تھا سے ''اللہ تعالیٰ کے وجود'' پر میری بحث ہوئی اور اس کے بعد میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک غیر مسلم ملک سے آئی تھی اور مجھے زیادہ مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق کبھی نہ ہوا تھا، میرے ذہن میں جو بھی اسلام کا تصور تھا وہ میڈیا یعنی ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات ورسائل کا دیا ہوا تھا۔

جب میں نے اسلام پر تحقیق شروع کی تو سب سے پہلے میں نے اسلام میں ''عورت کے مقام ومرتبہ'' کو دیکھا کیونکہ اسلام کا یہی وہ نقطہ اور پہلو تھا جس پر میڈیا میں سب سے زیادہ تنقید ہو رہی تھی اور بطور عورت بھی مجھے اسی پہلو سے زیادہ دلچسپی تھی۔ صرف اسلام میں عورت کے مقام ومرتبہ پر تحقیق کرنے کے بجائے میں نے تینوں الٰہی مذاہب یعنی اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں عورت کے مقام ومرتبہ پر تحقیق کی ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ مذاہب کے پیروکاروں کا عمل اور کردار کیا ہے بلکہ میں تینوں مذاہب کے اصل اور بنیادی ذرائع سے اپنے سوال کا جواب چاہتی تھی میں نے چند دلچسپ معلوماتی مضامین پڑھے جن میں تینوں مذاہب کا موازنہ کیا گیا تھا ان میں سے ایک مضمون میں مجھے اپنے مذہب عیسائیت (اس وقت کے مذہب) کے بارے میں

بہت زیادہ معلومات حاصل ہوئیں، اپنے مطالعہ و تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی نسبت عورت کو زیادہ حقوق اور آزادیاں دیتا ہے۔ اسلام نے تو عورت کو وہ بھی حقوق دیئے ہیں جو فرانس کی عورت صرف گذشتہ پچاس سال میں حاصل کر پائی ہے۔ میں فرانسیسی عورت کے بارے میں اس لئے بات کر رہی ہوں کیونکہ میں خود بھی ایک فرانسیسی عورت ہوں لیکن میری بات کا اطلاق بیشتر یورپی ممالک پر بھی ہوتا ہے۔ بیشتر یورپیوں کے لئے میری تحقیق کا حاصل حیران کن اور ان کے تصور اسلام کے بالکل الٹ ہے۔ لیکن مجھے اب مزید کسی کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ اسلام کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اسلام مجھے تیزی کے ساتھ اپنی طرف کھینچتا چلا جارہا تھا اور میں قطعاً مزاحمت نہ کرسکتی تھی۔ میں نے مطالعہ و تحقیق کو جاری رکھا کیونکہ اسلام کے بارے میں چند نکات ایسے تھے جنہیں میں سمجھ نہ پائی تھی۔ مجھے ان نکات کی وضاحت اسلام کے مجموعی مطالعہ سے ملی، اسلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس کے سارے پہلوؤں کا مطالعہ کریں، صرف چند حصوں کے مطالعہ سے آپ اسے نہیں جان سکتے کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، مجھے اسلام کی ہر بات منطقی اور معقول لگی میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی غیر منطقی اور نامعقول بات ملے مگر نہ ملی۔ اسلام میں ہر بات کی ایک عقلی وضاحت موجود ہے، اسلام عیسائیت کی طرح نہیں ہے جہاں سوالات کیے بغیر ہر بات کو تسلیم کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے میں نے کبھی مسلمانوں، ان کے افعال اور رویوں کو نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ اسلام کے سرچشمہ کو دیکھا ہے اور بغیر کسی فرد کی مداخلت اور اثرات کے اس کا اکیلے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اپنی اس تحقیق و مطالعہ کے لئے نہایت مختصر وقت لیا، صرف تین ہفتے ان تین ہفتوں میں ہی اسلام میرے لئے ایک ''مقناطیس'' بن چکا تھا اور میرے ذہن پر ''وہم'' کی طرح چھا گیا تھا۔ میں نے محسوس کرلیا کہ اب میرے لئے اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔

بالآخر جب میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا تو میں نے ان تمام مشکلات کے بارے میں سوچا جو فرانسیسی معاشرے میں مجھے پیش آسکتی تھیں۔ مجھے ان مشکلات کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ میرے نزدیک سب سے اہم اسلام تھا۔ جب

میں نے اسلام قبول کیا تو میں اپنی تعلیم کے سلسلے میں کینیڈا میں تھی۔ کینیڈا میں مجھے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ وہاں کے لوگ ان معاملات پر توجہ نہیں دیتے، مشکلات تو فرانس میں پیدا ہوئی تھیں جہاں کے مکمل غیر مسلم ماحول میں مجھے اپنی ایک ایسی فیملی کا سامنا کرنا تھا جس میں مسلمانوں کے لئے برائے نام بھی تحمل ورواداری نہ تھی اور جہاں اسلام کی ہر بات کا تعلق عربوں سے جوڑا جاتا ہے۔

اگرچہ میں پیرس میں رہتی تھی مگر میرے کوئی زیادہ مسلمان دوست نہ تھے۔ فرانس واپسی پر بغیر سر ڈھانپے ہی مجھے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہاں کے لوگ لمحے کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ میں مسلمان ہوں، فرانس میں جب کوئی مرد کسی عورت سے ملتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس نے عورت سے ہاتھ نہیں ملانا بلکہ اس کے رخساروں پر بوسہ دینا ہے اس لئے جب میں کسی مرد کو ہیلو کہتی اور بوسہ لینے دینے سے انکار کر دیتی تو وہ اپنی تذلیل محسوس کرتا اور میں اسے بالکل عجیب وغریب اور اجنبی لگتی۔ تاہم مجھے اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی زیادہ مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ میں پہلے ہی خود مختار تھی وہ جانتے تھے کہ وہ مجھ پر زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتے اور نہ مجھ پر کوئی دباؤ ڈال سکتے ہیں ان کے پاس مسئلہ کا ایک ہی حل تھا کہ وہ میرے انتخاب سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اس کا احترام کریں۔ الحمد للہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا میں کئی نومسلم فرانسیسی عورتوں سے ملی ہوں جنہیں اپنے گھر والوں کی طرف سے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اسلام میری زندگی میں کیا تبدیلیاں لایا؟ جواب بہت سادہ سا ہے کہ خورد ونوش سے لے کر کپڑوں اور دوسروں سے تعلقات تک ہر چیز میں تبدیلی آئی۔ میں روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرتی ہوں، ماہ رمضان میں روزے رکھتی ہوں اور زکوۃ ادا کرتی ہوں۔ ڈھیلے ڈھالے اور لمبے کپڑے پہنتی ہوں اور اپنے سر کو بھی ڈھانپ رہی ہوں۔ گذشتہ سال میں نے فرانس چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اب میں مراکش میں ہوں جہاں میں کام کرتی ہوں، میری ابھی شادی نہیں ہوئی لیکن شادی کا پروگرام رکھتی ہوں، انشاء اللہ جلد۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت　　　**ملک کا نام**: امریکہ

# یقین محکم، عمل پیہم

## امریکی ایک نومسلم خاتون کی ایمان افروز داستان

اس سرد و گرم دنیا کے مصائب و مشکلات سے بھرپور اور مصروف زندگی میں بے شمار لوگ کسی ان دیکھی چیز کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں، ان میں اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ کچھ لوگ اپنے مسائل کا حل مذاہب میں تلاش کر لیتے ہیں، لوگوں کو کسی مقصد کی ضرورت اور ہاں نظریاتی طور پر انتشار اور نشیب و فراز میں مبتلا آج کی دنیا میں ''سچ'' کی تلاش بہت مشکل ہے مگر میں سچ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئی۔

میں امریکہ میں رہنے والی ایک عیسائی لڑکی تھی، میں باقاعدگی سے چرچ جاتی تھی مگر پھر بھی میرے قلب و ذہن پر یہ احساس چھایا رہتا تھا کہ جیسے میں کسی قیمتی چیز سے محروم ہوں بہت سے دوسروں لوگوں کی طرح میں بھی اپنے دل میں کسی خلا کو محسوس کرتی تھی ہم میں بے شمار لوگ مسکراتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے چہروں پر خوشی بھی دکھائی دیتی ہے مگر اندر سے وہ محروم اور غمگین ہوتے ہیں۔ یہی حالت میری بھی تھی۔

میں عیسائیت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی مگر کوئی میرے سوالوں کو تسلی بخش جواب نہیں دے پاتا تھا، اس لئے میں نے مذہب کا کورس لیا تا کہ عیسائیت کا مطالعہ کر سکوں، میں نے اپنے چرچ کے پروگراموں میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ''اے اللہ مجھے سچائی کا راستہ دکھا''۔

میں یونیورسٹی میں عرب طلباء سے ملی اور ان کی دوست بن گئی، میں نے انہیں نہایت پرکشش پایا مجھے ان کا کھانا، موسیقی اور زبان بہت پسند آئی وہ مذہب ''اسلام'' کے بارے میں گفتگو کرتے تو میں ان سے پوچھتی ''یہ اسلام کیا ہے؟'' مجھے اسلام کے

بارے میں کوئی زیادہ علم نہیں تھا۔ بے شمار امریکی اسلام کے بارے میں بالکل نہیں جانتے یا پھر بہت کم معلومات رکھتے ہیں یا پھر وہ اسلام کے بارے میں میڈیا کے ذریعے پھیلائے گئے جھوٹ اور من گھڑت بری داستانوں سے واقف ہیں۔ میں اسلام کے لئے متجسس تھی اس لئے میں نے اسلام کے بارے میں تحقیق شروع کردی، میں نے اسلامی کتابیں اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کو پڑھا، مسلمانوں سے ملاقاتیں کیں، میں نے اسلام کو ایک دلکش اور پرامن مذہب پایا۔ اسلام میں مجھے اپنے ذہن میں اٹھنے والے تمام سوالوں کا جواب مل گیا۔ قلب وذہن کو طمانیت حاصل ہوئی، اسلام نے ''ایک اللہ'' کی طرف میری رہنمائی کی اور میں جان گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک پیغمبر تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول۔ میرے دل نے محسوس کرلیا کہ مجھے وہ سچائی مل گئی ہے جس کی مجھے مدتوں سے تلاش تھی۔ ۱۹۸۹ء میں ۲۷ رمضان المبارک کو میں نے اسلام قبول کرلیا اور رمضان کے آخری تین روزے بھی رکھے۔ میں بہت خوش تھی کیونکہ میرے دل کا خلا خالص خوشیوں اور طمانیت سے پر ہو چکا تھا اور میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کررہی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں ایمان کی آزمائش آنے والی تھی۔ مجھے اپنے عیسائی والدین کو اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتانا تھا لیکن میں نے اس میں چند ماہ کی تاخیر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ میں اپنی قوت ایمانی کو مزید مضبوط کرلوں۔ یونیورسٹی میں عرب دوستوں میں سے ایک نے مجھے شادی کی پیش کش کی میں نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ بہت سے دیگر امریکیوں کی طرح میرے باپ کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کی لڑکی کسی غیر ملک کے شہری سے شادی کرے مگر میں اپنے موقف پر مضبوطی سے ڈٹ گئی اور اپنے والدین کو مجبور کیا کہ وہ میرے شوہر کو قبول کرلیں۔ یہ معرکہ میں نے سر کرلیا، اب مجھے انہیں یہ حقیقت بھی بتانا تھی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں میں نے ان کو آخر بتایا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں انہیں اس خبر سے زبردست دھچکا لگا اور وہ بہت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ شاید انہوں نے مجھے غلط طریقے سے پروان چڑھایا ہے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ میں اب بھی ان سے پہلے ہی کی طرح محبت کرتی ہوں اور میں نے اسلام کو اپنی خوشیوں اور طمانیت قلب کی خاطر قبول کیا ہے۔

میرے والدین کا خیال تھا کہ مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح ہوتے ہیں اور سچائی سے بہت دور ہیں۔ وہ مذہب کے معاملے میں ہر وقت مجھ سے جھگڑنے لگے میرا دل بہت دکھتا مگر میں اپنے عقیدے پر مضبوطی سے جمی رہی۔

اس کے بعد حجاب کا مسئلہ آ گیا، وہ اس پر بھی مجھ سے ناراض ہو گئے حجاب ان کے نزدیک عجیب وغریب چیز تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ مجھے حجاب میں دیکھیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ حجاب تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اپنی ذات کے احترام میں کر رہی ہوں، مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے، والدین کے ساتھ کشمکش جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل سے امریکی معاشرے میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ میں کرتی رہی، آہستہ آہستہ یہ مشکلات میرے لئے آسان ہوتی گئیں۔

میں اپنے والدین کے سلسلے میں بہت صبر سے کام۔لے رہی تھی اور مجھے ان کے رویے میں تبدیلی کا انتظار تھا، تین سال گزر گئے، پہلے کی نسبت میرے مذہب کے بارے میں ان کا رویہ بہتر ہونے لگا اب آٹھ سال گزر چکے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اسلام نے مجھے ایک اچھے انسان میں تبدیل کر کے مجھے ایک زیادہ فرمانبردار اور احترام کرنے والی بیٹی بنا دیا ہے۔ بے شک وہ میرے مذہب پر یقین نہیں رکھتے مگر کم از کم وہ اسلام کو پہلے کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں اور میرے قبول اسلام کو انہوں نے میرا انتخاب سمجھ کر قبول کر لیا ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلام نے مجھے خوش وخرم بنا دیا ہے۔

**سابقہ مذہب** : بدھ مت **ملک کا نام** : چین

# قرآن مجید کے سائنسی انکشافات چینی لڑکی کے قبول اسلام کا ذریعہ بنے

میری زندگی میں میرے لئے جو سب سے اہم اور سودمند واقعہ ہوسکتا تھا وہ میرا اسلام قبول کرنا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے صراط مستقیم دکھایا میں ۲۵ سال کی ایک چینی لڑکی ہوں کمبوڈیا میں پیدا ہوئی اور چار سال کی عمر میں اپنی فیملی کے ہمراہ فرانس چلی آئی۔ میری فیملی ایک روایت پرست چینی فیملی ہے مذہباً میرے والدین بدھ مت کے پیروکار ہیں، ان کا یہ مذہبی تعلق بھی روایتی ہے وہ اس لئے بدھ مت ہیں کہ میرے دادا دادی/نانا نانی (یعنی ان کے والدین) کا تعلق بدھ مت سے ہے۔ چونکہ میرے والدین کٹر قسم کے مذہبی نہیں ہیں اس لئے انہوں نے مجھے مذہب کی کوئی تعلیم نہ دی، علاوہ ازیں وہ بدھ مت کی باقاعدگی سے عبادت وغیرہ بھی نہیں کرتے جب کبھی میں نے ان سے مذہبی رسموں کے بارے میں پوچھا کہ وہ یہ رسمیں کیوں کرتے ہیں تو وہ کوئی وضاحت بھی نہ کر سکے۔ میں اگرچہ بدھ مت کے پیروکار تو نہ تھی مگر میری شخصیت اور رویے پر بدھ ازم کے فلسفے اور اخلاقی اقدار کے اثرات نمایاں تھے۔ اس گھریلو ماحول میں فرانس کے یہود و نصاریٰ کے معاشرتی ماحول کا بھی اضافہ کرلیں، فرانس فکری آزادی اور انسانی حقوق کا علمبردار ایک کثیر الثقافتی ملک ہے مذہباً کیتھولک اکثریت کا حامل خطہ ہے۔ آبادی کے لحاظ سے اسلام یہاں کا دوسرا بڑا مذہب ہے فرانس کی آبادی میں شمالی افریقی ممالک کے افراد بھی اہم تعداد رکھتے ہیں اور اس کی وجہ فرانس کا نوآبادیاتی ماضی ہے۔ زیادہ تر مسلمان عرب مراکشی اور سیاہ افریقی ہیں۔ صدی کے آخری عشرے میں فرانس میں کئی دہشت گردوں کے بم حملوں کے خوفناک خونی مناظر بھی دیکھے گئے جن کا الزام اسلامی گروپوں پر لگایا گیا فرانس میں عربوں کو عزت واحترام

کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بڑی تعداد میں فرانسیسی اسلام سے خوف زدہ ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام کا نہایت منفی (برا) تصور ہے۔

میں مغرب کی نئی نسل کے ساتھ پروان چڑھی ہوں مذہب سے متعلق ہر چیز کے ساتھ بے اعتنائی برتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ نسل آزادی کی متمنی ہے اور ہر قسم کی اچھی یا بری قدیم روایات سے تعلق ختم کرنا چاہتی ہے دنیا کے مادہ پرستانہ اور الحادی تصورات نے بھی اس نسل کو کنفیوژ کیا ہے۔ میرے زیادہ تر دوست یورپی ہیں میرے ہم جماعت کمبوڈیا سے لے کر الجزائر تک دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتے ہیں اسلام میں میری دلچسپی سے پہلے نہایت مذہبی کوئی فرد میرا دوست نہ تھا اور میرے دوستوں میں سے کسی نے بھی کبھی اپنا مذہبی نقطہ نظر نہیں بتایا تھا۔ مذہب پر یقین یہاں نہیں پایا جاتا، مختصر یہود و نصاریٰ کا پس منظر رکھنے والے فرانس کے سیکولر معاشرے میں جہاں مختلف کلچر گھل مل چکے ہیں، میں اپنی روایتی چینی فیملی کے ساتھ رہ رہی تھی اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسی بھی مذہبی رو کا مجھ پر کوئی اثر نہ تھا۔ تاہم اسلام کا میرے ذہن میں ایک برا امیج ضرور تھا وہی امیج جو مغربی ممالک نے بنایا تھا۔ علاوہ ازیں مذاہب کے بارے میں میرا نقطہ نظر بڑی حد تک منفی تھا میرے خیالات کے مطابق مذہب کو اپنے پیروکاروں کی اخلاقی اقدار اور رویوں پر نہایت اچھے، مضبوط اور گہرے اثرات مرتب کرنے چاہئیں۔ لیکن میں نے اپنے اردگرد جو دیکھا اور تاریخ میں جو پڑھا تھا وہ نہایت تاریک پہلو لئے ہوئے تھا مثلاً مذہبی جنگیں، مذہبی قتل و غارت (خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو ذبح کرنے کے ہولناک واقعات) قدامت پسندی، سائنسی ترقی کی مخالفت، اسلامی بنیاد پرستی وغیرہ وغیرہ۔

تاہم ایک سپریم پاور پر میرا یقین تھا جو پوری دنیا پر حکمرانی کرتی ہے اور جسے میں خدا کہنے کی جسارت نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ لوگ خدا کے نام پر کیا کچھ (غلط) نہیں کرتے۔ میں مانتی تھی کہ اس خصوصی سیارے یعنی کرہ ارض پر زندگی کا ظہور کسی خوش کن اتفاق کا نتیجہ نہ تھا۔ کائنات میں اس قدر حسن ترتیب ہے کہ کسی اتفاقی حادثے میں ظہور پذیر ہونے والی چیزوں میں یہ ممکن ہی نہیں۔ ایٹم سے لے کر ستاروں تک کائنات کی ہر چیز اپنی صحیح جگہ پر ہے۔ دنیا کو قابو میں رکھنے والی اس سپر پاور پر میں یقین رکھتی تھی مگر ہر

قسم کے مذہب کو میں نے مسترد کیا ہوا تھا۔ میں نے کبھی بھی زیادہ گہرائی سے اس مسئلہ پر غور نہ کیا تھا یہاں تک کہ ساڑھے تین سال قبل مسلمان دوستوں سے میری ملاقات ہوگئی۔

یہ اس وقت ہوا جب مجھے اپنی تعلیم کے لئے دوسرے شہر جانا ہوا، میں اپنے والدین کے شہر سے کافی دور تھی میں تنہا اور خود مختار تھی۔ یونیورسٹی میں میری مراکش کے مسلمانوں سے شناسائی ہوئی ان میں سے ایک میرا بہترین دوست بن گیا اس کے ذریعے میں نے اسلام کا ایک اور ہی چہرہ دیکھا اس نے سب سے پہلے ایمان کا سب سے اہم نکتہ جو مجھے ذہن نشین کرایا وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے یکتا و بے مثال ہونے پر یقین رکھنا تھا۔ اس نے اسلام میں خواتین کے حقوق کے بارے میں مجھے بتایا اور یہ بھی کہ لفظ ''اسلام'' کے کیا معنی ہیں۔ اس نے اسلام اور دیگر مذاہب (عیسائیت، یہودیت، بدھ مت وغیرہ) میں پائے جانے والے فرق بھی واضح کئے۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح نہیں ہے اسلام کے معنی تو ''اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری'' کے ہیں اور مسلمان کا مطلب ہے ''وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے مکمل تسلیم ہو جائے'' میں اسلام کے اعلیٰ معیار سے بہت متاثر ہوئی۔

اس کے بعد میں اسلام کے نظریہ تقدیر، فرشتوں، جنوں اور یوم حساب سے آگاہ ہوئی۔ میں نے یہ بھی جان لیا کہ قرآن مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نازل ہوا۔ ان تمام انکشافات سے میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ کرہ ارض پر انسان کی آمد کا مقصد کیا ہے میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا کہ انسان خیر وشر میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے مزین ہے، اگر خدا ہے تو پھر انسان اور خدا کے درمیان کوئی باطنی یا روحانی تعلق اور رابطہ کیوں نہیں تا کہ انسان اللہ سے براہ راست خیر وشر کے بارے میں جان سکے۔ میں جانتی ہوں کہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک یہ ایک خاصا مزاحیہ سوال ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ میری کسی قسم کی کوئی مذہبی بنیاد اور پس منظر نہیں ہے۔ میں تقریباً آٹھ ماہ تک تمام امور پر حیران و پریشان ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ اور مذاہب کے بارے میں اپنے احساسات کو میں نے اپنے بہترین دوستوں کے سامنے بھی بیان نہ کیا۔ درحقیقت میں نہیں چاہتی تھی کہ اس اہم اشو پر کوئی بھی مجھ پر اثر انداز ہو، میں سچائی کو ہر ممکن واقعیت کے ساتھ خود تلاش کرنا چاہتی تھی میری ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ میں تنہائی

میں اس مسئلہ پر غور وفکر کروں۔ البتہ میرے اندر یہ عجیب احساس تھا کہ مجھے غلط راستے کا انتخاب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا تاہم میں یہ بھی محسوس کرتی تھی کہ میرے پاس انتخاب کا ایک ہی راستہ ہے میں قدم آگے بڑھانے سے خوف زدہ تھی اگلے دو ماہ کے دوران میں میں بہت ہی پریشان اور تذبذب کا شکار رہی۔

مجھے جب بھی تنہائی کا موقعہ ملتا میں مطالعہ کرتی۔ میں نے تین الہامی مذاہب کے بارے میں ایک کتاب پڑھی میں نے مذاہب سے متعلق کتابوں کے منتخب حصوں کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلام کے بارے میں مضامین بھی پڑھے اور موریس بوکائے (Maurice Bucaillie) کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ بھی کیا۔ اس کتاب میں جدید سائنسی دریافتوں اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے بائبل اور قرآن مجید میں کیئے گئے سائنسی انکشافات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے یہ کتاب بڑی حد تک حقیقت پسندانہ تھی اور اسے ایک فرانسیسی سرجن نے لکھا ہے جسے سعودی عرب جانے کا اتفاق ہوا تھا۔

میرا ذہن بھی سائنسی فکر رکھتا ہے اور میں سائنس وٹیکنالوجی ہی کا مطالعہ بھی کررہی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ یہ کتاب جسے ایک مغربی تنظیم نے انعام بھی دیا ہے، اس کتاب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی میں تصدیق نہ بھی کروں تو حقائق پھر بھی حقائق ہی رہیں گے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے مجھے تذبذب سے نکال دیا اور راستے کے انتخاب کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اس کتاب نے میرے سامنے یہ حقیقت بھی رکھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں موجود رہے ہیں اور اللہ کی مدد سے انہوں نے معجزات بھی دکھائے ہیں۔ بلاشبہ اس حقیقت کے انکشاف پر میں زندگی میں پہلی بار حیران رہ گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود تھا، میں اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے بارے میں پہلے کیوں نہ پوچھا تھا حالانکہ میں ایک ایسے ملک میں رہ رہی تھی جس کا کیلنڈر ان کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے میں نے کبھی نہ سوچا تھا کہ ایک نئے کیلینڈر کا آغاز ان کے نام سے کیوں شروع ہوا، کسی بادشاہ یا شہنشاہ کے نام سے کیوں شروع نہ ہوا۔ اس شخص نے ایسا کونسا کارنامہ انجام دیا تھا آخر ہوا کیا تھا؟ یقیناً اس نے کوئی انتہائی متاثر کن کام کیا ہوگا اس قدر لوگوں کو ان کا نام یاد ہے اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایسے ہی سوالات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی میرے ذہن میں پیدا ہوئے میرا اس بات پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لئے اس تک قرآن مجید پہنچانے کا خصوصی کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا۔ میں اس بات سے بہت متاثر ہوئی کہ ہر فرد خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم وہ اس حقیقت سے اتفاق کرتا ہے کہ قرآن مجید انتہائی زوردار اور اثر انگیز عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔

جب میں نے یہ پڑھا کہ قرآن مجید نے ۱۴۰۰ سال قبل ان سائنسی علوم کے انکشافات کئے تھے جنہیں ہم آج جدید ٹیکنالوجی سے دریافت رثابت کر پائے ہیں مثلاً جنین کی نشو ونما، تو میں مزید متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس سے قبل مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ قرآن نے بہت سے سائنسی حقائق بھی بیان کئے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ سورج اور چاند مخصوص مداروں میں گردش کرتے ہیں۔ (سورۃ نمبر ۲۱ کی آیت نمبر ۳۳، سورۃ نمبر ۳۶ کی آیات نمبر ۳۸ ر ۴۰ سے متعلق ہے۔ مترجم) قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب کوئی دریا کسی سمندر سے ملتا ہے تو شیریں اور تلخ وشور پانی کے درمیان پردہ حائل رہتا ہے (سورۃ نمبر ۲۵ کی آیت نمبر ۵۳، سورۃ ۳۵ کی آیت نمبر ۱۲، سورۃ ۵۵ کی آیات نمبر ۱۹ تا ۲۱ سے متعلق ہے۔ مترجم) کئی آیات میں قرآن مجید نے زمین پر زندگی کے لئے پانی کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ قرآن نے میری آنکھیں کھولیں اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

**سابقہ نام**: مارلس　　**سابقہ مذہب**: عیسائیت

**اسلامی نام**: فوزیہ احمد　　**ملک کا نام**: انگلینڈ

# فوزیہ احمد، قطرے سے گہر ہونے تک

## اعتکاف کا شرف:

۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ کی افطاری کے ساتھ شام عید کا آغاز ہوا۔ فضا میں مسرتیں بکھر گئیں، بعض خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں روزے رکھنے اور ماہ صیام کی برکتوں اور رحمتوں سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائی بعض عید منانے کے پروگرام میں مصروف، بعض بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہے کہ ان کی عبادت کو شرف قبولیت حاصل ہو جائے، بچے اپنے طور پر آنے والی صبح کی خوشیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے بھی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا بے پایاں رحمتوں سے نواز نے پر شکر ادا کیا۔ اس وقت میرے دل میں صرف ایک ہی خواہش مچل رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح فوزیہ احمد، جو اپنے وطن، اپنے بہن بھائیوں، عزیز و اقارب سے دور بہت دور پاکستان میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں زندگی کی تمام دلچسپیوں کو الوداع کہہ کر صرف ربِ کائنات کی ہو کر رہ گئی تھیں، سے شرف ملاقات حاصل کیا جائے، عید کی شام بڑی مصروف ہوتی ہے سواری کا ملنا دشوار اور تنہا عورت کا باہر نکلنا تو دشوار تر، لیکن خالق کائنات مقلب القلوب بھی ہے اور مسبب الاسباب بھی کسی نیک کام کا ارادہ کر کے تو دیکھئے وہ فوراً وسائل مہیا فرما دیتا ہے لہٰذا اس کی رحمت سے میرے بھانجے نے مجھے عزیزہ محترمہ کے ہاں پہنچانے اور واپس لانے کی پیش کش کر دی۔

فوزیہ احمد کے ہاں پہنچی تو عجب عالم تھا وہ مسرور تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعتکاف میں بیٹھنے کی سعادت سے نوازا بچے خوش تھے کہ ماں نے دس دن بعد اپنی صورت دکھائی۔ بالخصوص دو سالہ بچی تو ان سے علیحدہ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی کہ کہیں امی پھر غائب نہ ہو جائیں۔ سسرال والوں کو فخر تھا کہ ان کی بہو کو اعتکاف کا اعزاز

حاصل ہوا، فوزیہ احمد انکساری سے کہہ رہی تھیں ''میں تو بہت گنہگار ہوں'' ان کی ایک رشتہ دار خاتون کا جواب تھا ''ایسا مت کہو تمہیں گنہگار کہنے والا یا سمجھنے والا خود گنہگار ہوگا'' اور میں سوچوں میں گم تھی کہ یہ وہی خاتون ہے جس نے یورپین والدین کے ہاں جنم لیا ہے، مغرب کی عریاں اور بے لگام تہذیب میں پرورش پائی، یہ نیم عریاں بغیر آستینوں کے بلاؤز اور قمیض پہننے والی خاتون آج تقدس کا لباس اوڑھے اعتکاف کی بابرکت دنیا سے باہر آئی تھیں اور ہم مسلمان معاشرے میں جنم لینے والے انہیں ایک نظر دیکھنے کے لئے بے چین، ان سے دوستی پہ نازاں، ان سے دعاؤں کے طلب گار تھے۔

## جذبۂ ایمانی:

آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے ان محترم خاتون کو ایک چوبارے سے ملحق چھوٹی سی بالکونی جو اسٹور روم کے لئے مختص ہے لا بٹھایا تھا جس میں بمشکل ایک جائے نماز بچھانے کی جگہ خالی تھی۔ جس کی اگر دن کے وقت کھڑکیاں کھولی جائیں تو سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ خیمہ زن، بن کی جائیں تو پنکھا چلنے کے باوجود حبس اور گرمی سے انسان بے حال، یہ وہی جذبہ تھا جس کے تحت سیدنا حضرت بلالؓ نے مکہ کی چلچلاتی دھوپ میں آگ کی طرح تپتی ہوئی ریت میں گوشت کو پگھلا دینے والی پتھر کی گرم سلوں کو دشمن کے ہاتھوں سینے پر رکھوالیا لیکن پھر بھی اللہ احد کی صدا بلند فرماتے رہے۔

یہ وہی جذبہ تھا جس نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر خاتم المرسلین سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لٹا دیا تھا، جب کہ کاشانۂ اقدس کے باہر دشمن برہنہ تلواریں لئے کھڑے تھے۔ یہ وہی جذبہ تھا جس نے یار غار سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر پیام برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سفر بنا دیا تھا، اور غار ثور میں زہریلے سانپ سے ڈسے جانے کے باوجود مہر لب رکھا کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آرام میں خلل نہ پڑے۔

یہ وہی جذبہ تھا جس کے تحت سیدنا خبابؓ بن ارت کے جسم کی چربی سے کافروں کی دہکائی ہوئی آگ سرد پڑ جاتی ہے لیکن وہ خالق کائنات کے پیامبر صلی

اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کرتے رہے۔

یہ وہی جذبہ تھا جس نے یاسر بن عامر کو شمع رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا پروانہ بنایا کہ دشمنان حق نے انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹایا، وحشیانہ سزائیں دیں، لیکن انہوں نے راہ حق سے منہ نہ موڑا، اور مصائب و آلام جھیلتے جھیلتے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

یہ وہی جذبہ تھا جس کے تحت حضرت سمیہؓ نے اپنے ضعیف و ناتواں جسم پر دشمن دین ابوجہل کے تیر کھائے اور پھر اسلام کی اولین شہید خاتون کے عظیم مرتبے کو جا پہنچیں۔

یہ وہی جذبہ تھا جس سے سرشار ہو کر غزوۂ احد میں حضرت قتادہؓ ابن نعمان نے عرب کے صادق و امین قائد انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ اقدس کو بچانے کے لئے اپنے چہرے کو دشمنوں کے تیروں کے خلاف ڈھال بنائے رکھا، یہاں تک کہ آنکھ کا ڈیلا ہاتھ میں آ گرا جسے دیکھ کر محبوب رب کائنات کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے (یاد رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آنکھ کی بینائی بحال ہو گئی تھی)۔

ہاں فوزیہ احمد کے اعتکاف میں اس قسم کا جذبہ کارفرما تھا، یہ وہی خاتون تو ہیں جو کبھی پاکستان کی فضاء میں گھٹن محسوس کرتی تھیں جو چند برس قبل اپنے شوہر سے انگلینڈ واپس جانے کا مطالبہ کرتی تھیں اور یہ مطالبہ جائز بھی تھا۔ انگلینڈ سے پاکستان آتے وقت ان سے جلدی واپس لوٹنے کا وعدہ ہوا تھا، لیکن ان کے سسر کی طویل علالت، انتقال اور دیگر گھریلو ذمہ داریاں ایفائے عہد میں حائل ہو گئیں تھیں۔ فوزیہ احمد ایک تنگ مکان میں بادل نخواستہ مشترکہ خاندانی نظام کے تحت زندگی کے دن گزارتی رہیں لیکن انگلینڈ واپس جانے کا اصرار بھی ہر روز ہر رنگ میں ہوتا رہا۔

## بچپن اور تعلیم:

محترمہ فوزیہ احمد نے سوئٹزرلینڈ کی حسین ترین وادی انٹرلیکن میں خوش حال پڑھے لکھے والدین کے ہاں آنکھ کھولی تھی۔ انٹرلیکن جو گہرے نیلے آسمان تلے برف کا لبادہ اوڑھے پہاڑوں میں گھری ہوئی نیلگوں جھیلوں کے درمیان واقعہ کشمیر جنت نظیر کی نظیر ہے جہاں مالک ارض و سماء کی صناعی کے مناظر ہر سو دعوت نظارہ و فکر دیتے رہتے

ہیں جہاں فطرت کا حسن ہر دم شباب پر رہتا ہے، نیز موسم بہار میں حد نظر تک زمین پھولوں کی چادر اوڑھ لیتی ہے، گھروں اور باغیچوں میں سیبوں کے درختوں پر سفید پھول کھلتے ہیں تو فضا مہک اٹھتی ہے۔ ہر سال مکانوں کی آرائش کے مقابلے کا اعلان ہوتا ہے تو مکین انعام حاصل کرنے کے لئے در و دیوار کو گلستان میں تبدیل کر دیتے ہیں دنیا بھر سے حسنِ فطرت کے پرستار کشاں کشاں چلے آتے ہیں، تہذیب نو کے زخم خوردہ یہاں کی عطر بیز ہواؤں سے مشام جان کو معطر کر کے لوٹتے ہیں سکون کے ان متلاشیوں کی تعداد سال بھر اصل آبادی سے دوگنی رہتی ہے۔

فوزیہ احمد کے والدین انہیں بے حد پیار کرتے اور مارلس کہہ کر پکارتے اس بچی نے اپنا بچپن زندگی کے بے فکری کا دور انٹرلیکن کے اس پرکشش اور تفریحی مقام میں گذارا سیکنڈری اسکول ایجوکیشن کا امتحان یہاں کے اسکول سے پاس کیا، کالج میں داخلہ لیا اور تین سال کا ڈپلومہ حاصل کیا کالج کی تعلیم کے ساتھ مقامی ٹاؤن ہال مین ایڈ منسٹریشن کی عملی تربیت حاصل کی تین بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی پھول سی مارلس بچپن اور تعلیم کے دوران تتلی کی مانند پھولوں کی رسیا تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی تو وادی میں دور نکل جاتی اور فطرت کے حسن میں کھو جاتی، کھیلوں میں حصہ لیتی تو اول پوزیشن حاصل کرتی اور ہر دیکھنے والی آنکھ اس کی برق رفتاری پر ششدر رہ جاتی۔

مارلس کا آبائی وطن سوئٹزرلینڈ تین ملکوں فرانس، اٹلی اور جرمنی کی سرحدوں پر واقع ہے یہاں ان ممالک ہی کی زبانیں بولی جاتیں ہیں یہ تین زبانوں کا ملک ہے انٹرلیکن کی دلفریب وادی میں جرمنی کے قریب واقع ہونے کے باعث جرمنی زبان بولی جاتی ہے مارلس نے اسی زبان میں اپنی تعلیم مکمل کی لیکن مغرب کی دوسری زبانیں سیکھنے کا شوق جنون کی حدوں کو چھو رہا تھا وہ اپنے اکلوتے بڑے بھائی کے پاس اسپین چلی گئیں جہاں وہ بطور فیکٹری انجینئر متعین تھے وہاں انہوں نے ہسپانوی زبان سے متعلق نو ماہ کا کورس کیا، انگریزی سیکھنے کا شوق سر پر سوار ہوا تو انگلینڈ جا پہنچیں۔

# قبول اسلام اور شادی

انگلینڈ پہنچ کر انگریزی زبان کے جس کورس میں داخلہ لیا اس میں ایک پاکستانی نوجوان ایم آئی احمد بھی داخلہ لے چکے تھے وہ کسی ٹریولنگ ایجنسی میں ملازم تھے اور مارلس سے شادی کے خواہاں تھے۔ مارلس نے اپنے والدین سے اجازت چاہی ان کا خاندان مذہبی لحاظ سے پروٹسٹنٹ عیسائی تھا، والد کا مطالعہ بہت وسیع تھا انہوں نے بیٹی سے کہا کہ انہیں اس نوجوان کی ذات پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن جس ملک سے یہ تعلق رکھتے ہیں وہ یورپ سے سو سال پیچھے ہے بہتر یہ ہے کہ ایئر ہوسٹس بن کر اس ملک کی زبوں حالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ اور اگر پاکستانی قوم کی خصوصیات جاننا چاہو تو یہ کتاب پڑھ لو، ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے جرمنی زبان میں لکھی ہوئی ایک کتاب بیٹی کے ہاتھ میں تھما دی، جس کے پہلے صفحے پر یہ درج تھا۔

> ''کہ اگر کوئی پاکستانی ادھار لیتا ہے تو پہلی بار وہ وقت پر رقم واپس کر دیتا ہے، دوسری بار لیتا ہے تو بھی قدرے تاخیر سے لوٹا دیتا ہے تیسری بار لیتا ہے تو غائب ہو جاتا ہے۔''

(بدقسمتی سے محترم خاتون کے ذہن سے پاکستان سے متعلق اس زہر آلود کتاب کا نام نکل چکا ہے) مارلس نے احمد کے والد کو بھی خط لکھا کہ اگر ان کے بیٹے کی کہیں پہلے شادی ہو چکی ہے یا ان کا رشتہ وہ کہیں اور کرنے کے خواہشمند ہیں تو اسے مطلع فرمادیں کیونکہ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی جو ان کے خاندان کے لئے باعث پریشانی ہو۔

مارلس کا یہ خط اس کی عظمت کی نشاندہی کرتا تھا، لیکن جواب لکھنے والے کی تحریر بھی عظمت کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔

> ''میرا بیٹا شادی شدہ نہیں، لیکن اگر کوئی غیر مسلم بچی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اس سے شادی کرلے تو ہم اپنی ہر خواہش قربان کر سکتے ہیں۔''

مارلس کا خیال تھا کہ خدا کو تو ہم عیسائی بھی جانتے ہیں اور مسلمان بھی ہم عیسائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں اس بات سے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لہٰذا کلمہ طیبہ پڑھ کر بظاہر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ساس نے دعاؤں کے ساتھ پاکستان سے عروسی جوڑا بھیجا فوزیہ نام تجویز کیا اب مارلس فوزیہ احمد کے نام سے اسلامی دنیا کی ایک رکن بن چکی تھیں۔

فوزیہ احمد نے قرآن پاک کا جرمنی زبان میں ترجمے کا ایک نسخہ خریدا دوزخ سے متعلق تفصیل پڑھ کر اس کے ذہن میں سوال ابھرتا کہ نعوذ باللہ مسلمانوں کا خدا اتنا ظالم ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ وہ عیسائیت کی محبت میں یہ فراموش کر بیٹھیں کہ نیک اعمال کرنے والوں کو قرآن کریم ابدی جنت کی نوید بھی تو دیتا ہے۔ دراصل عیسائی دنیا نظریہ کفارہ کی قائل ہے جس کا مطلب ہے کہ گناہ کیے جاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے (نعوذ باللہ) یسوع مسیح علیہ السلام کو پھانسی دلوا کر عیسائیوں کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، انگلینڈ میں ان کی کوشش یہی ہوتی کہ شوہر کے عقائد کے مطابق حرام غذا سے بچا جائے، لیکن جب وہ میکے جاتی تو ان کے والدین کہتے اتنی عمر تم نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے اب ایسی کونسی بات ہوگئی کہ تم اس سے پرہیز کرتی ہو وہ اسے انگریزی کا مشہور محاورہ یاد دلاتے کہ جب روم میں رہو تو وہی کچھ کرو جو رومن کرتے ہیں لہٰذا وہ والدین کے حکم پر حرام گوشت بھی کھا لیتیں اور کھانے کے دوران ہلکی سی شراب بھی پی لیتیں۔

## پاکستان میں آمد:

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب فوزیہ احمد کو لاہور آنا پڑا، زندہ دلوں کے اس شہر کی گنجان آبادی میں پرانی طرز کے بغیر فلش سسٹم کے مکان میں سسرال کے کئی خاندان مقیم تھے اسلام قبول کرنے کے باعث وہ سب کی آنکھوں کا تارا بن گئیں سب نے دیدہ و دل فرش راہ کیا عزت کی نگاہ سے دیکھا سسرال اور شوہر کی طرف سے کہیں آنے جانے میں پابندی نہ تھی، ان کے نیم عریاں لباس پر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا، وہ شوہر کے ہمراہ فلم اسٹوڈیو میں مناظر کی عکس بندی بھی دیکھنے جاتیں لیکن اس کے باوجود وہ ریڑھوں، تانگوں کی گذرگاہ میں واقع قدیم طرز کے تنگ مکان میں جہاں مشترکہ خاندانی نظام کی حکمرانی

تھی اور زندگی کی جدید آسائشیں مفقود تھیں رہنے سے بالکل انکاری تھیں انہوں نے دو تین دفعہ پاکستان سے خاموشی سے نکل جانے کی کوشش بھی کی لیکن ان کے شوہر کی بروقت مداخلت سے ان کی یہ کوشش کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی بہرحال انگلینڈ کی پُر آسائش زندگی میں واپس جانے کی تڑپ روزانہ اصرار کا روپ دھار لیتی۔ جسے وعدۂ فرد پر ٹال دیا جاتا، اسی کش مکش میں زندگی کے دس سال گذر گئے، جب اصرار نے مہیب صورت اختیار کر لی تو ان کے شوہر کو مکان کا بندوبست کرنے کے لئے انگلینڈ جانا ہی پڑا۔

دراصل فوزیہ احمد دل سے مسلمان نہ تھیں وہ اپنی والدہ کے انتقال پر سوئٹزرلینڈ گئیں آخری رسومات چرچ میں ادا ہوئیں، تو بار بار ان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا کہ وہ مسلمان تو ہیں نہیں آخر مذہب کے معاملے میں ان کا کردار کیا ہے؟ وہ پادری کے پاس گئیں اور اسے اپنی ذہنی کیفیت سے آگاہ کیا پادری نے انہیں بائبل میں درج گم شدہ بھیڑ کا قصہ سنایا کہ ایک بھیڑ گلّے سے بھٹک گئی بالآخر یہ بھٹکی ہوئی بھیڑ تلاش کے بعد مل گئی تو گلّے میں شامل ہوگئی، نیز یہ بھی وضاحت کی گئی کہ جب کسی شخص کو بپتسمہ دیا جاتا ہے تو اس پر عیسائیت کی مہر ثبت ہو جاتی ہے وہ کوئی بھی مذہب اختیار کرے عیسائی ہی رہتا ہے یہ سن کر ان کی تذبذب کی کیفیت ختم ہوگئی اور ان کے دل کو اطمینان ہوگیا کہ وہ ابھی تک عیسائی ہی کی آغوش میں ہیں۔

## قرآن پاک کی تاثیر:

دوسری طرف عالم یہ تھا کہ وہ جب کبھی ریڈیو پر یا کسی مسجد سے قرآن پاک کی تلاوت سنتیں تو ان کا دل اثر لئے بغیر نہ رہتا انہوں نے انگلینڈ میں قرآن پاک کا پکتھال کا انگریزی ترجمہ خریدا تھا۔ اسے کبھی کبھی پڑھ لیتیں گھر میں ختم قرآن کی محفل منعقد ہوئی تو انہوں نے ایک پارے کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا کسی عزیزہ کی نظر پڑھ گئی تو انہوں نے بتایا کہ قرآن مجید کی عربی میں تلاوت کی جائے، تو اس کا کئی گناہ زیادہ ثواب ملتا ہے سسرال والوں نے انہیں ایک مولوی صاحب سے کلام پاک پڑھانے کا فیصلہ کیا کلام پاک تو ختم ہوگیا لیکن نہ تو انہیں حرکات واوقاف کا علم تھا، نہ الفاظ کی ادائیگی درست نہ قلب ذوق وشوق سے آشنا ہوا۔ فوزیہ احمد کے ہمسایہ میں باجی جبین اختر رہائش پذیر ہیں

وہ ایک مخصوص شخصیت کی مالک ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب، پیغمبر اور اس کی آخری کتاب ہدایت کی محبت میں ہر دم سرشار رہتی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رب العزت نے انہیں کلام پاک کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے، اسکول میں اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دینے کے بعد پچھلے پہر وہ اپنے گھر پر بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ کے ساتھ نہ صرف ترجمہ بھی پڑھاتی ہیں بلکہ آیات قرآنی لکھواتی بھی ہیں اس طرح ہر طالبہ قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا ایک قلمی نسخہ تیار کرنے کا عظیم شرف بھی حاصل کرلیتی ہے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ تحریری ٹیسٹ بھی لیتی ہیں الفاظ کی تشریح کے لئے تختۂ سیاہ کا استعمال کرتی ہیں شفیق ایسی ہیں کہ جن بچیوں سے والدین بھی ناامید ہو چکے ہوتے ہیں وہ ان کی شفقت سے کندن بن کر ادارے سے نکلتی ہیں ان کے پاس فوزیہ احمد کے سسرالی رشتہ کی دو بچیاں قرآن کی تعلیم حاصل کرتی تھیں فوزیہ احمد نے اپنی بیٹی جو کوئین میری کالج میں جماعت ہفتم کی طالبہ تھی کو بھی ان بچیوں کے ہمراہ قرآن پاک پڑھنے کے لئے بھیج دیا، لیکن وہ اس انتظام سے مطمئن نہ تھیں بچی پر روزانہ ناراض ہوتیں کہ وہاں دو اڑھائی گھنٹے لگا آتی ہو تم بھی قرآن پاک بغیر ترجمہ کے ویسے ہی پڑھو جس طرح یہاں کے دیگر مسلمان پڑھتے ہیں اس طرح تمہاری اسکول کی تعلیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے تمہیں عرب جا کر نہیں رہنا جو تم ترجمہ سیکھ رہی ہو؟

دراصل ابھی تک فوزیہ احمد کے مقدر کا ستارہ ظلمتوں کا شکار تھا ان کے اپنے قول کے مطابق وہ منافق تھیں ایک دن اس ستارے سے تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے اور فوزیہ احمد بغیر آستینوں کا نیم عریاں لباس زیب تن کئے سراپا فریاد بنے باجی جبین اختر کے پاس پہنچ گئیں وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ میری بچی جو انگلش میڈیم اسکول میں پڑھتی ہے کا وقت ضائع نہ کریں اسے ناظرہ پڑھانے پر ہی اکتفاء کریں فرقان حمید کی شیدائی خاتون کا جواب یہی تھا کہ۔

''یہ مقدس ترین کتاب پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے میرے ارادے میں تو بغیر ترجمہ کے قرآن پاک پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کا ترجمہ سیکھے بغیر اس پر عمل کرنا ناممکن ہے اگر آپ کو ناظرہ ہی پڑھانا ہے تو کسی اور سے پڑھا لیجئے۔''

آخر باجی جبین نے انہیں قائل کر ہی لیا وہ نہ صرف بیٹی کو قرآن پاک باترجمہ پڑھانے کے لئے رضامند ہوگئیں بلکہ خود بھی ان سے اسی انداز سے کلام پاک پڑھنے کو تیار ہوگئیں۔ ان کے لئے شام کا وقت مقرر ہوا وہ نماز مغرب سے پہلے استاذ محترم کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور بعد نماز عشاء واپس آجاتیں بیٹی کو کوئین میری کالج سے اٹھا کر گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول برانڈرتھ روڈ میں داخل کروادیا۔ عزیز واقارب سٹ پٹا اٹھے کہ اتنے اچھے اسکول سے علیحدہ کر کے ایک معمولی سے اسکول میں داخلہ دلا دیا ہے لیکن جو تلاطم فوزیہ احمد کی زندگی میں آنے والا تھا اسے کون روک سکتا تھا باجی جبین کی صورت میں انہیں ایک خلیق وشفیق استاد مخلص دوست اور ہمدرد ہستی مل چکی تھیں۔ انہیں محسوس ہوا کہ جو کچھ انہوں نے مولوی صاحب سے پڑھا تھا وہ تو الفاظ کی ایسی ادائیگی تھی جو کچھ بھی نہ پڑھنے کے مترادف تھا۔

## زندگی انقلاب آشنا:

باپ، بیٹا اور روح القدس کی تثلیثی دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے توحید الٰہی اور پیامبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے سفر کا آغاز ہوا تو فوزیہ احمد کی زندگی انقلاب آشنا ہوگئی۔ کیسا انقلاب مسلسل دس سال تک قفس میں اسیر پرندے کی مانند پھڑ پھڑانے والی سراپا فریاد فوزیہ نے اب شوہر کو انگلینڈ میں لکھ کر بھیجا ''واپس آجاؤ مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں رہی میں اب پاکستان میں ہی رہوں گی''۔ اللہ کے خاص کرم سے باجی جبین نے پڑھانے کا ایسا دل نشین انداز اختیار کیا کہ حق وصداقت کا پیغام شاگرد کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا لیکن پڑھائی کے دوران وہ ہر ہر آیت پر سوال کرتیں، بحث کرتیں، نکتے اٹھاتیں۔ باجی جبین اختر فرماتی ہیں:

> ''یہ اللہ تعالیٰ ہی تھا جو میری دستگیری فرماتا اور اس کے مشکل سوالوں کا جواب مجھے سمجھاتا اور وہ میری تشریح و وضاحت سے مطمئن ہو جاتیں۔''

ابتدا میں انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ جس دل میں یسوع کی محبت اتنے سالوں سے رچی بسی ہو وہاں کسی اور کی محبت کیسے سما سکتی ہے اس وقت وہ اس حقیقت

سے نا آشنا تھیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محترمہ باجی جبین اختر نے پہلے تو ان پر یہ واضح کیا کہ دو کشتیوں کا سوار کبھی منزل آشنا نہیں ہوتا نیز ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہدایت ہی تو ہے جس نے حضرت مریم کی عزت کو بحال کیا انہیں کنواری ہونے کا اعزاز عطا کیا ورنہ عیسائی دنیا تو انہیں نعوذ باللہ یوسف نجار کے ساتھ منسوب کرتی ہے اسلام ہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح مقام کا تعین کیا ان کے پھانسی دیئے جانے کے واقعہ کی تردید کی۔ حالانکہ عیسائی ایک طرف تو انہیں مصلوب (پھانسی پر چڑھائے گئے) قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انجیل کا اعلان یہ ہے۔

''کہ جو مصلوب ہوا وہ لعنتی ہے۔''

علاوہ ازیں کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ سے قبل آنے والے تمام پیغمبروں بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ محترمہ فوزیہ احمد کو یہ بھی شکوہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے پیدائشی، نام سے محروم ہوگئی ہیں۔ انہیں فوزیہ کا مطلب بتانے کے ساتھ یہ بھی وضاحت کی گئی کہ شاید قدرت نے یہ نام اس لئے تجویز کرایا ہو کہ دنیوی واخروی کامیابی ان کا مقدر رہو۔

باجی جبین نے انہیں پہلے تین پارے ناظرہ پڑھائے، پھر انہیں انجمن حمایت اسلام کا شائع کردہ قرآنی قاعدہ پڑھایا جس سے حرکات واوقاف اور مخارج سیکھنے میں مدد ملی بعد ازآں ترجمہ سیکھنے اور قرآن پاک لکھنے کا آغاز ہوا قرآن پاک کے اعجاز اور محترم استاد کی شفقت نے ایسا ذوق وشوق پیدا کیا کہ موسم سرما اور برسات کی طوفان بارشوں کے دوران سڑک پر ایک فٹ گہرے پانی کو بھی عبور کر کے محترمہ فوزیہ احمد اپنی روح کی تشنگی بجھانے پہنچ جاتیں۔ نہ خود ناغہ کرتیں نہ بیٹی کو ناغہ کرنے دیتیں، تین سال کی قلیل مدت میں اس نومسلم خاتون نے قرآن پاک پڑھنے، اس کا ترجمہ سیکھنے اور اس

مقدس کتاب کو اپنے قلم سے لکھنے کا شرف حاصل کرلیا اور ہم مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والے ان کے گرد راہ کو بھی نہ پہنچ سکے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

ان کی بڑی بیٹی بھی اسی انداز سے قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کوئین میری کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ انہیں اپنے بچوں کو قرآن پاک حفظ کرانے کا بہت شوق ہے لہٰذا دوسری بیٹی کو جماعت پنجم سے اٹھالیا گیا قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد اس بچی نے عظیم کتاب ہدایت کی برکت سے چند ماہ کی تیاری کے بعد جماعت ہشتم کا پرائیویٹ طور پر امتحان دیا اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اور امسال جماعت دہم کے امتحان میں شریک ہوئی ہیں، اس بچی نے کسی اور خاتون سے کلام پاک حفظ کیا ہے کیونکہ باجی جبین کو صبح کے وقت سرکاری فرائض بھی سرانجام دینا ہوتے ہیں اور یہ ذمہ داری لینے سے قاصر تھیں۔

تیسری بیٹی کو ابتداہی سے مسجد میں حفظ کلام پاک کے لئے بھیج دیا گیا۔ حامل خلقِ عظیمؐ کی مسجد میں کفار ومشرکین حاضر ہوتے، بسا اوقات یہ دشمنان دین بدتمیزی پر اتر آتے، جانثاران رسالت کا خون کھول اٹھتا لیکن صبر وتحمل کی شفقت ومحبت سے وہ دشمنان حق شمع نبوت کے پروانے بن کر لوٹتے۔ لیکن آج ہماری مسجدیں معصوم بچوں کے لئے عقوبت خانے بن کر رہ گئی ہیں بچوں کو کتاب ہدایت کے متوالے بنانے کے بجائے اس سے متنفر کیا جاتا ہے یہ بچی ناشتے سے پہلے مسجد جاتی ناشتہ وہاں ہی بھیجا جاتا، گیارہ بجے گھر لوٹتی، ظہر سے مغرب تک یہ اپنی تشنگی مٹانے اور قرآن حکیم حفظ کرنے کے لئے پھر مسجد میں قیام کرتی۔ لیکن سبق یاد کرانے کے لئے مولوی صاحب اسے اور دیگر بچوں کو اتنی اذیت ناک سزائیں دیتے کہ الامان بچی کی آنکھیں انگلیوں سے اندر کی جانب دبائی جاتیں، سر کو دیوار کے ساتھ ٹکرایا جاتا، ہاتھوں کی انگلیوں کو الٹی طرف سے کلائیوں سے ملایا جاتا، اس انتہائی وحشیانہ سلوک کا انجام یہ ہوا کہ سات پارے حفظ کرنے کے بعد بچی نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا جس کا ہماری بہن فوزیہ احمد کو بہت دکھ

ہے۔ بچی نے اسکول میں داخلہ لے لیا لیکن ماں کی آرزو زندہ ہے وہ بیٹی سے حفظ کردہ پارے خود سنتی رہتی ہیں۔

محترمہ فوزیہ احمد کا بیٹا میٹرک کر چکا ہے دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اسے تیسرا بیٹا عطا کرے تو دونوں بیٹوں کو عالم دین بنائیں گی۔ غالباً ان کے پیش نظر یہ تھا کہ دونوں بھائی حصول تعلیم میں ایک دوسرے کے معاون بن سکتے ہیں اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے انہیں ایک ذہین بیٹے سے نوازا ہے۔ دعا ہے کہ رب العزت ان کی دعا کے دوسرے حصے کو بھی قبول فرمائے، اور ان کے دونوں بیٹے عمر اور عثمان اسلام کے افق پر درخشاں ستارے بن کر چمکیں اور ایسے عالم بنیں جو ہر قسم کے افتراق سے بالاتر اتحاد بین المسلمین کے علمبردار ہوں۔

محترمہ فوزیہ احمد جب سے باجی جبین کے زیر تربیت آئی ہیں، انہوں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی ایک شادی کی تقریب میں وہ وضو کر رہی تھیں مسلمان گھرانے میں جنم لینے والی ایک عزیزہ پکار اٹھیں ''محترمہ آپ کی عقل ٹھکانے ہے کیا یہاں بھی نماز پڑھوگی'' راولپنڈی سے لاہور سفر کے دوران انہوں نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''کسی کو رفع حاجت کی ضرورت ہو تو آپ بس ٹھہرا لیتے ہیں اب نماز کا وقت ہو گیا ہے آپ بس کیوں نہیں ٹھہراتے'' ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر حیرت سے ان کی طرف دیکھا کچھ فاصلے طے کرنے کے بعد ایک مسجد کے قریب بس کو کھڑا کیا اور پھر نہ صرف فوزیہ احمد خالق کائنات کے حضور سربسجود ہو گئیں بلکہ اور کئی لوگوں کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

اب یہ قابل احترام ہستی باپردہ لباس پر عربی طرز کا عبا پہنتی ہیں اور اکثر یہ سوال دھراتی ہیں کہ جن خواتین نے ان کی دیکھا دیکھی پردہ اتارا تھا اب وہ ان کی تقلید میں پردہ کیوں نہیں اپناتیں؟ وہ اپنے والدین کی عاقبت کے لئے اکثر متفکر و پریشان رہتی ہیں انہیں یقین ہے کہ اگر ان کی والدہ تک اسلام کا پیغام پہنچتا تو وہ ضرور مشرف بہ اسلام ہو جاتیں۔ کیونکہ وہ چرچ کی سیاست سے اکثر بددل رہتی تھیں، وہ والدین کی مغفرت کے لئے دعا تو نہیں کرتی کیونکہ کفار کے لئے ایسا کرنے کی ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں والدین کے لئے ایک ایسی دعا جس میں مومن و مشرک

کی کوئی تفریق نہیں مانگنے کا حکم دیا ہے لہٰذا رب الرحم ھما کما ربینی صغیرا" پڑھ پڑھ کر وہ خالق دو جہاں سے اپنے والدین کے لئے رحم کی ملتجی رہتی ہیں۔ بقول ان کے انہوں نے سوئٹزر لینڈ میں کبھی اسلام کا نام سنا ہی نہ تھا عقل محو حیرت ہے کہ ہم کب تک رفع یدین اور نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں الجھ کر آپس میں دست گریبان تبلیغ دین کے اصل فرائض سے غافل رہیں گے؟ آخر روز محشر میں اللہ تعالیٰ کے حضور جب کفر و باطل کے علم بردار ہمارے خلاف صف آرا یہ دلیل پیش کر رہے ہوں گے۔

اے رب ذوالجلال! ہم واقعی کفر و شرک کے گڑھوں میں گرے ہوئے تھے ہم آپ کی بندگی کے بجائے دوسرے سینکڑوں خداؤں کی بندگی کے جال میں پھنسے ہوئے تھے لیکن آپ کی بندگی کرنے والوں نے ہمیں آپ کے آستانے پر لانے کی کون سی کوشش کی جو بار آور نہ ہوئی۔

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہمیں روشناس کرانے کے لئے ان کی طرف سے کیا اہتمام ہوا؟ سروں پر اسلام کی دستار فضیلت باندھنے والے آپ کے یہ بندے تو خود رنگ و نسل، قوم و ملک، وطن و زبان کے تنگ حلقوں میں اسیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے تو شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی کا لبادہ اوڑھ کر ہمارے سامنے اپنے بھائیوں کے گلے کاٹے، ان کے کردار نے تو اسلام کا وہ بھیانک نقشہ پیش کیا کہ الامان ان کے باہمی اختلافات نے انہیں فرصت ہی نہ دی کہ پیام حق صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہمیں پہنچاتے آپ کی عظمت کی کبریائی کا ڈنکا بجاتے اور ہماری زندگیوں میں انقلاب برپا کرتے ذرا سوچیں اس دن کیا عالم ہوگا ہماری بے بسی کا؟

## عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور
## محترمہ فوزیہ احمد کا استقلال

یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی ہے کہ وہ آج افتراق و انتشار کا شکار اور اپنے عظیم مرتبے سے بے خبر ہے۔ خیر الامم ہونے کے ناطے اسے تو تبلیغ دین کی شمع کو فروزاں رکھنا ہے، لیکن یہ اپنے منصب سے غافل ہے۔ دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ وہ مذہب جو صرف اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا تھا اس کے پیروکاروں نے اطراف عالم میں

اپنے مشنوں اور چرچوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ مسیحیت کا کوئی بھی پیروکار اسلام قبول کرلے تو کلیسا کے بڑے بڑے ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا ہے کبھی تو انتقامی کاروائی کی جاتی ہے، اور کبھی بلیک میلنگ، ملاؤں کا ہجوم اور سختیوں کا انبوہ اگر عاشق حق کے عزم کو متزلزل نہ کرسکے تو تحریص ولالچ کا ہر حربہ آزمایا جاتا ہے۔ حق وصداقت کے سریع الاثر پیغام نے جب محترمہ فوزیہ احمد کی زندگی میں انقلاب برپا کیا تو قریبی نولکھا چرچ کے ایوانوں میں کہرام مچ گیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

مشنریوں اور پادریوں کا یہ گروہ فوزیہ احمد کی خاندانی زندگی کے باعث اسے انتقامی کاروائیوں کا شکار تو نہ بنا سکا لیکن اس نے ان کے در پر بار ہا جبہ سائی کی۔ پادری ہجوم کر کے آتے دلائل کا انبار لگاتے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے تحریص ولالچ کے تمام حربے آزماتے، لیکن اسلام کی صداقت پر یقین وایمان رکھنے والی اس مومن خاتون کے پائے استقامت واستقلال میں لغزش نہ آنے پائی، اور یہ ناقابل تردید حقیقت بھی ہے کہ جس خوش قسمت کو ایمان ویقین کی دولت حاصل ہو جائے وہ دنیا کی کسی بھی طاغوتی طاقت سے مرعوب نہیں ہو پاتا۔

نور ایمانیاں اگر دانی
لوح یونانیاں بسو زانی

کیتھی نام کی ایک عیسائی مبلغہ جس کا تعلق سوئٹزر لینڈ سے تھا اور پٹنہ میں عیسائیت کی تبلیغ کے فرائض سرانجام دے رہی تھی، کو افغان مہاجرین کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے اور انہیں ورغلانے کے لئے پشاور میں تعینات کیا گیا تو راستے میں انہوں نے فوزیہ احمد کو ملنا بھی ضروری سمجھا اور عیسائی دنیا کی اس گمشدہ بھیڑ کو واپس گلے میں لے جانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن وہ بے نیل ومرام رہیں، کیتھی نے دوران گفتگو اپنے ایک طریقۂ واردات کا انکشاف کیا کہ وہ مسلمان اساتذہ کو کسی اسکول میں اکٹھا کرلیتی ہیں اور انہیں عیسائیت کی تعلیم سے آشنا کرتی ہیں۔ محترمہ فوزیہ احمد کو حیرت ہے

کہ ہمارے علماء کرام اور ارباب اختیار کب خواب غفلت سے بیدار ہوں گے۔ کب گھر گھر جا کر غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیں گے اور مذہب سے بیگانے مسلمانوں کو اسلام سے آشنا کریں گے۔

## تبلیغ قرآن:

نولکھا چرچ کے ارباب نے ایک دن اس محترم خاتون کو کسی میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی۔ پہلے تو انہوں نے شمولیت سے انکار کر دیا لیکن بعد میں سوچا کہ کیوں نہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر باطل کے اس اجتماع کو حق وصداقت کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے رات بھر جاگ کر قرآن عزیز کی ان آیات پر نشان لگائے جن میں حضرت مریم صدیقہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ نولکھا چرچ پہنچی تو انہیں گلبرگ کی ایک کوٹھی میں عیسائیوں کے ایک اجتماع میں لے جایا گیا، اسلام کی حقانیت پر پختہ یقین رکھنے والی یہ خاتون انتہائی احترام سے قرآن پاک کو ہاتھ میں تھامے ہوئے کھڑے ہوگئیں اور آیات قرآنی کی تلاوت وترجمہ کا آغاز کیا۔ شرکاء مجلس نے شور مچا دیا کہ ہم یہاں قرآن سننے کے لئے نہیں آئے پرستار حق فوزیہ احمد اپنا فرض ادا کر چکی تھیں کوئی سنے یا نہ سنے یہ اس کا مقدر ہے۔

مشنری فوزیہ احمد کو مرتد کرنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے فلم سازی سے وابستہ ان کے شوہر کو آزمانے کی کوشش کی ایسے وسائل مہیا کرنے کی تحریص دی جس سے وہ فلمی دنیا کی معراج کو پہنچ جائیں گے آخر تنگ آ کر انہوں نے جواب میں یہ فرمایا کہ تم جس کے پیچھے یہاں آئے ہو وہ سلیم الفطرت خاتون تو اسلام میں جذب ہو چکی ہے اگر کر سکتے ہو تو مجھے (نعوذ باللہ) اپنے کیمپ میں لے جاؤ، یاد رہے کہ یہ جملہ محض از راہ تفنن وطنز تھا۔

## دلی تمنا:

محترمہ فوزیہ احمد کی دلی تمنا ہے کہ ان کے اکلوتے بھائی، بڑی بہن اور بہنوئی مشرف بہ اسلام ہو جائیں اس سلسلہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تقلید میں وہ انہیں بذریعہ تحریر دعوت حق وصداقت دے چکی ہیں اور اس وقت کی بے تابی سے منتظر ہیں،

جب ان کے یہ عزیز دامن اسلام میں پناہ لے کر دولت ایمانی سے سرشار ہوں گے۔

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

بچپن سے پھولوں کی یہ شیدائی خاتون جب پھولوں کو دیکھتی ہیں تو جنت کے دل کش مناظر میں کھو جاتی ہیں ان کی تقاریر کا موضوع بھی جنت ہوتا ہے وہ اپنے سامعین کو یاددہانی کراتی ہیں کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا واقعی وہ جنت میں جانے کے مستحق ہیں۔

انگلینڈ واپس جانے کی خواہش فوزیہ احمد کے دل سے حرف غلط کی طرح مٹ چکی ہے بلکہ وہ اپنے بچوں کو مغرب کی مادر پدر آزاد فضا میں کسی صورت بھی نہیں بھیجنا چاہتیں۔ وہ اپنے سسرال کے مکان ہی میں رہائش پذیر ہیں ان کے حصے کا واحد کمرہ دن کے وقت ڈرائنگ روم اور رات کے وقت بیڈ روم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ قناعت پسند خاتون اپنے آٹھ بچوں کے ہمراہ اسی پر قانع ہے۔ انہوں نے کمال سلیقہ سے اپنے پورشن کو آرام دہ تو بنالیا ہے لیکن ان کی یہ شدید آرزو ہے کہ ان کے شوہر فلمی دنیا کو خیرباد کہہ کر کوئی ایسا کاروبار شروع کریں جس میں رزق حلال کی خیر و برکت ہو اور وہ اپنا علیحدہ کشادہ مکان خرید سکیں اور بچوں کو اپنے حسب منشا تربیت کر سکیں۔

اعتکاف کے دوران وہ اللہ کے حضور ایک کشادہ مکان کے لئے ملتجی تھیں کہ انہیں فوراً خیال آیا کہ حضرت آسیہ کے خیال کی پرواز کتنی بلند تھی وہ تو مالک الملک سے اپنی ضروریات بیان کرتیں تو پکار اٹھتیں:

﴿رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة﴾

''اے رب کائنات جنت میں اپنے قریب میرے لئے گھر بنائیں''

حضرت آسیہ کے مقصد حیات کا خیال آتے ہیں شاید ہماری اس سعادت و فلاح کے دامن سے وابستہ عزیز بہن کی دعا ادھوری رہ گئی ہو لیکن آیئے ہم سب معبود حقیقی کے سامنے سراپا التجا بن جائیں اور دعا کریں کہ وہ اس نیک خاتون کو دنیا و آخرت میں دل کشا، کشادہ رہائش گاہ سے نوازے اور ان کے بچوں کو ان کی آرزو کے مطابق حق و صداقت کے علمبردار بنائیں۔ آمین

محترمہ فوزیہ احمد اب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال لیتی ہیں اور اپنے استاد محترم سے تجوید کے اصول سیکھ رہی ہیں، بعض اوقات مغرب سے عشاء تک کی نشست میں بچوں کو قرآن پاک باترجمہ بھی پڑھا دیتی ہیں۔ پنجابی اتنی خوبصورتی سے بولتی ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ جنم جنم سے پنجابی ہیں، ہماری تمام تر خامیوں کے باوجود وہ مسلم معاشرے ہی میں رہنا پسند کرتی ہیں کاش ہم ان کی توقعات پر پورا اتر سکیں۔ انہیں تشہیر بالکل بھی پسند نہیں لہذا کئی دفعہ کی التجا کے بعد یہ مختصر سے حالات صفحۂ قرطاس پر لانے کی اجازت ملی ہے ہوسکتا ہے کہ انہیں پڑھ کر کوئی غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے، کوئی گم کردہ راہ صراط مستقیم کو پالے۔

**سابقہ نام**: کیتھرین بلاک　　**سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**:　　**ملک کا نام**: کینیڈا

# کینیڈا کی سائنس کی طالبہ کے قبول اسلام کا واقعہ

کیتھرین بلاک کینیڈا کی ٹورانٹو یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کی طالبہ ہیں اور پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے صرف بارہ گھنٹے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کی، تو ایک نئے احساس اور تجربے سے دوچار ہوئیں ..... اپنے اس تاثر کو انہوں نے خوبصورت ادبی انداز میں قلم بند کر دیا ..... ان کی اصل انگریزی تحریر ٹورانٹو کے ISLAMIC VOICE میں شائع ہوئی جہاں سے اسے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی دعوہ اکیڈمی کے انگریزی ماہانا جریدے ''دعوہ ہائیلائٹس'' نے اخذ کیا (شمارہ جون ۱۹۹۶ء) اردو میں اس کا ترجمہ جسٹس ملک غلام علی مرحوم کی لائق نواسی حمیرا اسلمی نے کیا ہے ان کے شکریے کے ساتھ نذر قارئین ہے۔

میں یہاں نیچے کیا کر رہی ہوں؟ میں حیران ہوں، میری ناک اور میری پیشانی فرش کی جانب دبئے ہوئے ہیں جب کہ میں سجدہ کی حالت میں نماز میں جھکی ہوئی ہوں۔ میرے گھٹنے درد کرتے ہیں میرے بازو کے پٹھے کھنچے جاتے ہیں کیونکہ میں اپنے ماتھے پر دباؤ کو کم کرنا چاہتی ہوں۔ میں اس شخص کے عجیب وغریب، نامانوس کلمات سنتی ہوں جو مجھ سے آگے نماز ادا کر رہا ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے اور وہ جانتے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں اگرچہ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی اس وجہ سے میں اپنے الفاظ کو خود ترتیب دیتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ اللہ مجھ پر رحم فرمائے گا میں جو صرف بارہ گھنٹے قبل مسلمان ہوئی ہوں اللہ مہربان ہوگا۔

اچھا اللہ تعالیٰ! میں نے اسلام اس لئے قبول کیا کہ میں آپ پر یقین رکھتی ہوں اور اس لئے کہ اسلام میرے لئے کوئی معنی ومفہوم رکھتا ہے، میرے ذہن کو متاثر کرتا ہے، کیا میں نے صرف یہ کہا تھا ؟ میں یاد کرتی ہوں تو اپنے آپ کو رقت میں ڈوبا

ہوا پاتی ہوں۔ میرے دوست کیا کہیں گے اگر انہوں نے مجھے اس طرح دیکھ لیا......
سجدہ میں، ناک زمین کے ساتھ دباتے ہوئے......؟ وہ سب مجھ پر ہنسیں گے۔''کیا تم نے اپنا ذہنی توازن کھو دیا ہے؟'' وہ مجھ سے پوچھیں گے''تم سنجیدگی کے ساتھ نہیں بتا سکتیں کہ تم ایک مذہبی عورت ہو!''

''مذہبی عورت'' میں کبھی ایک پرمسرت غور وفکر کرنے والی دہریہ تھی میں ایک ایمان رکھنے والی اور ایک مسلمان میں کیسے تبدیل ہوگئی؟ میں اپنے آپ سے سوال کرتی ہوں میں اپنے ذہن کو ماضی کی طرف موڑتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ ایک طوفانی دورہ کی شکل میں اپنے اس تمام سفر میں سے گزروں۔ لیکن یہ سب کہاں سے شروع ہوا؟

ہوسکتا ہے کہ یہ سب تب شروع ہوا ہو جب میں پہلی بار باعمل مسلمان سے ملی تھی۔ یہ ۱۹۹۱ء میں کوئینز یونیورسٹی کنگسٹن، اونٹاریو، کینیڈا کا ذکر ہے...... میں ایک کشادہ ذہن کی، متحمل و بردبار،، آزاد خیال عورت تھی جس کی عمر ۲۴ سال تھی۔ میں مسلمان عورتوں کو انٹرنیشنل سینٹر میں چلتا پھرتا دیکھتی اور مجھے ان پر افسوس ہوتا...... میں جانتی تھی کہ وہ مجبور ہیں، میرے دکھ میں اضافہ ہو جاتا تھا جب میں ان سے پوچھتی تھی کہ وہ اپنے بال کیوں ڈھانپتی ہیں؟ وہ گرمیوں کے موسم میں بھی طویل آستینوں والی قمیض کیوں پہنتی ہیں؟ ان کے ساتھ مسلمان ممالک میں اتنا بُرا سلوک کیوں کیا جاتا ہے اور وہ مجھے بتاتیں کہ وہ نقاب اس لئے اوڑھتی ہیں اور اس طرح کا لباس اس لئے پہنتی ہیں کیونکہ اللہ نے ان سے ایسا کرنے کے لئے کہا ہے۔ بے چاری عورتیں...... ان کے ساتھ مسلمان ممالک میں جو سلوک ہوتا ہے اس کے بارے میں وہ کیا کہتی ہیں؟''یہ کلچر ہے'' وہ جواب دیں گی۔

میں جانتی ہوں کہ وہ گمراہ ہیں، جن کو معاشرے کے رنگ میں ڈھال لیا گیا ہے اور جن کی برین واشنگ ابتدائی عمر سے ہی کی گئی ہے تا کہ وہ عورتوں کے ساتھ اس قدر ظالمانہ سلوک کئے جانے پر عقیدہ کو مضبوط کرلیں...... لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کس قدر خوش ہیں، وہ کس قدر مشفق ہیں، اور وہ کس قدر مضبوط دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے مسلمان مردوں کو انٹرنیشنل سینٹر کے گرد گھومتے پھرتے دیکھا، وہاں ایک آدمی لیبیا سے بھی تھا جو دہشت گردوں کی سرزمین ہے، میں کانپتی تھی جب کبھی ان کو دیکھتی تھی

کہ کہیں وہ خدا کے نام پر میرے ساتھ کچھ کر نہ گزریں۔ میں اس تصور کو ذہن میں تازہ کرتی جوئی وی پر عرب مردوں کے جھگڑالو ہجوموں کو صدر بش کے پتلے جلاتا دیکھ کر پیدا ہوا تھا......... وہ یہ سب خدا کے نام پر کر رہے تھے......... ان کا خدا کیا ہے میں سوچتی......... بے چارے کیا وہ پھر بھی خدا پر یقین رکھتے ہیں......... میں مزید سوچتی......... میں جو اس سچ میں ہے خود کو محفوظ ترین تصور کرتی کہ اللہ ہم کمزور انسانوں کی صفات رکھنے والا کوئی مجسم پیکر ہے لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کس قدر مدد کے جذبے سے سرشار ہیں میں نے ان میں سکون کی ایک لہر محسوس کی۔

ان کا عقیدہ کیسا ہوگا میں نے سوچا۔ مگر اس نے مجھے متذبذب کر دیا، میں قرآن پڑھ چکی تھی اور اس کے بارے میں کوئی خاص چیز نہیں تلاش کر پائی تھی۔ یہ خلیج کی جنگ چھڑنے سے پہلے کی بات ہے یہ کس قسم کا خدا ہے جو مردوں کو جنگ پر جانے پر اکساتا ہے ایک دوسرے ملک کے معصوم شہریوں کو قتل کرنے کے لئے عورتوں کی بے حرمتی کرنے کے لئے، امریکہ کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ بہتر ہوگا میں اس مقدس کتاب کا مطالعہ کروں جس کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر چل رہے ہیں۔ میں نے پینگوئن کلاسک کا مطالعہ کیا جو یقیناً ایک قابل اعتماد کتاب ہے، اور میں اس کو ختم بھی نہ کر پائی کیونکہ میں نے اسے سخت ناپسند کیا تھا۔ اس میں ایک ایسی حیثیت کا ذکر تھا جس میں نیکوکاروں کے لئے کنواری عورتیں تھیں (سوال یہ ہے کہ ایک نیکوکار عورت کو جنت میں ایک کنواری عورت کے ساتھ کیا کام ہے؟) اس میں ایک خدا کا ذکر تھا جو ایک ضرب سے پورے کے پورے شہر کو تباہ کر رہا تھا۔ میں کوئی تعجب نہیں (اگر ان سب باتوں کو دیکھا جائے جو خدا سے منسوب تھیں) کہ عورت کو مظلوم، مجبور بنا دیا گیا تھا اور یہ مذہبی جنونی جو امریکہ کے جھنڈے کو آگ لگانے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں میں نے سوچا۔ لیکن میں جن مسلمانوں سے اس کا ذکر کرتی وہ حیران رہ جاتے ان کا قرآن ان باتوں کو اس انداز سے نہیں کہتا تھا، شاید میرے پاس ایک غلط ترجمہ والا قرآن آ گیا تھا.........؟

اچانک وہ شخص جو نماز پڑھ رہا تھا اور میں جس کی اقتدا کر رہی تھی کھڑا ہو جاتا ہے میں بھی کھڑی ہو جاتی ہوں میرے پاؤں اس لمبی اسکرٹ میں جو میں پہنے ہوئے

ہوں الجھ جاتے ہیں اور میں تقریباً لڑکھڑا جاتی ہوں۔ میں ناک سے سوں سوں کر کے آواز نکالتی ہوں جب کہ اس طرح سانس لینے کے لئے اور ان میں آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی ہوں مجھے اللہ سے دعا مانگنے پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے۔ پیارے خدا، میں یہاں اس لئے ہوں کہ میں آپ پر یقین رکھتی ہوں اور کیونکہ عیسائیت، یہودیت اسلام، ہندوازم، سکھ ازم اور بدھ ازم کی میری ریسرچ کے دوران اسلام نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ جھکنے کی حالت میں جب کہ میرے ہاتھ میرے گھٹنوں پر ہیں میں اپنے آپ کو یقین دلانے کی شدید ترین کوشش کرتی ہوں۔ اللہ، از راہ کرم مجھے ایک اچھا مسلمان بننے میں مدد عطا فرما۔ ایک مسلمان.........! کیتھی کبھی بھلا تم اچھی مسلمان کیسے ہو سکتی ہو.........؟ ایک سفید فام مغربی عورت جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، ایک ایسے مذہب کی جانب مائل ہو جائے جو اپنی عورتوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا دیتا ہے، لیکن لنگستن کے مسلمان میرے دوست بن گئے ہیں میں احتجاج کرتی ہوں، انہوں نے بغیر کسی سوال کے مجھے اپنے معاشرے میں گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ میں یہ بھول گئی کہ وہ مجبور ہیں اور دہشت گرد ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرے سفر کا نقطہ آغاز ہے لیکن میں اب بھی ایک دہریہ ہوں یا کیا میں واقعی ہوں؟ میں نے تاروں بھری راتوں میں دیکھا تھا اور کائنات پر غور کیا تھا، ہیروں جیسے ستارے جو سیاہ آسمان پر چمک چمک کر مجھے پر اسرار پیغامات بھیجتے تھے، میں نے خود کو اپنی ذات سے زیادہ بڑی کسی شے سے مربوط پایا۔ کیا یہ ایک اجتماعی انسانی احساس تھا؟ امن اور سکون ستاروں کے ذریعے مجھ تک بہتا ہوا آتا ہے، کیا میں اپنے آپ کو اس احساس سے تہی کر سکتی تھی اور اعلان کر سکتی تھی کہ کوئی بالاتر وجود نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بالاتر احساس ہے؟

کیا آپ نے کبھی بھی اللہ کے وجود کے بارے میں شک نہیں کیا ہے؟ میں اپنی عیسائی اور مسلمان عقیدہ رکھنے والی دوستوں سے پوچھتی؟ نہیں وہ جواب دیتیں، نہیں نہیں یہ بات مجھے پریشان کر دیتی۔ کیا خدا اتنا زیادہ واضح اور نمایاں ہے؟ پھر ایسا کیسے ہوا کہ میں خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ مجھے اپنے تصور کا بے حد پھیلا ؤ محسوس ہوتا، دور وہاں ایک وجود ہو جو میرے طرز زندگی کو متاثر کر رہا ہو، خدا کھربوں انسانوں کو دعائیں مانگتے ہوئے کیسے دیکھ اور سن رہا ہے، اور انسان کی زندگی کے ایک ایک سیکنڈ

کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے؟ یہ ناممکن ہے، اور دنیا میں ناانصافی کا اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ موجود رہنا؟ بچے جو جنگوں میں مر رہے ہیں، یہ ایک انصاف پسند، اچھے خدا کے وجود کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔

ہم دوبارہ جھکتے ہیں اور یہ میں ہوں جو ناک سے سوں سوں کی آواز نکل رہی ہے اور اطراف میں اپنی انگلیوں کو اپنی نئی جائے نماز پر دیکھ رہی ہوں، مجھے اپنی جائے نماز پسند ہے، اس کا ایک مخملی سا احساس ہے اور چند رنگ جو میرے پسندیدہ ہیں ایک کاسنی مسجد جس کے پس منظر میں سبز رنگ ہے، اس پر ایک راستہ بھی ہے جو ایک سیاہ دروازے کی جانب رہنمائی کرتا ہے جو کہ ایک مسجد میں داخلہ کے لئے ہے اور یہ مجھے بلا رہا ہے مسجد کے اندر جانے کا راستہ سچائی لئے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ یہ مغالطے میں ڈالنے والا بھی مگر ہے تو بھی میں خوش ہوں کہ اس راستے نے مجھے بلایا ہے جب میں بہت چھوٹی تھی تب میرے پاس دنیا کی ایک پوری تصویر معمہ کی شکل (Jigsaw) میں تھی۔ یہ ادھر ادھر بکھر گیا کسی طرح۔ میں جب میں گریجویشن سے پہلے اپنی تعلیم کے تیسرے اور چوتھے سال میں تھی۔ لنگسٹن میں میں نے خود کو یاد دلایا کہ کبھی میں ایک باقاعدہ چرچ جانے والی تھی، کسی حد تک شرمندہ، کیونکہ میں جانتی تھی کہ مذہبی لوگ ٹھنڈے، نرم خو، پر کشش، اکتا دینے والے اور فرسودہ لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت خدا مجھے واضح طور پر دکھائی دیتا تھا کائنات بے مقصد تھی اگر اس کا ایک ایسا پیدا کرنے والا نہ ہو اور جسے مطلق العنان بھی ہونا چاہیئے۔ چرچ سے نکلتے ہوئے میرے پاس ہمیشہ ایک ہلکا پھلکا خوشی کا احساس ہوتا تھا میں نے اس احساس کے کم ہو جانے کے نقصان کو محسوس کیا، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرا خدا سے کبھی جو ایک تعلق تھا دوبارہ بحال ہو جائے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ میرے سفر کا آغاز ہو؟ میں نے دوبارہ دعا کی کوشش کی مگر اس کو غیر معمولی طور پر مشکل پایا۔ عیسائیوں نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ جو خدائے یسوع مسیح علیہ السلام پر یقین نہیں رکھتے، جہنم میں ڈالے جائیں گے، مگر ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سنا تک نہیں؟ یا وہ لوگ جو اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں اور عیسائی معاشرہ تاریخی طور پر یہ دعویٰ کرتا آ رہا تھا کہ عورتیں کمتر ہیں، اس وجہ سے کہ یہ عیسائیت ہی بتاتی تھی کہ یہ حضرت حوا علیہ السلام کی سز

اتھی۔ عورتوں کو تعلیم سے منع کر دیا گیا تھا، ووٹ دینے سے بھی اور زمین کی ملکیت حاصل کرنے سے بھی۔

عیسائی عقائد کے مطابق خدا ایک بارعب شخص تھا جس کی لمبی سفید داڑھی تھی میں اس سے بات نہیں کر سکتی تھی، میں عیسائیت کی پیروی نہیں کر سکتی تھی اس لئے کہ معنوی طور پر خدا کا کوئی وجود ہی نہ تھا، مگر پھر میں نے عورتوں کے حقوق کے علمبرداروں کو دیکھا جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور عیسائی عورتوں کو جو حقوق نسواں کی علمبردار تھیں اور مسلمان عورتوں کو جو اسلام میں یقین رکھتی تھیں میں نے دعا مانگنا شروع کر دی اور خود کو ایک سابقہ عیسائی، حقوق نسواں کی علمبردار ایمان رکھنے والی قرار دیا۔ میں نے وہی ہلکا پھلکا سا احساس دوبارہ محسوس کیا، ہوسکتا ہے کہ خدا کا وجود ہو میں نے احتیاط کے ساتھ اپنی زندگی کے واقعات کا جائزہ لینا شروع کیا اور اندازہ کیا کہ اتفاقات اور قسمت میرے لئے خدا کے انعامات تھے لیکن میں نے نہ کبھی ان کو محسوس کیا اور نہ خدا کا شکر ادا کیا، میں حیران ہوں کہ خدا اس قدر مہربان ہے اور اس کی مہربانی اور کرم نوازی میں فرق نہیں آتا لیکن میں بے وفا ہوں۔

میرے کان اور پاؤں خوشگوار سی سنساہٹ کی زد میں ہیں جو دھونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی دھلائی ہے جو مجھے پاکیزہ بناتی ہے اور مجھے نماز میں خدا تک پہنچنے کی اجازت دیتی ہے۔ خدا........ جو ایک بارعب دیوتا ہے مجھے خوف، حیرت اور امن کا احساس ہوتا ہے از راہ کرم مجھے راستہ دکھائیں مگر یقیناً آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا بہت پیچیدہ ہے، بہت زیادہ خوبصورت ہے اور اسی قدر متوازن بھی ہے کہ اسے حادثہ قرار دینا مشکل ہے یا یہ ارتقائی قوتوں کا اندھا نتیجہ ہو؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ سائنس بھی اللہ پر عقیدہ رکھنے کی جانب مائل ہو رہی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ سائنس نے کبھی بھی اسلام سے اختلاف نہیں کیا؟ میں اپنی تصوراتی عدالت کی بدولت اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہوں کیا انہوں نے ان چیزوں پر ریسرچ نہیں کیا ہے؟ شاید یہ سب سے زیادہ فیصلہ کن راستہ تھا میں نے ریڈیو پر ایک ماہر طبیعات کا انٹرویو سنا تھا جو یہ وضاحت کر رہا تھا کہ کیسے جدید سائنس نے انیسویں صدی کے مادی مفروضات کو بہت پہلے ترک کر دیا تھا اور جو سائنسی طور پر اس نظریہ یا رائے کا قائل تھا کہ بہت سے واقعات

ایسے رونما ہوئے جو بے معنی تھے اور مبہم تھے اگر ان سب کے پیچھے ذہانت اور کوئی مقصد یا ارادہ کارفرما نہ ہوتو؟ درحقیقت سائنسی تجربات طبعی اشیا کا محض جامد مشاہدہ نہ تھے۔ مشاہدہ نے اس راستے کو ہی بدل ڈالا جس پر طبعی واقعات کا سلسلہ رونما ہو رہا تھا اور اس سے پتہ چلتا تھا کہ ذہانت ہی کائنات کا انتہائی بنیادی عنصر ہے، میں نے اور زیادہ مطالعہ کیا میں نے دریافت کیا کہ صرف انتہائی شدت کے ساتھ جدوجہد کرنے والے ماہرین بشریات جو مانے کے لئے تیار ہی نہ تھے ابھی تک ارتقاء کی تھیوری پر یقین رکھتے تھے اگرچہ کوئی بھی اس کو باآواز بلند اس لئے نہیں کہہ رہا تھا کہ اس کو اپنی ملازمت کے چلے جانے کا خطرہ تھا۔ میرا معمہ (Jigsaw) ادھر ادھر بکھرنا شروع کر رہا تھا۔

اچھا آپ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ خدا موجود ہے۔ آپ اس طرح واحد عقیدہ پر ایمان رکھنے والے بن گئے، لیکن عیسائیت بھی تو عقیدہ واحد پر ایمان لانے کا نام ہے، یہ تمہارا ورثہ ہے اس کو کیوں ترک کریں؟ ابھی تک یہ سوال کرنے والے متذبذب ہیں۔ لیکن تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ ان سب میں سے سب سے زیادہ آسان سوال ہے جواب دینے کے لئے۔ میں مسکراتی ہوں، میں نے جان لیا کہ کس طرح قرآن سائنس کی مخالفت نہیں کرتا جب کہ بائبل ایسا کرتی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ بائبل کی کہانیاں لفظ بہ لفظ پڑھوں مگر میں نے پتہ چلایا کہ میں ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ سائنسی حقائق بائبل کے بیانات کے خلاف تھے مگر سائنس کے حقائق قرآن کے بیان سے اختلاف نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ سائنس قرآن کی اب تک ناقابل وضاحت آیات کی تصدیق بھی کر رہی ہے۔ یہ حیران کن تھا، ایک آیت تھی کہ کس طرح پانی تازہ پانی کے دریاؤں سے جو بہتے ہوئے سمندر میں جاگرتے ہیں سمندر کے کھارے پانی سے نہیں ملتا تھا۔ آیات جو پیدائش کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتی ہیں وہ آیات جو سیاروں کے مداروں کا حوالہ دیتی ہیں ساتویں صدی کے سائنس دان ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اس قدر منفرد انداز کے ذہین اور عقلمند ہو گئے؟

میرا ذہن مجھے قرآن کی جانب کھینچتا تھا مگر میں نے مزاحمت کی میں نے دوبارہ چرچ جانا شروع کردیا اور تقریباً ہر بار اپنے آپ کو آنسوؤں میں ڈوبا ہوا پایا۔ عیسائیت میرے لئے مشکل بنتی جارہی تھی اتنی زیادہ کہ میرے لئے اس میں اب کوئی

مفہوم باقی نہ رہا تھا تین خداؤں کا عقیدہ، یہ عقیدہ کہ خدا درحقیقت عیسیٰ کی شکل میں تھا۔ حضرت مریم علیہ السلام کی عبادت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت نہ کہ خدائے واحد کی، پادریوں نے مجھے بتایا کہ جب خدا کی ذات پر غور وفکر کروں تو عقل کو پس پشت ڈال دوں، تین خداؤں کا عقیدہ یا تثلیث مبہم تھا اور نہ اس کے مفہوم کی کوئی ضرورت تھی، میں نے مزید گہرائی تک کھوج لگایا آخر کار میں اپنا کلچر کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ اپنا ورثہ، اپنا خاندان؟ کوئی نہیں سمجھے گا اور مین تنہا رہ جاؤں گی۔ میں نے ایک اچھی عیسائی بننے کی کوشش کی، میں نے مزید علم حاصل کیا.......... میں نے دریافت کیا کہ ایسٹر کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے دوسو سال بعد شروع کیا گیا، یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا کے وجود کی تجسیم ہیں، بلکہ اکثر یہ کہا کہ وہ انسان کی اولاد ہیں، یہ کہ تثلیث کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تین سو سال بعد قائم ہوا، یہ کہ فیقیائی عقیدہ جس کو میں ایمانداری کے ساتھ ہر ہفتہ دہراتی تھی۔ ہر لفظ پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، انسانوں ہی کے ہاتھوں سے لکھا گیا تھا، ایک سیاسی میٹنگ کے دوران تاکہ اقلیت کے نظریہ کو جس کے مطابق عیسیٰ خدا کے بیٹے قرار پائے تھے کو مصدقہ بنایا جاسکے اور اکثریت کا نظریہ ''حضرت عیسیٰ اللہ کے پیغمبر تھے'' ہمیشہ کے لئے ترک کردیا گیا۔ مجھے سخت غصہ تھا چرچ نے مجھے یہ سب باتیں کیوں نہیں سکھائیں؟ اچھا میں جانتی ہوں کہ ایسا کیوں ہوا؟ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت کہیں اور جا کر بھی کرسکتے ہیں اوران کی عبادت واقعی ان کے لئے کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ میں صرف ایک خدا کی عبادت کروں گی نہ کہ تین کی، نہ مقدس باپ کی نہ بیٹے کی، اور نہ روح القدس کی، نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدا کے طور پر، نہ ہی بزرگوں کی اور نہ مریم کی۔ کیا محمد واقعی اللہ کے رسول ہوسکتے ہیں؟ کیا قرآن اللہ کا کلام ہوسکتا ہے؟ میں نے قرآن پڑھنا جاری رکھا اس نے مجھے بتایا کہ حضرت حوا تنہا زمین پر اتارے جانے کی ذمہ دار نہیں تھیں، یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر تھے، یہ کہ ایمان نہ لانے والے مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے ہنسیں گے کہ لوگ محمدؐ کے نزول وحی کے دعویٰ پر سوال اٹھائیں گے۔ یہ سچ دکھائی دیتا تھا۔ اسلام مجھے کہتا تھا کہ خدا کو سمجھنے کے لئے میں اپنی عقل کا استعمال کروں، یہ علم حاصل کرنے کے لئے میری حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ جو

کوئی بھی خدائے واحد پر ایمان لائے گا (یہودی، عیسائی، مسلمان یا جو کوئی بھی) وہ انعامات حاصل کرے گا۔ یہ بہت ہمہ گیر مذہب دکھائی دیا۔

ہم دوبارہ کھڑے ہوتے ہیں اور ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں، پھر دوبارہ نیچے جھکتے ہیں، آرام کی حالت میں ہمارے ہاتھ ہمارے گھٹنوں پر ہیں، میں خدا کو اور کیا کہہ سکتی ہوں؟ مجھے کہنے کے لئے اور کچھ زیادہ سجھائی نہیں دے رہا، دعا بہت طویل لگ رہی ہے، میں آہستہ سے سانس باہر نکالتی ہوں، ابھی تک سوں سوں کر رہی ہوں۔ کیونکہ کھڑے ہونے، جھکنے اور پھر کھڑے ہونے سے میری سانس پھول گئی ہے، کیا تم سنجیدگی سے سوچ رہی ہو کہ میں ایک ایسے مذہب میں بخوشی داخل ہو جاؤں، جو مجھے ایک دوسرے درجہ کا شہری بنا دے؟ میں اپنے سوال کرنے والوں سے مطالبہ کرتی ہوں، تم جانتے ہو کہ مسلمان ممالک میں عورتوں کی بہت تذلیل کی جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے مغرب میں مگر یہ سچے مسلمان نہیں ہیں اور پردہ کو مسئلہ نہ بناؤ، کیا تم نہیں جانتے کہ عورتیں حجاب اوڑھتی ہیں محض اس وجہ سے کہ خدا ان سے ایسا کرنے کے لئے کہتا ہے؟ کیونکہ وہ اللہ کے احکامات پر یقین رکھتی ہیں، تاہم مجھ میں حجاب لینے کی ہمت کیسے پیدا ہوگی؟ شاید میں نہ لوں گی، لوگ مجھ پر گھوریں گے، میں نمایاں ہو جاؤں گی، اس کی بہ نسبت میں مجمع میں چھپ جاؤں گی جب کبھی باہر نکلوں گی، میرے دوست کیا کہیں گے جب وہ مجھے اس میں دیکھیں گے؟ یا اللہ میری مدد کر۔

میں تبدیلی کے کنارے پر کئی مہینوں تک کھڑی رہی، میرا ذہنی بحران ہر روز بڑھتا جا رہا تھا، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اپنی پرانی زندگی کو چھوڑ دوں اور ایک نئی زندگی شروع کروں، لیکن میں واضح طور پر مجمع میں حجاب کے ساتھ نہیں جا سکوں گی، لوگ مجھے گھوریں گے، میں اس شاخوں والے راستہ پر کھڑی تھی جہاں خدا نے مجھے اپنی مدد سے پہنچایا تھا۔ میرے پاس نیا علم تھا، جو میری عقل کے ساتھ با آسانی مطابقت رکھتا تھا کیا میں اپنے ایمان کی پیروی کروں یا پرانی طرز پر قائم رہوں؟ میں کیسے رہ سکتی ہوں جب کہ نئی زندگی کے بارے میں میرا نظریہ مختلف ہے؟ میں کیسے تبدیل ہو سکتی ہوں جب کہ یہ قدم میرے لئے بہت بڑا ہے؟ میں دوبارہ پڑھوں گی، تبدیلی مذہب کے کلمات کو ''کوئی خدا نہیں ہے مگر خدائے واحد، اور محمدؐ اس کے نبی ہیں'' آسان الفاظ میں، اور

میں ان میں یقین رکھتی ہوں اس وجہ سے میں اپنا مذہب تبدیل کر رہی ہوں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی، میں مزاحمت کرتی ہوں۔ میں ایک کے بعد ایک دن چکر لگاتی رہی خدا شاخوں والے راستے کے ایک راستہ پر کھڑا تھا اپنا پاؤں زمین پر مارتے ہوئے آہستگی کے ساتھ............ کیتھی آجاؤ! میں تمہیں یہاں تک لایا ہوں مگر یہ راستہ تمہیں خود ہی عبور کرنا ہے تنہا اپنے طور پر میں ساکت کھڑی رہی اس کینگرو کی مانند جو رات گاڑیوں کی روشنیوں میں ٹھٹکا ہوا پڑا ہو۔ پھر ایک رات شاید خدا ہی نے مجھے آخر زوردار جھٹکا دیا، میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک مسجد سے گزر رہی تھی مجھ میں ایک ایسا شدید احساس تھا کہ میں اس کو برداشت نہ کر سکی۔

اگر تم نے اب مذہب نہ بدلا تو تم کبھی ایسا نہ کر سکو گی۔ میرے اندر کی آواز نے مجھے بتایا، میں جانتی تھی کہ یہ سچ تھا ٹھیک ہے میں ایسا کروں گی اگر انہوں نے مسجد کے اندر آنے دیا میں ایسا کروں گی۔ مگر وہاں کوئی تھا ہی نہیں، میں نے کلمۂ شہادت درختوں کے نیچے مسجد سے باہر پڑھا میں نے انتظار کیا، میں نے انتظار کیا بجلی کے کسی کوندے کا، میں نے انتظار کیا اطمینان کے فوری احساس کا، اپنے اوپر سے بوجھ ہٹ جانے کے احساس کا، مگر ایسا نہ ہوا۔ میں اب بھی پہلے جیسی ہی تھی اب ہم دوبارہ جھکے ہوئے ہیں دنیا یہاں نیچے سے بہت مختلف دکھائی دیتی ہے حتیٰ کہ مشہور فٹ بال کے کھلاڑی اس طرح زمین کے بل گرا کرتے ہیں میں یاد کرتی ہوں، اپنے حجاب کی جھالر کے پھولوں کے اطراف کو دیکھتے ہوئے جو جائے نماز پر گر پڑتے ہیں ہم سب ایک جیسے ہیں اور یکساں طور پر خدا کے آگے عاجزی کے ساتھ جھکے ہوئے۔ اب ہم سیدھے بیٹھ رہے ہیں میری نماز کا امام اب بھی کچھ بول رہا ہے، اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو ہوا میں لہراتے ہوئے میں دوبارہ اپنے مصلے کی طرف دیکھتی ہوں، سبز، کاسنی اور سیاہ رنگ جو میرے مصلے پر ہیں قابل یقین حد تک ویسے ہی ہیں مسجد کی جانب راستہ کی سیاہی مجھ سے ملتجی ہوتی ہے ''میں یہاں ہوں'' بس تم خود کو مطمئن کر لو، تو تم مجھے پالو گی'' میرے آنسو میرے چہرے پر خشک ہو گئے ہیں اور جلد سخت محسوس ہوتی ہے میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟ اے پیارے خدا میں یہاں اس لئے ہوں کیونکہ آپ پر یقین رکھتی ہوں، کیونکہ میں قرآن کے متاثر کن و شاندار الفاظ پر ایمان رکھتی ہوں، اور کیونکہ میں آپ کے

پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتی ہوں، میں اپنے دل میں جانتی ہوں کہ میرا فیصلہ درست ہے، مہربانی فرما کر آپ مجھے ہمت عطا فرمائیں کہ میں اپنی اس نئی ذات اور نئی زندگی کو لے کر آگے بڑھ سکوں، تاکہ میں مضبوط ایمان کے ساتھ آپ کی بہترین خدمت کرسکوں۔ میں مسکراتی ہوں اور کھڑی ہوجاتی ہوں اپنے مصلے کو آدھا آدھا تہہ لگا کر اور اسے صوفہ پر ڈال دیتی ہوں تاکہ اس کی سبز مخملی کیفیت سے میری اگلی ملاقات کی تیاری یقینی رہے،.........اترانا شروع ہوجاتا ہے۔

**سابقہ مذہب**: بدھ مت **اسلامی نام**: عائشہ عبد **ملک کا نام**: آسٹریلیا

# آسٹریلیا میں بدھ خاندان کی ایک لڑکی کا قبول اسلام

''عائشہ عبد کا تعلق آسٹریلیا کے ایک بدھ خاندان سے ہے، انہوں نے اگست ۱۹۹۴ء میں اسلام قبول کیا جس کے بعد انہیں مختلف قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا...... ان کے قبول اسلام کا یہ واقعہ دہلی کے انگریزی ہفت روزے RADIANCE میں شائع ہوا تھا (شمارہ ۹ مارچ ۱۹۹۷ء) جہاں سے راقم نے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔''

یہ اللہ کا مجھ پر خاص کرم ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اور ذہن نے سوچنا شروع کیا، میرا یقین اس امر پر جم گیا کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق ہے اور دنیا کی ہر چیز ہر معاملے میں اسی کی محتاج ہے، اگرچہ میرے والدین کا تعلق بدھ مذہب سے ہے، لیکن تیرہ سال کی عمر سے میرا یہ مستقل معمول بن گیا کہ میں پابندی کے ساتھ روزانہ خالق کائنات سے دعا کیا کرتی کہ وہ میری رہنمائی فرمائے، لیکن اردگرد کا سارا ماحول چونکہ عیسائی اکثریت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اس لئے اسکول میں داخل ہوئی تو مجموعی فضا کے تحت میں نے بھی اپنے آپ کو عیسائی قرار دے لیا۔

مجھے اس امر کا بڑا افسوس ہے کہ اسلام کے بارے میں میری معلومات بڑی ہی منفی تھیں۔ میں سمجھتی تھی کہ یہ اوٹ پٹانگ قسم کا وحشی سا مذہب ہے جو مشرقِ وسطیٰ کی چند اقوام تک محدود ہے۔ ان اقوام کا طرز زندگی خطرناک حد تک تنگ نظری اور گھٹن کا شکار ہے اور خصوصاً عورتوں سے تو ان کا سلوک بڑا ہی سنگدلانہ ہے۔ انہیں سختی سے گھروں میں پابند رکھا جاتا ہے، ان کی حیثیت زرخرید غلاموں کی سی ہے اور انہیں کوئی انسانی حقوق حاصل نہیں۔ اردگرد کے ماحول میں ایسی باتیں عام ہوتی تھیں کہ

مسلمانوں کے ہر گھر میں کم از کم چار بیویاں ضرور ہوتی ہیں اور خاوند جب چاہتا ہے کسی ایک کو دھکے دے کر باہر نکال دیتا ہے اور نئی بیوی لے آتا ہے۔ عام شنید کے علاوہ ٹیلی ویژن پر سعودی عرب اور ایران کے بارے میں ایسی فلمیں دکھائی گئیں جس سے اس نوعیت کا تاثر پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔

تین برس قبل جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو وہاں مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے متعدد مسلمان طالب علموں سے واسطہ پڑا، چونکہ اسلام کے بارے میں متذکرہ نوعیت کی عجیب وغریب باتیں سنی تھیں اس لئے محض تجسس اور ضرورت کی خاطر میں ان طالب علموں کے قریب ہوئی تاکہ ان کے مذہب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرسکوں ......... لیکن یہ دیکھ کر میں تو ہکی بکی رہ گئی کہ وہ وقار، ضبط نفس اور صبر کی خاص خصوصیت رکھتے ہیں۔ یورپین نوجوانوں کی طرح عورت کو دیکھتے ہی ان کی رال نہیں ٹپک پڑتی اس کے برعکس میں نے عورت کے لئے ان کے اندر ایک خاص احترام کا اسلوب دیکھا جس کا اس سے پہلے کبھی تجربہ یا مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔

یہ مسلمان طالب علم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، صاف ذہن کے، خوش اخلاق اور مخلص سب سے بڑھ کر یہ نوجوان اپنے مذہب پر فخر کرتے تھے وہ دعویٰ سے کہتے تھے کہ ان کا مذہب عقل وادراک کے عین مطابق ہے حالانکہ ہمارے ہاں ان کے مذہب کی بڑی ہی بھیانک تصویر کشی کی گئی تھی۔

اس طرح میرے ضمیر نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسلام کے بارے میں ضرور معلومات حاصل کروں۔ اس مقصد کے لئے مجھے ان طالب علموں نے ضروری لٹریچر مہیا کیا اور جوں جوں میں نے اس مذہب کا مطالعہ کیا، اس کی غیر معمولی خوبیوں کی معترف ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ اس کے سامنے عیسائیت بھی مجھے ہیچ نظر آنے لگی حالانکہ مجھے اس مذہب سے خاصی قلبی وابستگی ہوگئی تھی۔ مجھے یہ جان کر بڑا ہی صدمہ ہوا کہ اسلام کے بارے میں یورپین قومیں کتنا جھوٹ بولتی ہیں اور کس دھڑلے سے اس جھوٹ کو پھیلاتی ہیں۔ خصوصاً یہ پڑھ کر کہ اسلام عورت کے بارے میں غیر معمولی احترام اور محبت کا رویہ رکھتا ہے اور ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کی حیثیت سے اسے کتنی عزت اور اہمیت دی جاتی ہے، میرے جذبات کا عجیب عالم ہوا.......... اس مطالعے نے مجھے ایک جانب اسلامی

طرز معاشرت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ''اسلامی بنیاد پرستی'' کی حقیقت واضح ہوگئی جسے پروپیگنڈے کے طور پر امریکی ذرائع ابلاغ خوب پھیلاتے اور مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں.......... حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں تھوڑی سی بھی عقل ہو اور اس کے دماغ کی کھڑکیاں بند نہ ہوں، وہ ان حقائق کا ادراک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جوں جوں میں اسلام کے بارے میں مطالعہ کرتی گئی اور جوں جوں اس مذہب کا جمال نکھر کر میرے سامنے آتا چلا گیا، میں اس کی شیدائی بنتی چلی گئی۔ جی چاہتا کہ اسلام کے بارے میں ہر چیز معلوم کی جائے، اس کے حسن و جمال کا ہر رخ دیکھا جائے، چنانچہ میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام واقعی مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس نے زندگی کے ایک ایک معاملے میں انسانوں کو بہترین رہنمائی مہیا کی ہے یہ بڑا ہی قابل عمل مذہب ہے اور اس کی کوئی تعلیم ایسی نہیں جسے عملی زندگی میں بروئے کار نہ لایا جا سکتا ہو۔ اس طرح جب عیسائیت کی نظری و عملی خامیاں بھی مجھ پر عیاں ہوگئیں اور اسلام کی ساری صداقتیں نکھر کر سامنے آ گئیں تو ۴ اگست ۱۹۹۴ء کی دوپہر کو میں نے تقریباً بیس مسلمانوں کے ایک اجتماع میں کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان ہوگئی..........

یہ دن میری زندگی کا یقیناً سب سے مبارک دن تھا اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کر سکتی کہ ایک ہی سال کے عرصے میں اس نے مجھے اسلام کی نعمت عظمیٰ عطا فرمادی اور نوعمری کی وہ دعا قبول کرلی کہ خدایا مجھے سیدھا راستہ دکھا، مجھے ہدایت عطا فرما۔

مجھ سے بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ تو گذارش ہے کہ جونہی میرے والدین کو میرے قبول اسلام کا پتہ چلا، گھر میں گویا بھونچال آ گیا۔ انہیں میرے عیسائی ہونے پر تو کوئی اعتراض نہ تھا، مگر اسلام قبول کرنے پر وہ صدمے سے بے حال ہوگئے، گھر کے سب لوگ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے، طنز و تمسخر کا نشانہ بناتے، گالیاں دیتے اور دھمکاتے رہتے بارہا ایسا ہوا کہ میری غیر موجودگی میں میرے کمرے کو تہس نہس کر دیا جاتا، ہر چیز درہم برہم کردی جاتی، کتابیں غائب ہوتیں اور میری دوستوں اور ان کے والدین کو میرے بارے میں توہین آمیز ٹیلی فون کیے جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ گھر سے باہر مجھے نہ جانے دیا جاتا اور رات کو جان بوجھ کر سور کا گوشت پکایا جاتا، تاکہ میں

ڈنر میں بھی شامل نہ ہوسکوں۔ اس طرح میں بھوکی پیاسی سو جاتی میری ڈاک کھول لی جاتی، میرا جیب خرچ بند کر دیا گیا۔ میری غیر موجودگی میں میرا فون پر کوئی پیغام آتا تو مجھ تک نہ پہنچایا جاتا اور مسجد سے یا کسی اسلامی تقریب سے کوئی دعوت نامہ آتا تو وہ بھی روک لیا جاتا گھر والے کوشش کرتے کہ میں کسی مسلمان سے نہ ملوں، انہیں خطرہ تھا کہ اس سے میری مزید برین واشنگ ہو جائے گی۔

حالت یہ تھی کہ کسی کی موجودگی میں میرے لئے نماز پڑھنا محال ہو گیا۔ لوگ آوازیں کستے، شور مچاتے اور گالیاں دیتے، رمضان میں روزہ رکھنا تو اور بھی محال ہو گیا اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ایک روزہ بھی ترک نہ کیا۔ لیکن گھر کے ماحول نے مجھے پریشان کرنے اور اس عبادت میں مخل ہونے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ......... میری والدہ نے رمضان کا پورا مہینہ مجھ سے بات تک نہ کی اکثر بڑبڑاتیں کہ تم نے والدین کی ناک کاٹ دی ہے اور انہیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔ مجھے اذیت دینے کے لئے گھر والے ایسی فلمیں لگا دیتے جن میں مسلمانوں اور اسلام کے لئے تضحیک اور تمسخر کا سامان ہوتا اور اسلام کی شکل بگاڑ کر پیش کی گئی ہوتی، گھر کے مختلف افراد اکثر و بیشتر اس خطرے کی نشاندہی کرتے کہ اسلام قبول کر کے میں نے سارے خاندان کی عزت غیر محفوظ کر دی ہے اور اگر ہمارے رشتہ داروں اور قریبی احباب کو میری اس حرکت کا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا بائیکاٹ کر دیں گے۔

آزمائشوں کی یہ یلغار تھی لیکن حیرت انگیز طور پر اللہ نے مجھے صبر اور حوصلے کی غیر معمولی طاقت عطا فرما دی۔ میں نے گھر کے سارے افراد کے منفی رویے کے جواب میں مثبت ردعمل ہی کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں میں قلبی طمانیت اور سکون کی ایک ایسی کفیت سے آشنا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ ذہنی مسرت کا یہ عالم تھا کہ گویا دنیا بھر کے خزانے میرے قدموں میں ڈھیر ہو گئے ہیں۔ اس زمانے میں اللہ نے مجھ پر بے حد و بے حساب فضل فرمائے اور مایوسی کی کوئی ایک لہر بھی میرے قریب سے نہ گزرنے پائی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا دست شفقت ہر وقت میرے سر پر موجود ہے۔ کاش میں بتا سکتی کہ ابتلاء کے اس دور میں میں نے اس کی رحمتوں کے کیا کیا مزے لوٹے ہیں۔ چنانچہ میں ذہنی اور عملی طور پر جس کیفیت سے ہمکنار ہوئی قارئین کو اس کا ہلکا سا

اندازہ اس حدیث قدسی سے ہو سکے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں ''جو بندہ میرے بہت قریب ہو جاتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

آزمائش کے اس دور میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مختلف انسانوں کی نفسیات سے آشنا ہوگئی اور پتہ چلا کہ ضد، تعصب اور تنگ نظری انسانوں سے کیا کچھ کرواتی ہے اور قریبی خونی رشتے کس طرح کنکر پتھر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ آزمائش کی مدت تقریباً ایک سال تک جاری رہی حتیٰ کہ اللہ کو اپنی بندی پر رحم آ گیا اور میں نے ایک باعمل مسلمان نوجوان سے شادی کر کے والدین سے الگ رہائش اختیار کر لی۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس ایک سال کے دوران میں نے اسلام کے بارے میں بہت سی مزید معلومات حاصل کیں اور میرا اس دین پر ایمان محکم سے محکم تر ہوتا گیا۔ میں نے قرآن کی بہت سی آیات یاد کر لی ہیں اور اس دوران میں نہ تو قرآن کی صداقت کے بارے میں میرے دل میں معمولی سا شبہ پیدا ہوا ہے نہ جدید زمانے اور علوم کے حوالے سے اسلام کے ضمن میں میرے ذہن میں کسی اعتراض نے سر اٹھایا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا ایمان مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں مجھے دنیاوی اعتبار سے کتنے ہی اضافی فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ میرے اندر ایک خاص قسم کا اعتماد پیدا ہوا ہے، میرا ایک تشخص بنا ہے اور بہادری اور دلیری کی ایک خاص کیفیت میرے اندر راسخ ہوئی ہے اللہ پر میرا اعتماد اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کسی اور کا خوف قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ اس کی عظمت اور کبریائی کا احساس دل پر اس قدر غالب رہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے قرآن میں ہے ''اللہ جس سے خوش ہوتا ہے، اسے ہدایت عطا فرماتا ہے'' اللہ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرما دی، دعا ہے کہ وہ مجھے اس ہدایت پر قائم رکھے اور اپنی رضا عطا فرما دے۔

**سابقہ مذہب** :عیسائیت **اسلامی نام**:زینت کارین **ملک کا نام** : جرمنی

# اسلام میں عورتوں کے حقوق میرے قبول اسلام کا ذریعہ بنے

ذیل کا مضمون پاکستان میں ایرانی سفارتخانہ کے سہ ماہی مجلہ ''ایران شناسی'' (شمارہ ۱۳،۱۴، ۱۹۹۷ء) میں شائع ہوا تھا۔ سوسن صفاوردی نے یہ انٹرویو لیا تھا جس کا اردو ترجمہ عابد عسکری نے کیا۔ (بشکریہ مترجم ومجلہ)

گذشتہ دنوں جرمنی کی مسلمان خاتون محترمہ زینب کارین ایران تشریف لائیں، محترمہ سے جو ہماری گفتگو ہوئی وہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

○ ہم آپ کو ایران میں تشریف آوری پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہماری آپ سے درخواست ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اپنے بارے میں بتائیں اس کے بعد ہم گفتگو کو آگے بڑھائیں گے۔

زینب کارین: آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرے خیالات قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہے تو عرض ہے میں جرمنی کی اکتیس سالہ مسلم خاتون ہوں، دس سال پیشتر میں مشرف بہ اسلام ہوئی تھی، مسلمان ہونے پر میں نے اپنا نام زینب منتخب کیا۔ مجھے بچپن ہی سے خالق مطلق سے گہرا لگاؤ ہے، اس زمانے میں جب میں غور وفکر کرتی تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بہت قریب پاتی، خداشناسی کے جذبے نے مجھے اپنی ہم سن دوستوں سے مختلف کر دیا تھا میرا رہن سہن اور خیالات یکسر بدل گئے۔ مثال کے طور پر ہمارے اسکول میں طلبہ سے تیراکی زبردستی کرائی جاتی تھی اور میں اس کام سے نفرت کرتی تھی لہٰذا میں اساتذہ سے بیماری کا بہانہ بنا کر تیراکی اور مخلوط محفلوں سے بچ جاتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خیالات میں تبدیلی آ گئی، تحقیق کرنے پر یہ بات مجھ پہ عیاں ہوگئی کہ کلیسا کے خداؤں کا تصور کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ کلاس میں بررونہ

یہی سوال میرے ذہن میں کلبلاتا رہتا تھا۔

پندرہ سال کی عمر میں مجھے اپنے خاندان والوں کے اصرار پر مذہبی کلاسوں میں شرکت کرنا پڑی۔ چونکہ میری سوچیں بالکل بدل چکی تھیں اس لئے میں نے اپنے والدین سے واضح طور پر کہہ دیا کہ مجھے کلیسا والوں کا مذہب پسند نہیں، لیکن میرے والدین نے کہا کہ ہماری خاطر تم مذہبی کلاسوں کے پروگرام میں شرکت کرو، یہ رسومات سال کے اختتام پر عیسائیت کو قبول کرنے کے بارے میں منعقد کی جاتی تھیں، چنانچہ میں والدین کی وجہ سے اس پروگرام میں شریک ہوتی تھی۔ پادری دعا کو پڑھاتا اور شرکاء اس کے الفاظ کو دہراتے تھے جب وہ قبولیتِ مذہب پر آیا تو میں خاموش ہوگئی، سبھی شرکاء دعا پڑھنے اور ترانہ گانے میں مصروف تھے اس لئے میری خاموشی کی طرف کسی کا دھیان نہ جاسکا۔

دورانِ تعلیم ترکی کی چند لڑکیاں میری دوست تھیں۔ میرا ان کے یہاں آنا جانا رہتا تھا، انہوں نے میری پریشانی کو بھانپتے ہوئے اسلام کی ابتدائی تعلیمات کے بارے میں ایک رسالہ دیا، میں نے اس کا مطالعہ شروع کردیا، جب واحدانیتِ خدا کے موضوع پر پہنچی تو میری نظریں رک گئیں۔ کیا ہی اچھی بحث تھی، جوں جوں مطالعہ کررہی تھی میرا تجسس بڑھتا جارہا تھا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک مسلمانوں کا نظریہ متاثر کن تھا۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اپنے والدین سے صاف طور پر کہہ دیا کہ مجھے کلیسا والوں کا مذہب ہرگز قبول نہیں، آج سے میں مسلمان ہورہی ہوں۔ میری اس بات کو سن کر میرے والدین سخت رنجیدہ خاطر ہوئے کہ اگر میں اس حالت میں مرگئی تو مجھے کہیں بھی دفن نہیں کیا جائے گا اس لئے ان کی کوشش تھی کہ یہ کام نہ کروں اور رجسٹروں میں میرا نام عیسائی لڑکی کے طور پر رہے لیکن میں اس پر ہرگز راضی نہ تھی۔

اٹھارہ سال کی ہوئی تو میں نے اسلام کے بارے میں مزید مطالعہ کرنا شروع کردیا۔ جوں جوں مطالعہ کرتی رہی میرا دل مطمئن تر ہوتا گیا، میرا دل چاہتا تھا اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق شروع کروں۔ لیکن مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کا آغاز کہاں سے کروں؟ شروع شروع میں مجھے ذہنی اعتبار سے قدرے تکلیف محسوس ہوئی لیکن میں نے دل میں عہد کرلیا تھا کہ میں نے اسلام ہی کو اپنانا ہے۔ بالآخر میں نے

اسلام کی خاطر اپنے سابقہ مذہب اور والدین کو ترک کر دیا، شروع میں مجھے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آہستہ آہستہ تمام معاملات سلجھتے چلے گئے۔ ماہ رمضان کے دنوں میں مسلمانوں کا اتحاد دیدنی تھا اخوت و برادری کے اس جذبے نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتی یہاں تک کہ گرمیوں کی حدت بھی مجھے اس کارِ خیر سے دور نہ رکھ سکی۔

ایک مسلمان لڑکی مجھ سے کہا کرتی تھی کہ آپ ابھی پوری مسلمان نہیں ہوئیں، اس لئے آپ کے روزہ نماز کی قبولیت میں شک ہے، لیکن میں دل کی گہرائیوں سے اسلام کو پسند کرتی اور اسے قبول کر چکی تھی اس لئے میرا ضمیر اور دل مطمئن تھا۔ میں ہر روز مذہب کے بارے میں مسلمانوں سے سوال کرتی اور فلسفہ اسلام کے بارے میں بحث و تمحیص کرتی تھی۔ ایک روز میں نے ایک مسلمان عورت سے پوچھ ہی لیا کہ آپ سر پر دوپٹہ یا چادر کیوں اوڑھتی ہیں؟ اس نے کہا اگر انسان اچھا مسلمان بننا چاہتا ہے تو اسے یہ کام کرنا پڑے گا۔ اس سے میں مطمئن نہ ہوئی اور اسلام میں پردے کے فلسفہ کے بارے میں مزید جستجو کرنے لگی، بالآخر اس نتیجہ تک پہنچی کہ یہ تو خواتین کی فلاح وتحفظ کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، چونکہ خواتین کو معاشرہ میں کام کرنا پڑتا ہے اس لئے پردہ ان کے لئے ایک محافظ کا کام دیتا ہے، اس سے عورت کی عزت ووقار میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس کی اہمیت کا احساس مجھے یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ خواتین کی ظاہری زیبائش وآرائش کی طرف توجہ کی جاتی ہے، ذرائع ابلاغ بھی نت نئے فیشنوں کی ترویج کرتے ہیں، بناؤ سنگھار کے ادارے بھی عورت کی خوبصورتی کی تشہیر کرتے ہیں۔ ایک طرف تو اس عارضی خوبصورتی پر خطیر رقم خرچ ہوتی ہے، دوسری طرف عورت کو روحانی اور ذہنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خاص طور پر جہاں عورت ومرد اکٹھے کام کرتے ہیں میں نے بھی تعلیم کے دوران اس طرح کی پریشانیاں دیکھی ہیں۔ اسلام چونکہ عورت کو تحفظ دیتا ہے، اس کے وقار کو بڑھاتا ہے اس لئے میں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کو ترجیح دی۔ اگرچہ اسلام قبول کرنے میں میری روحانی مشکلات دور ہو گئیں تاہم معاشرتی مسائل پر قابو پانے کے لئے میں نے اپنے اندر جرأت پیدا کی اگرچہ اس

سلسلے میں خاندانی دباؤ بھی خاصا تھا۔

سب سے پہلا مسئلہ تو والد صاحب کی ناراضگی کا تھا، وہ بار بار مجھ سے تقاضا کرر ہے تھے کہ میں مذہب عیسائیت پر قائم رہوں، وہ کہتے تھے کہ ایک مذہب کو چھوڑ نا اور دوسرے کو اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اپنے دوستوں کے کہنے پر میں نے والد صاحب سے زیادہ بحث نہیں کی اور احترام وسکون سے کہا کہ کل میں مسجد جارہی ہوں وہاں پر کلمہ پڑھوں گی، چنانچہ بالآخر میں ترکی کے دوستوں کے ہمراہ مسجد آئی اور کلمہ پڑھا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا جیسا کہ میں ابھی ابھی دنیا میں آئی ہوں، ترک خواتین نے مجھے مبارک باد پیش کی اور کہا کہ تم ترک ہو چکی ہو، میں نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ اسلام تو پوری انسانیت کا مذہب ہے۔

اب مجھے ایسی خواتین کی دوستی کی ضرورت تھی جو میری طرح حال ہی میں مسلمان ہوئی ہوں۔ بالآخر میری آشنائی جرمنی کی مسلم خواتین سے ہوگئی۔ ہم نے مل کر سب سے پہلے پردہ کرنا شروع کیا، شروع شروع میں پردہ کرنا بڑا مشکل تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی عادی ہوگئیں۔ اس کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ پردہ کی برکت سے آہستہ آہستہ میری معاشرتی مشکلات دور ہوگئی ہیں، اب پردہ میرے لئے زندگی کے کاموں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی، لیکن میری سہیلیاں پردہ کو پسماندگی سے تعبیر کرتی تھیں، ان کی نظر میں پردہ اختیار کرنا قید ہونے کے مترادف ہے دراصل یہ سب کچھ مسلم خواتین کے خلاف لادین عناصر کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہے کہ پردہ (جو نسوانی وقار کا باعث ہے) کو پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت بہت سے ممالک لادینی عناصر کے غلط پروپیگنڈے کی زد میں ہیں۔ کاروباری اداروں اور تعلیمی مراکز میں بھی اس قسم کی مشکلات ہیں۔ ایک روز میں نے یونیورسٹی کی پرنسپل سے کہا کہ کل میں دوپٹہ اوڑھ کر یونیورسٹی آؤں گی تو وہ خاموش رہیں اور کسی قسم کا منفی ردعمل ظاہر نہ کریں جب میں دوپٹہ اوڑھ کر آئی وہ خاموش رہیں البتہ یونیورسٹی میں دوسرے مردوں کا رویہ میرے ساتھ حقارت آمیز تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ میں ایک بے وجود سی چیز ہوں ایک روز ہاسٹل کے میس میں چند طالب علم مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہنے لگے اب تو ہاسٹل کی نوکرانیاں ہمارے ساتھ کھانا کھاتی ہیں۔ اس پر مجھے سخت غصہ آیا لیکن اسلام کی عظمت وتقدس کی

وجہ سے خاموش رہی، میں نے عہد کرلیا کہ اسلام کی خاطر تمام مشکلات بخوشی برداشت کروں گی۔

ایک مرتبہ میں اپنے سفر حج کے سلسلے میں مسجد میں گئی وہاں پر مجھے مسلمانوں کے طرز زندگی کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا، وہ نام تو اسلام کا لیتے تھے لیکن ان کے طور طریقے غیر مسلموں جیسے تھے، افریقہ کی عورتیں غیر اسلامی رسومات کو اسلامی سمجھتی تھیں، پھر جس نوجوان سے میری شادی ہوئی اس کا رویہ بھی غیر اسلامی تھا، اس نے مجھ پر بے جا اور غیر اسلامی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور مجھ سے ہر وقت لڑتا جھگڑتا رہتا تھا میں اپنے بھائی سے بھی میل جول نہیں رکھ سکتی تھی میرے خاندان اور سہیلیوں کا آنا جانا ممنوع تھا۔ میں اس کی اجازت کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھی ایک مرتبہ میرے ایک دوست مجھ سے ملنے آئی، میں اس کو بس پر بٹھانے کے لئے اس کے ساتھ بس اسٹاپ پر چلی گئی۔ گھر آتے آتے پندرہ منٹ دیر ہوگئی جب گھر آئی تو اس نے گملا اٹھا کر میری سر پر دے مارا اور گالیاں دینے لگا اور مجھے زمین پر گھسیٹنے لگا، اگر ایمان کی طاقت میرے دل میں نہ ہوتی تو میں بھی کسی قسم کے ردعمل کا اظہار کرتی لیکن میں نے صبر کیا اور دل میں کہا کہ یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے۔ بالآخر اس سے میں نے علیحدگی اختیار کرلی، طلاق اور چند نام نہاد مسلمانوں کے رویوں کو دیکھ کر میرا دل ٹوٹ گیا، درحقیقت ہمیں ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے نرم رویہ اختیار کرنا چاہیئے، ایک دوسرے کی کمزوریوں سے در گزر کرنا چاہیئے، اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ مسلمان اسلام کی حقیقت سے روشناس ہوں گے اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔ علاقائی اور غیر اسلامی تہذیبوں کو ٹھکرادیں گے۔

**سابقہ نام** :لیڈی بارنس **ملک کا نام** :انگلستان

# لیڈی بارنس کا قبول اسلام

اس واقعے کی روایت علامہ اقبالؒ کی ہے، یہ بصیرت افروز داستان علامہ مرحوم کی فرمائش پر لکھی جانے والی کتاب ''اسلام زندہ باد'' میں چھپی تھی اور وہیں سے نقل کی جارہی ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے بیان فرمایا!

مسٹر داؤد آپس کی طرح لیڈی بارنس کا قبول اسلام بھی اپنے اندر عجب کے کئی پہلو رکھتا ہے، آپ ایک نومسلم فوجی انگریز کی بیوی تھیں۔ چند سال کا ذکر ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں ملوث ہو کر میرے پاس آئے چونکہ الزامات سراسر جھوٹے تھے اس لئے عدالت نے انہیں باعزت بری کر دیا۔ چونکہ وکالت کے فرائض میں نے انجام دیئے تھے اس لئے چند روز بعد لیڈی بارنس میرا شکریہ ادا کرنے کے لئے لاہور تشریف لائیں اس وقت میں نے سوال کیا، لیڈی صاحبہ! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

''مسلمانوں کے ایمان کی پختگی، ڈاکٹر صاحب'' لیڈی موصوف نے جواب دیا اور وضاحت میں ایک واقعہ سنایا۔

''ڈاکٹر صاحب! میں نے دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو، بس اسی چیز نے مجھے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا'' لیڈی بارنس نے تھوڑا سا تامل فرمایا اور کہا ''ڈاکٹر صاحب! میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ بوڑھا مسلمان ملازم تھا اس بوڑھے کا فرزند نہایت ہی خوبصورت نوجوان تھا، ایک وبائی بیماری میں یہ لڑکا چل بسا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ میں بوڑھے کے پاس تعزیت کے لئے گئی، اسے تسلی دی اور دلی رنج وغم کا اظہار کیا۔ بوڑھا نہایت غیر متاثر حالت میں میری باتیں سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوگئی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا ''میم صاحبہ! یہ خدا کی تقدیر

ہے خدا کی امانت تھی، خدا لے گیا، اس میں غمزدہ ہونے کی کیا بات ہے ہمیں تو ہر حالت میں خدائے غفور کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔''

ڈاکٹر صاحب بوڑھے کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا ہمیشہ کے لئے میرے دل میں پیوست ہو گیا میں بار بار اس کے الفاظ پر غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ الٰہی اس دنیا میں اس قسم کے صابر وشاکر اور مطمئن دل شخص بھی موجود ہیں۔ جستجو ہوئی کہ بوڑھے نے ایسا پُر استقامت دل کیسے پایا؟ اسی غرض سے میں نے پوچھا کہ کیا مرحوم کے اہل وعیال بھی ہیں۔ وہ کہنے لگا ''ایک بیوی ہے اور ایک چھوٹا بچہ'' بوڑھے کے اس جواب نے میری حیرت کو کم کر دیا میں نے اس کے اطمینان قلب کی یہ تاویل کی کہ چونکہ پوتا موجود ہے اس واسطے وہ اس کی زندگی اور محبت کا سہارا بنے گا۔

اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ یتیم بچے کی ماں بھی چل بسی۔ اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی، بوڑھے کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا، تعزیت کے لئے میں اس کے گاؤں روانہ ہوئی اس وقت جذبات وتخیلات کی ایک دنیا میرے ہمرکاب تھی سوچتی تھی کہ اس تازہ مصیبت نے بوڑھے کی کمر توڑ دی ہوگی۔ وہ ہوش وحواس کھو چکا ہوگا، یتیم بچے کی کم سنی اسے نڈھال کر رہی ہوگی میں انہی خیالات میں غلطاں بوڑھے کے گھر پہنچی تو وہ سر جھکائے لوگوں کے ہجوم میں بیٹھا تھا میں نے اس کی تازہ مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ بوڑھا میری ہمدردانہ باتیں بڑے سکون سے سنتا رہا، لیکن اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور کہا ''میم صاحبہ! خدا کی رضا میں کوئی بشر دم نہیں مار سکتا اسی کی شے تھی وہی لے گیا ہے ہمیں ہر حال میں اس کا شکریہ ہی ادا کرنا چاہیئے۔''

''ڈاکٹر صاحب'' لیڈی بارنس نے حد درجہ حیرت کے انداز میں کہا ''میں جب تک بوڑھے کے پاس بیٹھی رہی نہ اس کے سینے سے آہ نکلی، نہ آنکھ سے آنسو گرا اور وہ اس طرح اطمینان کی باتیں کرتا تھا گویا اس نے اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کو زمین میں دفن نہیں کیا بلکہ کوئی فرض ادا کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں واپس لوٹ آئی مگر سارے راستے بوڑھے کی پختگی ایمان پر غور کرتی رہی۔ یہ خیال مجھے تنگ کرتا تھا اور حیرت زدہ بھی کہ اس درجہ مصیبت میں کسی انسان کو یہ استقامت اور صبر وشکر کی نعمت

کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔

شومئی قسمت کی چند روز بعد بوڑھے کا معصوم پوتا بھی وفات پا گیا، اس اطلاع کے بعد میں نے اپنی اندازہ شناسی کی تمام قابلیتوں کو نئے سرے سے جمع کیا اور بے قراری کے عالم میں اس کے پاس گاؤں پہنچی مجھے یقین تھا کہ اب لاوارث بوڑھا صبر و قرار کھو چکا ہوگا، اس کا دل و دماغ معطل ہو چکا ہوگا اور ناامیدی اس کی امید کے تمام رشتے منقطع کر چکی ہوگی مگر یہ دیکھ کر خود میرے حواس جواب دینے لگے کہ بوڑھا اسی سکون کی حالت میں ہے جس کا تجربہ میں دو مرتبہ کر چکی تھی۔ میں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ اس کے مصائب پر غم کا اظہار کیا۔ وہ سر جھکائے میری باتیں سنتا رہا کبھی کبھی اس کے سینے سے آہوں کی صدا بھی آ جاتی وہ سخت غمگین بھی تھا، مگر میرے خاموش ہونے پر اس نے کمال صبر و تحمل سے جواب دیا ''میم صاحبہ یہ سب خدا کی حکمت کے کھیل ہیں اس نے جو کچھ دیا تھا خود ہی واپس لے لیا ہے اس میں ہمارا تھا ہی کیا پھر ہم اپنے دل کو برا کیوں کریں، بندے کو ہر حال میں خدا کا شکر ہی ادا کرنا چاہیئے۔ ہم مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ اللہ کی رضا پر صبر کریں۔''

لیڈی بارنس درد دل کی کیفیتوں سے لبریز تھیں، اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا ''ڈاکٹر صاحب! بوڑھے کا یہ جواب میرے لئے قتل کا پیغام تھا اس کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی مگر نشتر بن کر میرے دل میں اتر گئی میں نے اس مردِ ضعیف کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کے لئے سر جھکا دیا مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ بوڑھے کا یہ اطمینان قلب مصنوعی نہیں حقیقی ہے اب وہ گاؤں میں اکیلا تھا میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی اس نے شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل میں چلا آیا۔ یہاں وہ دن بھر ہوٹل کی خدمت کرتا اور رات کو خدا کی یاد میں مصروف ہو جاتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک روز بوڑھے نے قبرستان جانے کا ارادہ کیا، تجسس کا جذبہ مجھے بھی اس کے ساتھ لے گیا میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اب اس کے جذبات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔ قبرستان میں پہنچ کر وہ شکستہ قبروں کو درست کرنے لگا، وہ مٹی کھود کھود کر لاتا اور قبروں پر ڈالتا، پھر وہ پانی لے آیا اور قبروں پر چھڑکاؤ کرنے لگا، اس

کے بعد اس نے وضو کیا، ہاتھ اٹھائے اور اہل قبرستان کے حق میں دعا کر کے واپس چل دیا میں نے اس تمام عرصے میں نہایت احتیاط سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور وایمان کی پختگی جلوہ گر ہے میرے دل میں وہ چنگاری جو ایک مدت سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، یکا یک بھڑک اٹھی مجھے یقین ہوگیا کہ یہ بوڑھے کی خوبی نہیں بلکہ اس دین حق کا کمال ہے جس کا یہ بوڑھا پیرو ہے۔ میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا حتمی فیصلہ کرلیا اور ہوٹل میں پہنچ کر اس سے کہا کہ وہ کوئی ایسی مسلمان عورت بلالائے جو مجھے اسلامی تعلیم دے۔ بوڑھا فی الفور اٹھا اور اپنے ملا کی لڑکی کو بلالایا اس نے مجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور لا الہٰ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا سبق سکھایا۔

''ڈاکٹر صاحب'' لیڈی بارنس نے روح پرور لہجے میں کہا ''اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوں اور وہی عظیم الشان قوت ایمان جس سے بوڑھے کا دل سرشار تھا اپنے سینے میں موجود پاتی ہوں۔''

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: جمیلہ **ملک کا نام**: آسٹریلیا

# عیسائیت سے اسلام تک کا میرا سفر

میں ۱۹۴۹ء میں آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔ چونکہ میرے والدین دہریے تھے اور اعلانیہ خدا کا انکار کرتے تھے، اس لئے میری پرورش اسی ماحول میں ہوئی، میری ایک چھوٹی بہن تھی اور والدین کی پوری کوشش تھی کہ ہم دونوں بہنیں کسی مذہب سے کھکھیڑ میں پڑے بغیر زندگی گزارتی رہیں، لیکن اس کے برعکس ہوا یوں کہ میں ابھی سیکنڈری اسکول کی طالبہ تھی کہ مذہب میں میری دلچسپی بڑھنے لگی اور خدا کے تصور کے بغیر میں ایک قسم کی الجھن میں اور بے اطمینانی محسوس کرنے لگی اور میرے دل سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ کوئی ایسی اعلیٰ و برتری ہستی ضرور ہونی چاہیئے جو انسانی معیارات سے ماورا منفرد و یکتا ہو۔ جو ہماری حفاظت کرے اور ہمیں قوت فراہم کرے، لیکن حالات اور ماحول کے پس منظر میں میرے دل کی یہ آواز دب کر رہ جاتی۔ تاہم جب بھی میں گردوپیش کا جائزہ لیتی مجھے اپنے والدین کے علاوہ اس معاشرے کا ہر شخص اداسی اور تنہائی کی دھند میں لپٹا ہوا نظر آتا۔ سچی مسرت شاید ہی کہیں نظر آتی تھی۔

چودہ سال کی عمر میں، میں نے ایک ادارے میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی اور فارغ اوقات میں ایک کمرشل ووکیشنل اسکول میں داخلہ بھی لے لیا۔ عمر کے اس حصے میں، میں بھی سب لوگوں کی طرح آرام وراحت اور تفریح ہی کو مقصد حیات سمجھتی تھی اور انہی مشاغل میں مبتلا ہوگئی جو ہمارے معاشرہ کا طرۂ امتیاز تھے۔ دراصل عیسائی مذہب اپنی قدروں کے اعتبار سے غیر معمولی اور انحطاط میں مبتلا تھا اور مادیت کے مظاہر ہر چہار طرف اس بری طرح چھا گئے تھے کہ کوئی فرد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ لیکن میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گی کہ اس سب کچھ کے باوجود میں نے ذہن کے دریچے کھلے رکھے اور عیسائیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن افسوس کہ یہ مذہب میرے شعور و وجدان کو مطمئن کرنے

میں قطعی ناکام رہا۔ چونکہ میں نے دہریت وانکار کے ماحول میں پرورش پائی تھی، اس لئے میں ٹھوس عقلی ثبوت چاہتی تھی۔ مجھے پادریوں اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی غیر مستند اور من گھڑت روایات مطمئن نہیں کر رہی تھیں۔

۱۹۶۷ء میں میری عمر اٹھارہ سال تھی جب مشرق وسطیٰ میں جنگ چھڑ گئی اور یہی وقت کا سب سے بڑا موضوع بن گیا۔ قدرتی طور پر میرا ذہن بھی اس سے متاثر ہوا اور بے اختیار جی چاہا کہ عربوں کی تہذیب و کلچر کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور دیکھا جائے کہ ان کے مسائل کیا ہیں؟ یہودیوں سے ان کے اختلافات کی بنیاد کیا ہے؟ اور ان کے طرز حیات کی کیا کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں؟ چنانچہ میں نے مختلف کتب خانوں سے رابطہ قائم کیا، پہلے عربوں کے بارے میں مطالعہ کیا اور پھر اسی حوالے سے اسلام سے متعارف ہوئی لیکن یہ افسوس ناک امر ہے کہ میں نے جتنی بھی تاریخی کتابوں، ناولوں اور رپورٹوں کا مطالعہ کیا ان سب میں اسلام اور عربوں کے خلاف مصنفین کا تعصب اور عناد چھلک پڑتا تھا اور میں حیران تھی کہ غیر جانبداری، اعتدال اور انصاف کے ان علمبرداروں کو کیا ہو گیا ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور میں وی آنا میں ایک مسلم کلچر سوسائٹی سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور یہاں میں نے اسلام کے بارے میں خود مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کیا اور مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اسلام تو محبت اور مساوات کا مذہب ہے اس پر مردم کشی یا دہشت گردی کا الزام اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کا کسی خاص قوم یا نسل سے کوئی علاقہ نہیں، بلکہ سراسر بین الاقوامیت کا حامل ہے، مجھے اسلام کے اس پہلو نے بالخصوص بہت متاثر کیا کہ اس مذہب میں رنگ ونسل اور علاقے کی کوئی تفریق نہیں اور اللہ کی نظروں میں وہی شخص عزت کا حامل ہے۔ جو اس کی الوہیت اور حاکمیت کا زیادہ شعور رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اخوت، باہمی رواداری، محبت، اپنائیت اور ایثار و اخلاص کی جن اعلیٰ قدروں کا امین ہے، عیسائی معاشروں میں وہ ناپید ہے۔ یہاں تو ایک ہی مذہب کے پیروکار گورے اور کالے ایک گرجے میں مل کر عبادت بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ایک ہی رنگ اور نسل کے امیر عیسائی اور غریب عیسائی ایک ہی گرجے کے الگ الگ درجوں میں عبادت کرتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی خوبیاں تھیں جن سے متاثر ہو کر میں نے بیس سال کی عمر میں یعنی ۱۹۶۹ء میں اس وقت اسلام قبول کر لیا جب وسیع اور ٹھوس مطالعے کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب میں ایک با مقصد اور مفید زندگی گزار سکتی ہوں اور یہ کہ اسلام بیک وقت انسان کو روحانی طور پر بھی آسودگی بخشتا ہے اور ایک حسین امتزاج کے ساتھ اس کے مادی مسائل میں بھی صحت مند رہنمائی عطا کرتا ہے۔ تہذیبی سطح پر اسلام انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور اپنے پیروکاروں میں انصاف اور صداقت کی بنیاد پر اخلاص اور خدمت کا وہ جذبہ پیدا کرتا ہے جو خود ان کے لئے بھی عزت و سربلندی کا باعث بنتا ہے اور عام انسانوں کے لئے بھی امن اور رحمت کا سبب بن جاتا ہے۔

میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا چاہتی ہوں کہ اسلام نے میری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ میں مایوسی، بے سکونی اور احساس تنہائی کی اس غیر معمولی کیفیت سے دوچار تھی جس سے یورپ کا شاید ہی کوئی فرد محفوظ نظر آتا ہو۔ اسلام نے مجھے اس صورت حال سے نجات دلا دی اور اسلام کے حصار میں آ کر میں پہلی بار سچی مسرت اور لازوال سکون سے آشنا ہوئی۔ یوں لگا جیسے صدیوں کی پیاسی روح ٹھنڈے میٹھے چشمے پر پہنچ گئی ہو۔ اس احساس نے مجھے اسلام کا شیدائی بنا دیا اور میں مسلسل محنت سے اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی اور یہ بھی خالص اللہ کی عنایت ہے کہ میری شادی افغانستان کے ایک مسلمان طالب علم سے ہو گئی جو وی آنا میں زیر تعلیم تھا۔ میرے خاوند نے تعلیم مکمل کر لی تو ہم افغانستان آ گئے، اس وقت میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی اور بحمد للہ تعالیٰ اس وقت سے لے کر آج تک میں مسلمان کی حیثیت سے شرح صدر اور کامل اطمینان کے ساتھ اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں اور مطمئن ہوں۔

تاہم میں یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، مسلم اکثریت کے ملکوں میں مقیم ہوں، یا غیر مسلموں کے درمیان زندگی گزار رہے ہوں، ہمیں مسلمانوں کی حیثیت سے اپنے اعمال و کردار کا تنقیدی جائزہ لیتے رہنا چاہیئے اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا محاسبہ کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس

حوالے سے میرا تجزیہ یہ ہے کہ عام مسلم معاشروں میں، خواہ وہ یورپین فکر وتہذیب سے متاثر نہ بھی ہوں، اسلام کا محض ایک رسمی اور سرسری سا تصور کارفرما نظر آتا ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو شعوری طور پر سمجھا ہے نہ اس پر عمل کرنے میں وہ سنجیدہ ہیں اور جو کچھ ہے وہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ اسلام ان کے قلب و ذہن میں گہرائی تک نہیں اترا۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: سمیہ **ملک کا نام**: یو۔کے

# ظلمت سے نور کی طرف میرا سفر

۵ ستمبر کو ٹھیک پانچ بجے شام کو ایک انگریز لڑکی انگریزی لباس میں یو کے اسلامک مشن لندن کے مرکزی دفتر میں داخل ہوئی، اس نے اپنے خاص انداز میں سوال کیا، کیا میں اندر آ سکتی ہوں، اس نے اپنا وقت یاد دلایا کہ میں نے فون پر بات کی تھی کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں اسلام کی کشش نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ صدر یو کے اسلامک مشن نے سوال کیا، اسلام قبول کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟ یہ سوال سن کر وہ اپنی داستان سنانے کے لئے بے قرار ہوگئی، اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے کہا کہ میں شام کے دارالسلطنت دمشق میں نرس تھی، میری سہیلی کا شوہر ایک عرب تھا، دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار تھی دونوں خوش وخرم زندگی بسر کر رہے تھے، عرب اعلیٰ صفات کا مالک تھا یہ دیکھ کر میں نے عرب سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے اس نے بتلایا کہ میرا مذہب اسلام ہے چنانچہ میرا تجسس اسلام کے بارے میں بڑھتا گیا اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہوگئی، اس عرب سے میں نے اسلام کے تعارف کے لئے کتاب مانگی اس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ میرے حوالے کر دیا، چنانچہ میں نے قرآن کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا ابھی میں نے سورہ بقرہ کی تکمیل نہیں کی تھی کہ میری فطرت جاگ اٹھی'' اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میرا مذہب اسلام ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے۔

اس دوران میں بیمار پڑ گئی اور مجھے اندیشہ ہو چلا کہ کہیں اپنی جان نہ کھو بیٹھوں۔ اور میری موت کفر کی حالت میں واقع ہو جائے۔ میں برابر اللہ سے دعا کرتی رہی کہ مجھے صحت دے، خدا کا احسان ہے کہ میں صحت یاب ہوئی تو فوراً کسی اسلامی مرکز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، چنانچہ میں نے ڈائریکٹری سے یو کے اسلامک مشن کا فون نمبر حاصل کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ میں بھی اسلامی جماعت میں داخل ہوگئی

ہوں، چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔ اور اسلامی نام سمیہ رکھا گیا۔

اس نے کہا مجھے مسلمانوں کی جماعت دیکھ کر سکون ہوا جب وہ گھر جانے لگی تو مشن کے ایک رفیق نے مولانا مودودیؒ کی کتاب پردہ (انگریزی میں) اس کے حوالے کردی وہ رات بھر پڑھتی رہی، کتاب پڑھنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ مجھے اسلامی پردہ اختیار کرنا ضروری ہے چونکہ وہ نرس تھی اس لئے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اسلامی طریقے سے زندگی بسر کرنے کو ترجیح دوں گی اور کسی قسم کی مداہنت ومصالحت کو گوارہ نہیں کروں گی اس نے اپنی ملازمت ترک کردی۔

اس نے چاہا کہ اپنی تبدیلیٔ مذہب کی اطلاع والدین کو دیدے، پہلے اس نے ماں سے رابطہ قائم کیا، یہ سوچ کر کہ ماں تو نرم دل ہے، باپ مذہبی انسان ہے اس لئے اگر اسے خبر ہو جائے تو مشکلات پیدا کرنا شروع نہ کردے قبل اس کے کہ وہ ماں کو اسلام قبول کرنے کی خبر دے اس نے ماں سے پوچھا کہ کیا آپ کے لئے خوشی کی بات نہیں کہ میں نے شراب پینا ترک کردیا ہے، ماں نے جواب دیا بڑی اچھی بات ہے، لڑکی نے کہا عنقریب سگریٹ نوشی بھی ترک کردوں گی، ماں نے جواب دیا یہ بھی اچھی چیز ہے، پھر اس ہوشمند لڑکی نے اپنی ماں سے کہا اب میں شادی کر کے زندگی بسر کروں گی، اور اس زندگی کو ترک کردوں گی جس میں انسان مکمل آزاد ہوتا ہے، ماں اس پر خاموش رہی اور حیرت زدہ ہو کر بولی ایسا کیوں اس نے جواب دیا، میں نے اسلام قبول کرلیا۔

اس سے قبل مزید کچھ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے محمد یوسف اور عائشہ یہ دونوں اسپین کے باشندے ہیں ان دونوں کی ترجمانی کے لئے ایک اسپنیش یوکے اسلامک مشن لندن سے ساتھ آیا، ترجمانی کے فرائض انجام دینے کے بعد وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اس کا نام محمد طارق رکھا گیا۔ پھر دو دن کے بعد دو انگریز مرد اور عورت مشن میں کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے جن کا نام محمد سلیم اور سعدیہ ہے۔

کون مسلمان ان بدلتے ہوئے حالات پر اپنی دلی مسرت کا اظہار نہیں کرے گا، خصوصاً یورپ میں اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کو تو ایک نیک فال سمجھا جائے گا کہ مستقبل میں ضرور کوئی تبدیلی واقع ہونے والی ہے لیکن کیا ''مسلمان'' بھی سوچ رہے ہیں کہ وہ اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کریں؟

**اسلامی نام:** اسماء **ملک کا نام:** سویڈن

# اسلام کے قانونِ حجاب نے مجھے اپنی طرف کھینچا

سویڈن کے معاشرے کو مسلمان بننے بالخصوص خواتین کو دین فطرت کے قریب لانے میں وہاں جو خواتین سرگرم کردار ادا کر رہی ہیں ان میں معروف سویڈش نو مسلم محترمہ اسماء بھی شامل ہیں۔ وہ اپنے قبول اسلام کے حوالے سے بتاتی ہیں:

''اسلام کی جس نمایاں ترین خوبی نے مجھے اس کی طرف کھینچا، وہ اس کا قانون حجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مودودیؒ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، حجاب کے بارے میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کو بڑے مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن مسلمان خواتین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اتنا اچھا نظام زندگی رکھتے ہوئے بھی خود کو اس کی رحمتوں سے دور کئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کی جس طرح کی سوسائٹی چاہتا ہے، مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی سوسائٹی کہیں بھی نہیں ہے۔ مسلمان ممالک بھی ایسی مثالی سوسائٹی پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو مسلسل خسارہ ہو رہا ہے اور اس کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام کے دامن رحمت میں نہیں آ رہے ہیں۔''

محترمہ اسماء نے اس ضمن میں اپنی مثال پیش کرتے ہوئے کہا ''میں مسلمانوں کی حالت دیکھتے ہوئے شاید کبھی بھی راہ ہدایت نہ پا سکتی تھی لیکن میری خوش بختی ہے کہ تقابل ادیان کے لئے میرا مطالعہ میرے لئے باعث رحمت بن گیا۔ اس مطالعے کے دوران میں میں نے اسلام کے قانون حجاب کا بغور مطالعہ کیا جس سے میرے اندر قبول اسلام کی خواہش پیدا ہوئی۔''

محترمہ اسماء پھر اپنے سابقہ موضوع کی طرف پلٹیں اور کہنے لگیں ''ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے معاملات بہتر بنائیں، کرپشن اور بد دیانتی کے جو بد ترین مظاہر مسلمانوں کے درمیان پائے جاتے ہیں قطعی ناقابل برداشت ہیں ان کے مکمل

انسداد کی ضرورت ہے۔ اسلام کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ اس طرح کی بددیانتی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔ معاملات میں کمزوری تباہ کن ہے، یہ کمزوری آگے چل کر بڑی تباہی کا سبب بن سکتی ہے، قرآن میں اسی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

''اے اہل ایمان تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔''

محترمہ اسماء نے علماء کرام، ماہرین تعلیم اور خواتین کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ نسل نو کی بہتر تربیت کا اہتمام کریں، آخر بچوں کو ناقص تعلیم کے ساتھ ہم اپنے مستقبل کی درخشندگی کا خواب لے کر کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ خواتین کو چاہیئے کہ وہ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ اور دور حاضر کی عظیم خاتون زینب الغزالی کا کردار اپنائیں۔''

محترمہ اسماء ۱۹۹۲ء میں پاکستان بھی تشریف لائی تھیں ہمیں خود بھی ان کی گفتگو سننے کا موقع ملا ہے ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا ایک لگن اور تڑپ ہے جو انہیں اشاعت دین کے لئے ہمہ وقت سرگرم کئے ہوئے ہے۔ فروری ۱۹۹۲ء میں لاہور میں ایک اجتماع سے، جس میں خواتین اور مرد دونوں شریک تھے، انہوں نے خطاب کرتے ہوئے مسلمان قائدین پر زور دیا ہے کہ دوسرے نظریات کے مقابلے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اندر فروغ پذیر نیشنلزم کا بھی خاتمہ کریں، انہوں نے کہا ''یہ عجیب بات ہے کہ یورپ کے اندر ''نیشنل اسٹیٹ'' کا تصور اپنی موت آپ مر رہا ہے اور ہمارے ہاں (مسلمانوں کے اندر) اسے فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خود انحصاری کریں، مغرب پر اقتصادی انحصار ختم کریں کیونکہ ہماری موجودہ اقتصادی پسماندگی کا اہم اور بنیادی سبب مغرب پر کیا جانے والا یہی اقتصادی انحصار ہے۔ دوسرے کا سہارا لینے والے شدائد حیات میں کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔'' (بحوالہ ایشیا لاہور)

**سابقہ نام**: ہیرین **سابقہ مذہب**: عیسائیت
**اسلامی نام**: فاطمہ گرم **ملک کا نام**: جرمنی

# فاطمہ گرم (جرمنی)

میرے والد Adolf Woulf انہوں نے وولف کی اسپیلنگ پر زور دیتے ہوئے کہا اور والدہ نے چرچ چھوڑ دیا تھا اور وہ لوگ حقیقت (راہ حق) کی تلاش میں تھے لیکن بعد میں وہ اس معاملے میں بہت حساس نہیں رہے کہ بس ایسے ہی ٹھیک ہے، لیکن جب میں نے ذرا سا ہوش سنبھالا تو مجھے اسی وقت سے ایک بے چینی اور اضطراب سا محسوس ہوتا تھا۔ میں اپنی والدہ سے سوالات کرتی رہتی تھی، میری ماں تنگ آ کر مجھ سے کہتیں، اسی دنیا پر قناعت کرو، تمہیں اس بات سے کیا پہلے کیا تھا اور آئندہ کیا ہوگا؟ جو کچھ ہے اسے انجوائے کرو، تم زیادہ حریص ہو اس لئے مضطرب ہو۔

میرا نام اس زمانے میں ''ہیرین'' ہوتا تھا۔ فاطمہ ذرا سی دیر خاموش ہوئیں تو ہم نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

آپ اسلام کیسے لائیں، ہمارا مطلب ہے کوئی خاص واقعہ یا بات تھی جس سے آپ متاثر ہوئیں یا باقاعدہ ایک طویل مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچیں............؟

فاطمہ: میں باقاعدہ مطالعہ کرتی تھی، جب میں نے عیسائیت کا تفصیلی مطالعہ کیا تو میں ''لادین'' ہو چکی تھی۔ مجھے یہ سب بڑا عجیب لگتا تھا کہ ''خدا کا بیٹا ہے اور عورت تو سدا کی مجرم ہے کہ اس نے آدم کو کھانے کے لئے سیب دیا تھا۔ عورت کو وہ لوگ بہت زیادہ برا کہتے ہیں مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگتی تھی اور یہ بات تو اور بھی زیادہ بری لگتی تھی کہ اللہ نے اپنے بیٹے کو پھانسی پر کیوں چڑھا دیا۔ بچا کیوں نہ لیا؟

اور یہ کہ پوپ کے سامنے اقرار کیا جائے Ridiculus کتنی مضحکہ خیز چیز ہے یہ مجھے سخت بری لگی، ایک انسان بالکل ہمارے جیسا انسان ہوتے ہوئے ہمارے گناہوں کو کیسے معاف کر سکتا ہے؟ اس کے بعد پھر میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔

اسلام سے سب سے پہلے کس طرح واقف ہوئیں؟

میں نے معروف اسکالر محمد اسد کی کتاب Road To Makkah پڑھی۔ اس کا میں نے جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے، میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ پھر Towards Understatanding Islam مولانا مودودی صاحب کی کتاب کا مطالعہ کیا اور تب جا کر پہلی مرتبہ میں حقیقت سے آشنا ہوئی۔ مجھے پتہ چلا کہ یہ غلط ہے یہ صحیح ہے، اسلام گمراہ نہیں کرتا۔

اچھا جب آپ پر اس کی حقیقت کا انکشاف ہوا تو آپ کی کیا کیفیت تھی۔ کیا آپ فوراً ہی تبدیلی مذہب کے لئے تیار ہوگئی تھیں؟ ہمارا مطلب ہے کہ لادینیت سے تائب ہو کر اسلام لانے کے لئے تیار ہوگئی تھیں؟

ہاں فوراً تیار ہوگئی تھی۔ حالانکہ خدشے بہت زیادہ تھے کہ مجھے بہت زیادہ سوشل پریشرز کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ ہمارے ہاں یورپ میں اسلام کے بارے میں لوگوں کا ایک عام تاثر یہ ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں میں غربت بہت زیادہ ہے اور یہ کہ یہ مذہب تو اس قسم کا ہے کہ اس میں بیک ورڈنس (رجعت پذیری) زیادہ ہے۔ یہ ساری باتیں تھیں لیکن اسلام کی حقانیت نے مجھے اس درجہ متاثر کیا کہ میں فوراً مسلمان ہوگئی۔

یہ اب سے ۲۵ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد پاکستان آ گئی تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔ میں یہاں آئی تھی تو میں صحیح معنوں میں ''مسلم بے بی'' تھی کچھ پڑھ تو ضرور لیا تھا مگر نہ نماز سے واقف تھی نہ روزے سے۔ سب بعد میں سیکھا، پاکستان میں کوئی تین سال رہی۔ یہاں میں نے نقاب والا پردہ بھی کیا (۵۲ سالہ فاطمہ اب چہرہ پر نقاب نہیں کرتیں) لیکن یہاں کی گرمی کے سبب ہم مجبوراً یہاں مستقل قیام نہیں کر سکے اور واپس چلے گئے۔

آپ کو اسلام کی کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

میں نے بہت ساری چیزیں پڑھی ہیں، باقاعدہ عربی زبان بھی سیکھی ہے، سب سے پہلے تو روڈ مکہ پھر امیر علی کی کتابیں پڑھیں۔ ان کا ترجمہ بھی کیا ہے، انہوں نے میرے دل کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ پھر مولانا عبدالماجد دریابادی نے بہت متاثر کیا۔

مولانا مودودی کی دینیات بہت اچھی لگی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''دنیا کی تمام چیزیں پیدائشی مسلمان ہیں صرف انسان کو یہ چوائس ملی ہے کہ وہ خود مسلمان بنے۔''

مجھے سید قطب شہید کی کتاب Islam The Riligion Of Future نے بھی بہت متاثر کیا اور اس کا بھی میں نے جرمن زبان میں ترجمہ کیا، اس طرح میں اب تک محمد اسد، مولانا مودودی، سید قطب، مولانا عبدالماجد دریا بادی، اور سید امیر علی کی منتخب کتابوں کو جرمن زبان میں منتقل کر چکی ہوں۔

آپ کے خیال میں مغرب کو اسلام کی کیا چیز سب سے زیادہ متاثر کرسکتی ہے؟

مغرب کو اسلام سے سب زیادہ یہی چیز متاثر کرسکتی ہے کہ ہم فی الواقع ویسا ہی بنیں جیسا کہ اسلام ہے۔

انتہائی مختصر اور سادہ سے اس جملے میں مضمون کا ایک جہاں آباد تھا۔ ہم چند لمحے خاموش رہے، گفتگو پھر ذاتی زندگی کی جانب مڑ گئی، فاطمہ نے بتایا ان کے دوسرے شوہر کا نام کریم ہے، چار بچے ہیں بحمد للہ جو سب مسلمان ہیں۔ فاطمہ گرم نے پاکستان کے حوالے سے کہا ''مجھے پاکستانی طالبات بہت اچھی نہیں لگتیں'' کیوں؟ ''ہر وقت خود کو خوبصورت بنانے میں لگی رہتی ہیں خوبصورت شوہر تلاش کرنا اور اسی موضوع پر اول تا آخر گفتگو کرتے رہنا ان کا سب سے اہم اور دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے۔'' ہم شرمندہ ہوگئے اور بمشکل صرف اتنا کہا ''ہاں سب ایسی نہیں ہوتیں'' ہاں سب ایسی نہیں ہوتیں مگر اکثریت.......... انہوں نے انگلی اٹھائی۔ ہم نے اثبات میں گردن ہلا دی، تب فاطمہ یک بیک پھر سنجیدہ ہوگئیں، اور طالبات سے کہا!

اپنے حلقہ احباب میں سے لڑکیاں چن لیجئے، ان کا اعتماد حاصل کیجئے، ان کے آگے دین کی دعوت مؤثر طریقے سے پیش کیجئے، حسن اخلاق بہت ضروری ہے، نماز کی پابندی کیجئے، قرآن حکیم سے اپنا تعلق بڑھایئے اور اس کی روشنی میں غور کرتے رہئے کہ ہم کس طرح لوگوں کو پھر سے دین کے قریب سے قریب تر کرسکتے ہیں۔ محض نماز ادا کر لینے سے مسلمان ہونے کا حق ادا نہیں ہوجاتا۔

## (۲)

یہ مضمون محترمہ فاطمہ ہیرین نے ''چراغ راہ'' کے لئے
خود قلم بند کیا جو اکتوبر ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اردو میں
اس کا ترجمہ احمد انس صاحب نے کیا تھا۔

جب ۱۹۴۵ء میں جرمنی میں جنگ ختم ہوئی تو میری عمر صرف گیارہ سال تھی اور میں ایک اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ میرے والد ایک جرنیل تھے اس لئے یہ بالکل فطری بات تھی کہ میرے والدین نے ہم سب بھائی بہنوں (۲ بھائی ۲ بہنوں) کی تربیت قومی اشتمالی نصب العین کے مطابق کی۔ خدا کے وجود کے بارے میں ہم کچھ مبہم اور غیر واضح تصور تو رکھتے تھے لیکن ہمارے لئے اس کی حیثیت ایک ایسی ہستی تھی جو ناقابل تصور حد تک ہم سے دور ہو اور جو اتنی عظیم ہو کہ اسے لوگوں کے روزمرہ کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ ایک ایسی ہستی جس نے لاکھوں سال گزرے قوانین قدرت بنائے اور پھر یہ قوانین محض اتفاقی اور حادثاتی طور پر انسان کو وجود میں لائے۔ ہم یہ یقین رکھتے تھے کہ قوانین قدرت کے ذریعے پودوں سے جانور بنے ہیں اور جانوروں سے جن کی اعلیٰ ترین شکل بندر ہے، انسان ظہور پذیر ہوئے جو ابتدا میں پتھر کے دور کی مخلوق تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے فہم و شعور حاصل کر لیا۔ سوچنے سمجھنے والے ذہن پیدا ہوئے اور اس طرح انسان نے اس باشعور انسانی نسل کی شکل اختیار کی جس سے وہ تاریخ انسانی کی کتب کے باب اول کی حیثیت سے واقف ہیں۔ ہمیں یہ سکھایا گیا تھا کہ ہم صرف اس بات کو سچی اور مبنی بر حقیقت سمجھیں جسے ہم اپنی آنکھ سے دیکھ سکیں یا ہاتھ سے محسوس کر سکیں یا کان سے سن سکیں۔ اسی لئے چونکہ ہم زیادہ سے زیادہ یہی دیکھ سکتے تھے کہ موت کے بعد انسان، جانوروں، پودوں کی طرح جزو زمین بن جاتا ہے اس لئے یہ بالکل واضح بات تھی کہ زندگی کے بعد موت اور یوم حشر کے بارے میں کہانیاں ان لوگوں کی اپنی خوش خیالی کی ایجاد ہیں جو انسان کے اس دنیاوی زندگی کے علاوہ بھی کچھ پانے کی خواہش کو تسکین دے کر یا کمزور لوگوں کو ہمیشہ کی آتش جہنم کے ڈراوا دے کر دراصل خود طاقت و قوت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہمارا اگر کسی

مذہب سے واسطہ تھا تو وہ عیسائیت تھی، اور اس کی تصویر ہمارے سامنے ایسی پیش کی جاتی تھی کہ جیسے یہ عامۃ الناس کی افیون ہے اور یہ ان لوگوں کے اعتقادات ہیں جنہیں سوائے موت کے کوئی اور خوف نہیں جو نہ خود سوچتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بس بھیڑوں کے گلے کی طرح چلتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہر آدمی خود اپنے ہی سامنے جواب دہ ہے اور وہ اپنے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے اس کے لئے کلیۃً آزاد ہے جب تک کہ وہ بظاہر دوسروں کے لئے نقصان کا باعث نہ ہو اور یہ کہ صرف ہمارا اپنا ضمیر ہی ہمارا راہبر ہے۔ قومیت کا وہ تصور جس کا پرچار جنگ کے درمیان اور اس سے قبل کیا جاتا تھا جرمن قوم کو سخت ترین جدوجہد پر ابھارنے کے لئے سب سے مؤثر حربہ ثابت ہوا۔ ہماری بڑی سے بڑی اخلاقی اور روحانی خواہش بس یہ تھی کہ ہم اپنے مادر وطن کے لئے اعلیٰ کارنامے سرانجام دیں، اپنی قوم کی خاطر جانیں قربان کریں اور جرمنی کی عظمت وشان کے لئے کام کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

جب جنگ ختم ہوئی تو صرف ملک کی عمارات ومکانات ہی زمین سے نہیں آ لگے تھے بلکہ اس سے وابستہ عظمت کی شاندار روایات اور اس کی خاطر بلند وبالا نصب العین سب ہی پارہ پارہ ہوگئے تھے۔ جو لوگ کسی طرح زندہ بچ سکے ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جو کچھ اب کیا جاسکتا ہے اس سے چمٹے رہیں یعنی کھنڈرات پر ایک نئی عمارت کی تعمیر، اپنے سر چھپانے کے لئے جگہ کی فراہمی، اپنی تکلیف دہ بھوک کی تسکین، جسم کے لئے چیتھڑوں سے زیادہ بھی کچھ حاصل کرنا اور کیونکہ جرمن ایک ایسی قوم ہیں کہ جب ان کے سامنے کوئی مقصد ہو تو پھر وہ وقت ضائع نہیں کیا کرتے، اس لئے انہوں نے یہ معاشی معجزہ بہت اچھی طرح اور حیرت انگیز طور پر بہت کم وقت میں کر دکھایا۔

ضروری ہے کہ میں اس ملک کا پس منظر جس سے میرا تعلق ہے بیان کردوں، بہت سے لوگ روایتی قسم کی عیش پسندانہ زندگی پر مطمئن ہیں اور میں جانتی ہوں کہ میرا خاندان اس زندگی پر بالکل مطمئن ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو عیسائی اعتقادات میں ذہنی سکون پاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جیسے کہ میں خود بھی جو صرف اپنے آپ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ ایسے معاشرے میں مطمئن ومسرور ہیں۔ چنانچہ جب وہ ناچ

رنگ، عشق معاشقہ اور مے نوشی سے بھرپور ایک رنگین رات گزارنے کے بعد جاگتے ہیں تو ان کے دلوں میں ایک ایسا خلا ہوتا ہے جو بہر حال اگلی رات میں پہلے سے زیادہ ناچ رنگ اور عشق و معاشقہ اور مے نوشی سے پُر نہیں ہوسکتا۔ مجھے معلوم تھا کہ زندگی کو خوش باشی کے اس انداز سے گزار کر میں کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر رہی ہوں لیکن پھر بھی میرا ضمیر مطمئن نہیں تھا۔ معلوم نہیں کس طرح، مگر مجھے یہ احساس تھا کہ اپنی زندگی کو محض میرا ضمیر اور ایک انسانیت نواز معاشرے کے اصول کافی رہنمائی نہیں دے سکتے۔ روزمرہ کی ساری خوشیاں مثلاً ایک حسین چمکیلا دن، پرمسرت تعطیل، لذیذ کھانے، کسی صاف شفاف نیلی جھیل میں فرحت افزا غسل، کسی چاہنے والے کا محبت بھرا خط، جن کے لئے میں کام کروں ان کی جانب سے تحسین و تعریف کا اظہار حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے کوئی حقیقی مسرت نہیں ملتی تھی۔ جب تک کہ میں کسی کی بھلائی نہ کرلیتی یا کم از کم اس خدا کا شکر ادا نہ کرلیتی جس کے کرم سے مجھے سب کچھ حاصل ہو رہا تھا۔ مجھے ڈائری لکھنے کی عادت تھی چنانچہ ایک روز میں نے بے خیالی میں یہ لکھ دیا:

''آج تو بڑا ہی حسین اور شاداب دن تھا۔ اے میرے خدا تیرا بہت شکریہ'' یہ تحریر پڑھ کر میں بہت حیران ہوئی اور شرمندہ تھی، لیکن میرے ضمیر نے آواز دی کہ پریشان کیوں ہوتی ہو خدا تو تمہارے وجود میں ہر وقت موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے پہچاننے کی کوشش نہیں کرتی۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل سے یہ آواز بھی ابھری کہ خدا کو تو حیّ و قیوم اور سمیع و بصیر ہونا چاہیئے وہ خدا ہی کیسا جو محض قوانین قدرت سے سروکار رکھے اور مخلوقات کے معاملے سے بے نیاز رہے۔

## عیسائیت سے مایوسی:

اس وقت میرے سامنے جو راستہ تھا وہ صرف عیسائیت کا تھا، میں نے ایک پادری سے سبق لئے، کتابیں پڑھیں، اور چرچ کی عبادات میں شرکت کی، لیکن میں خدا سے قریب نہ ہوسکی۔ میرے پادری نے مجھے مشورہ دیا کہ میں عیسائیت کی راہ پر آگے بڑھوں، اعتراف گناہ کروں، اور ہولی کمیونین کی رسم ادا کروں جب میں اس طریقہ پر عمل پیرا ہوں گی تو ضرور خدا کی طرف جانے والا راستہ پالوں گی میں نے اس کے

مشورہ پر عمل کیا لیکن ذہنی سکون سے پھر بھی محروم رہی حقیقت یہ ہے کہ بیٹے اور روح القدس سے گذر کر خدا تک جانے والا راستہ بہت ہی طویل تھا اور گناہ اول کا بار نا قابل برداشت تھا۔

میں سمجھتی ہوں کہ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مایوس کیا وہ یہ تھی کہ ہمیں اپنی سوسائٹی میں رہنے کے لئے اپنے اعتقادات سے قدم قدم پر مصالحت کرنی پڑتی ہے۔ چرچ اپنے اختیارات کو برقرار رکھنے کی خاطر اور سوسائٹی میں اپنی بقاء کے لئے ازخود مصالحت کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتا ہے۔ اس کے لئے صرف ایک مثال ہی کافی ہوگی۔ چرچ کہتا ہے کہ خدا کے نام پر باقاعدہ نکاح کے بعد ہی جنسی تعلقات قائم کئے جانے چاہئیں، لیکن آج مغرب میں صورت حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی مرد اور صرف چند عورتیں ہی اس اصول کو مانتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی پادری بس ایک یا دو دعائیں پڑھ کر گناہ کے اعتراف کرنے والے کو بخشش کا یقین دلا دیتا ہے۔ میں کسی ایسے چرچ کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہوسکتی جو اتنے اہم معاملات میں مصالحت کے لئے تیار ہو۔ میں اپنی زندگی کی رہبری کے لئے کسی ایسی ہدایت کی متلاشی تھی جو فی الحقیقت کامل اور مکمل ہو۔ ان شکوک وشبہات کی بناء پر میری کیفیت یہ تھی کہ جب میں چرچ میں گھٹنے ٹیک کر عبادت کر رہی ہوتی تب بھی اپنے آپ کو خدا کے واقعی قریب محسوس نہ کرتی تھی۔

عیسائیت سے ہٹ کر دوسرے مذاہب سے واقفیت حاصل کرنے کا مجھے کبھی خیال تک نہ آیا۔ کیونکہ عیسائیت کا مذہبی ٹولہ ان مذاہب کو اس طرح بدنام کرتا کہ لوگ ان کے پیروکاروں کو ''بدقسمت کافر'' سمجھتے ہیں اور بھلا اس روشن خیال سوسائٹی میں کون یہ چاہے گا کہ پس ماندہ اور ''بدقسمت'' افراد کی برادری سے تعلق پیدا کرے۔

## اسلام سے پہلی شناسائی:

میری عمر ۲۳ سال کی تھی جب میں پہلی دفعہ اس شخص سے ملی (یعنی ڈاکٹر عمر عبدالعزیز سے) جسے دو سال بعد میرا شوہر ہونا تھا، وہ دیکھنے میں کسی بھی دوسرے جرمن باشندے کی طرح تھا اور جب اس نے مجھے یہ بتایا کہ وہ ۷ سال قبل مشرف بہ اسلام ہو چکا

ہے تو میں سخت متعجب ہوئی میں یہ جاننے کے لئے بے تاب تھی کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی نے جس نے پی ایچ ڈی بھی کر لی تھی، یہ فیصلہ کیونکر کیا؟

اس نے مجھے بتایا کہ اللہ صرف مسلمانوں کا ''خدا'' نہیں بلکہ خدا کے لئے عربی زبان کا لفظ ہے۔ مسلمان خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح پرستش نہیں کرتے جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ کی کرتے ہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ ایک اور صرف ایک خدا...... اللہ...... کی کامل اطاعت کی جائے اس نے مجھے بتایا کہ اسلامی عقائد کی رو سے سب انسان چرند پرند اور پودے اور کائنات کی ہر شے ''مسلم'' ہیں کیونکہ انہیں بہر حال خدا کے قانون کے مطابق ہی چلنا پڑتا ہے ورنہ وہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں گے۔ وہ جانور جو خدا کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق خوراک نہیں کھاتا ہے، آخر کار موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔ وہ پھول جو رات کو اپنی پنکھڑیاں سمیٹنے کی فطری خواہش کو پورا نہیں کرتا مرجھائے جائے گا۔ اس نے مجھ کو بتایا کہ یہ صرف انسان ہی ہے جسے جسمانی امور میں مجبوراً تابع ہونے کے ساتھ ساتھ اس آزادی وخود مختاری سے بھی سرفراز کیا گیا ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ وہ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے اپنی زندگی کی تشکیل ایک ''مسلم'' کی طرح کرنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ یہ فیصلہ کرے اور پھر اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرے تو وہ خدا اور خدا کی ساری مخلوقات سے ہم آہنگ ہوگا۔ اس دنیا میں اسے ذہنی سکون حاصل ہوگا اور بعد آنے والی زندگی میں رحمت و برکت اس کا مقدر ہوگی۔ لیکن اگر وہ خدا کے قوانین سے بغاوت وسرکشی کی روش اختیار کرے گا خدا کے وہ قوانین جو بڑے ہی حسین انداز سے اور بہت ہی وضاحت کے ساتھ قرآن پاک کے ذریعے ہم کو بتائے گئے ہیں، تو اس زندگی میں بھی اور بعد کی زندگی میں بھی ناکامی اس کے لئے مقدر ہے۔

مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے جو پہلی دفعہ وجود میں آیا ہے بلکہ یہ تو چودہ سو سال پہلے وجود میں آیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ پاک وحی الٰہی کے اس سلسلے کی جس میں تورات اور انجیل خاص اہمیت کی مالک ہیں، سب سے آخری سب سے صحیح اور بالکل غیر محرف کڑی ہے۔ اس طرح ڈاکٹر عبدالعزیز نے میرے لئے ایک نئی دنیا کے دروازے کھول دیئے۔ ان کی رہبری میں میں نے اسلام کے متعلق وہ کتابیں

پڑھنا شروع کیں جو جرمن زبان میں موجود تھیں اور جو عیسائی نقطہ نظر سے نہیں لکھی گئی تھیں۔ محمد اسد کی ''اے روڈ ٹو مکہ'' میرے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئی۔

## دولت ایمان:

شادی کے چند ماہ بعد جب میں نے ۱۹۶۰ء میں اسلام قبول کیا تو میں روزے رکھ چکی تھی، عربی میں نماز پڑھنا سیکھ چکی تھی اور میں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی کرلیا تھا۔ یہ سب میں نے اس لئے کیا تا کہ مجھے اطمینان ہو سکے میں اپنے اسلامی فرائض کو بخوبی ادا کرسکوں گی۔ قرآن کی حکمت و دانش نے میرے اندر عقیدت و محبت کے جذبات جگائے لیکن سب سے عظیم مسرت مجھے نماز کے ذریعے ہی حاصل ہوئی۔ جب میں خدائے بزرگ و برتر کے حضور عاجزی سے جھکی یا کھڑی ہوتی تھی تو مجھے خدا کے اپنے ساتھ ہونے کا اتنا قوی احساس ہوتا تھا کہ ہرگز کوئی شک نہیں گزرتا تھا کہ میں نے بالکل صحیح اور سچی راہ اختیار کرلی ہے۔

میں اور میرے شوہر اس بارے میں متفق تھے کہ ایک مغربی ملک میں مسلمان کی حیثیت سے رہنے میں طرح طرح کی مصالحتوں کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اسلام پر صحیح معنوں میں عمل صرف ایک مسلمان معاشرہ ہی میں ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام عام مفہوم میں مذہب نہیں بلکہ زندگی گزارنے کے لئے ایک مکمل نظام ہدایت ہے چونکہ ہم دونوں نے اس طریقِ زندگی کو از خود ہی اختیار کیا تھا، اس لئے ہم کسی نامکمل کچے پکے اسلام پر قانع ہونا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ جب ایک طویل مدت تک تلاش کے بعد موقع ملا اور ہمارے پاس سفر کے لئے رقم ہوئی تو ۱۹۶۳ء میں ہم پاکستان ہجرت کر کے آ گئے۔

پاکستان آ کر ہی مجھے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی فی الواقع اپنے ایمان کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہو تو ایک نومسلم کو کس طرح اپنی پوری زندگی میں یک سر انقلاب لانا ہوتا ہے۔

میں نے پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرنا شروع کردی۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ نماز کوئی ایسی چیز نہیں کہ جب مناسب اور آسانی ہو تو پڑھ لی جائے بلکہ ایسا معمول ہے جس کے گرد سارے دن کی مصروفیات گھومتی ہیں۔ میں نے پردہ شروع

کردیا، میں نے یہ بھی سیکھا کہ جب میرا شوہر اپنے دینی بھائیوں سے پرجوش گفتگو میں مصروف ہو تو میں چائے بناؤں اور بغیر یہ جانے ہوئے کہ کس کے لئے بنائی ہے، دروازے پر پردے کے پیچھے سے حوالے کردوں اور اس پر خوش اور مطمئن رہوں۔ میں نے معمولاً تمام وقت گھر پر ہی گزارنا شروع کردیا اور بجائے بازاروں میں خرید و فروخت کرنے کے انگریزی میں اسلام کے بارے میں کتابیں لکھنا شروع کیں۔ میں روزہ رکھتی اور اس کی عادی ہوگئی کہ سخت بھوک اور پیاس کے باوجود بھی بغیر چکھے کھانا پکاؤں۔ حدیث وسنت کی کتابیں پڑھ کر میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کرنا سیکھا، وہ میرے لئے جیتے جاگتے متعین انسانی کردار تھے۔ محض قابل تعریف تاریخی شخصیات نہیں! اپنی زندگی میں انہوں نے خوش اخلاقی، بہادری، شجاعت، قربانی اور تقویٰ کے جو نمونے پیش کئے ان کی حیثیت روشنی کے میناروں کی تھی جن کی رہنمائی میں سفر حیات کی منزلیں طے کی جاسکتی ہیں۔ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے؟ اس بارے میں شبہات جیسے یک لخت ختم ہوگئے اب مجھے محض اپنے ضمیر پر بھروسہ نہ کرنا تھا جو پہلے ہی بزرگوں اور دانش مندوں میں ایک مشتبہ رہبر ہے۔ اب مجھے بالکل وضاحت سے معلوم تھا کہ اچھا بننے کے لئے اور اس دنیا میں مطمئن رہنے کے لئے اپنی زندگی کس طرز پر ڈھالنا چاہیئے اور اس دنیا کا طرز عمل ہی وہ بنیاد ہے جس پر یہ طے ہوگا کہ بعد کی زندگی میں ہمارا کیا انجام ہوتا ہے؟

## معترضین سے دو دو باتیں:

اسلام کے دشمن قرآن کے احکامات کے خلاف جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کبھی تعصب سے خالی ہوکر کسی معاشرے میں رہے ہی نہیں۔ ان کا تعصب ان کو ان فوائد کا اندازہ ہی نہیں کرنے دیتا جو مسلمانوں کو حرام وحلال کے واضح اور خیر وشر کے الہٰی تصورات کے علم سے حاصل ہیں اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا برا فعل ہے تو وہ ذرا یہ تو بتائیں کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کے علاوہ چھپا کر داشتائیں رکھے اور یہ ایک ایسا فعل ہے جو اسلامی ممالک کی کثیر الازدواجی کے مقابلہ میں مغربی ممالک میں کہیں زیادہ عام ہے، تو یہ افراد متعلقہ کے لئے کس طرح

مفید ہوتا ہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ شراب پینے میں کوئی نقصان نہیں تو مے نوشی کی عادت نے مغرب میں جو تباہی پھیلائی ہے اس کی وجہ تو بتائیں؟ وہ کہتے ہیں روزے قوم کی قوت اور صحت کو کمزور کرتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ پُرعزم مسلمانوں کے ان شان دار کارناموں پر نظر ڈالیں جو ماہ رمضان کے مقدس ماحول میں انہوں نے سرانجام دیئے اور ذرا ان یاداشتوں کا مطالعہ کریں جو موجودہ مسلمان ڈاکٹروں نے اپنے روزہ دار مریضوں کے بارے میں اپنے تجربات کے بعد تحریر کئے ہیں۔ اگر وہ یہ کہتے ہیں صنفوں کی آزادی ضروری امر ہے تو ذرا کسی مسلم ملک کے نوجوان کا کسی مغربی ممالک کے نوجوان سے موازنہ کریں، مسلمانوں میں نکاح سے قبل کسی لڑکے اور لڑکی میں تعلقات کا ہونا ایک شاذ امر ہے اور مغربی ممالک میں ایسی شادی جس میں لڑکا لڑکی اس وقت تک باعصمت رہیں اس سے بھی زیادہ شاذ ہے۔ اگر ان کی رائے یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز اور وہ بھی ایسی جو مسلمانوں کی اکثریت کے فہم سے بالا ہو، وقت اور قوت کا ضیاع ہے تو وہ مغرب میں کسی ایسی رسم یا طریقہ کا پتہ تو بتائیں جو مسلمانوں کی اس نماز سے زیادہ افراد کو مضبوطی سے متحد کرنے والا ہو اور جسم و روح دونوں کے لئے بہتری کا باعث ہو۔ وہ یہی ثابت کردیں کہ مغربی افراد اپنے فارغ اوقات میں اس سے زیادہ مفید کام کرتے ہیں جو ایک مسلمان کرتا ہے جب کہ وہ دن بھر میں ایک گھنٹہ اپنی نماز کے لئے نکالتا ہے۔

اگر ہر مسلمان اچھا مسلمان نہ بھی ہو تو بھی ایسے بہت سے مرد اور عورتیں مل جائیں گی جو بہت بہتر انداز کی اسلامی زندگی گزارنے کی ہر ممکن انسانی کوشش کرتے ہیں وہ شخص جو گہرائی میں جاکر انسانی زندگی کی ان خاموش تہوں میں ان اچھے آدمیوں کو تلاش کرنے کی تکلیف ہی نہ کرے بلکہ سطح زندگی پر پائی جانیوالی ان رنگا رنگ لہروں کو دیکھ کر فیصلہ صادر کردے، وہ اسلام کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ چند سو سال پہلے بھی اسلام اچھا تھا اور آج بھی یہ اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر اسے مسخ کرنے والی ملاوٹوں سے علیحدہ کر کے اختیار کیا جائے تو کوئی بھی عقیدہ اور کوئی بھی نظریہ حیات اسلام سے برتر نہیں۔ بہت سوں کو اس کا آج بھی احساس ہے اور انشاء اللہ وہ منظم ہو کر اس بلکتی کراہتی، غیر مطمئن اور پریشانیوں میں مبتلا دنیا کو بھی یہ بتلا دیں گے کہ اسلام آج بھی سارے مادی اور روحانی دکھوں کا واحد علاج ہے۔

مجھے ان سب باتوں کا حقیقی احساس پاکستان آ کر ہوا۔ ان تجربات نے مجھ کو مالا مال کر دیا، مسرت سے ہمکنار کیا، اطمینان وقناعت کی دولت عطا کی، امیدوں سے میرے دامن کو بھر دیا مجھے ایک لحہ کے لئے بھی کبھی ان چیزوں کا خیال نہ آیا جو میں جرمنی میں چھوڑ آئی تھی۔ معقول تنخواہ پر میری سیکریٹری کی حیثیت سے ملازمت، اپنی موٹر کار، تعطیلات، باہر کی سیر وتفریح ریڈیو، ٹیلی ویژن، اور فرنیچر سے مزین ہمارا فلیٹ کسی چیز کا بھی نہیں۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر جرمنی میں اپنے خاندان میں، اپنے خاندان کے ساتھ مجھے بات کرنے کا موقعہ ملے، تو میری سمجھ میں نہیں آئے گا کہ میں ان سے کیا بات کروں؟ جب کہ اپنے دینی بھائیوں اور بہنوں کی رفاقت مجھے نیا جذبہ عطا کرتی ہے، مجھے محبت کا احساس دیتی ہے، مجھے بالکل گھر کی سی اپنائیت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ اب میں ان ہی میں سے ایک ہوں۔

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: جمائیما خان **ملک کا نام**: برطانیہ

# جمائیما خان

## (مشہور کرکٹر عمران خان کی بیوی کا قبول اسلام)

پاکستان کے مشہور کرکٹر اور سیاست دان (چیئر مین تحریک انصاف) جناب عمران خان کی بیگم جمائیما خاں کا تعلق انگلینڈ کے ایک غیر مسلم گھرانے سے ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور عمران خان سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد ان سے پہلا انٹرویو لندن کے ایک صحافی شاہد سعد اللہ نے کیا جو لندن ہی کے ایک اخبار ''دی نیوز'' میں شائع ہوا اور جسے روز نامہ ''نوائے وقت'' لاہور نے شائع کیا۔ اس انٹریو میں محترمہ جمائیما خاں نے متفرق موضوعات پر گفتگو کی ہے میں نے صرف وہ حصہ اخذ کیا ہے جو ان کے قبولِ اسلام سے متعلق ہے۔

بلا شبہ میرے دادا یہودی تھے، لیکن چونکہ میری دادی کیتھولک عیسائی تھیں اور یہودیوں میں نسل ماں سے چلتی ہے اور اولاد کو اسی کا عقیدہ اختیار کرنا ہوتا ہے، اس لئے میرے والد یہودی نہیں رہے اور ان کی ساری پرورش عیسوی عقائد کے مطابق ہوئی۔ خود میری والدہ کا تعلق اینگلیکن پروٹسٹنٹ چرچ سے ہے، اس طرح آبائی طور پر میرا تعلق بھی عیسائی مذہب سے تھا۔ یہودیت یا صیہونیت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

میں برسٹل یونیورسٹی سے انگریزی ادبیات میں ڈگری کورس کر رہی تھی جب عمران خاں سے میرا تعارف ہوا اور ہم نے اکٹھے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ عمران خاں کسی غیر مسلم لڑکی سے شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے، اس لئے میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ موصوف نے مجھے اسلام کے بارے میں بہت سا لٹریچر فراہم کر دیا اور میں اپنے کورس کی تعلیم معطل کر کے سات آٹھ ماہ تک توجہ سے اس کا مطالعہ کرتی رہی حتیٰ کہ میں اسلام کی حقانیت کی قائل ہو گئی اور ایک روز کلمہ

شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔

یہ درست ہے کہ میری پرورش ٹھوس مذہبی فضا میں نہیں ہوئی تھی، گھر کا ماحول عام یورپین گھرانوں کی طرح سیکولر تھا، لیکن ہمارے ہاں اخلاقی اقدار کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا اور سب لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔

مجھے دین اسلام کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ یہاں بغیر کسی درمیانی واسطے کے خدا سے براہ راست تعلق قائم کیا جاسکتا ہے، اور ہر شخص اپنے اعمال کے لئے خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ یہاں نجات کے لئے نہ پیشہ ور پادریوں کی احتیاج ہے نہ کفارے جیسے بے بنیاد عقیدے کی۔

اللہ کا شکر ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی میں تثلیث کی قائل نہیں تھی اور توحید پر یقین رکھتی تھی، اس لئے جب میں نے توحید خداوندی کے بارے میں پڑھا، تو میرے ذہن نے اس کی حقانیت کو فوراً تسلیم کرلیا۔

اسلام کے اس پہلو نے بھی مجھے بہت متاثر کیا کہ، یہ ایک مکمل نظام حیات ہے، اور زندگی کے ایک ایک شعبے میں رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ نہانے دھونے سے لیکر خاندانی تعلقات اور معاشرتی روابط کے حوالے سے ایک ایک معاملے میں یہ دین ٹھوس اور فطری رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شادی کے بعد جب میں اپنے سسرال لاہور، پاکستان گئی تو اسلام کی برکات سے مزید آشنا ہوئی۔ میں نے وہاں دیکھا کہ یورپ کے بالکل برعکس وہاں گھر کے سب افراد باہم یک جان ہوکر محبت اور اخلاص کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ یورپ کی طرح وہاں بوڑھے لوگوں کو اولڈ ایج ہومز کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ وہ گھروں کے اندر اپنی اولاد کے درمیان زندگی گزارتے ہیں۔ سب چھوٹے بڑے ان کا بے حد احترام کرتے ہیں، ہر معاملے میں ان کی آراء کو مقدم جانتے ہیں اور ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، میرے لئے یہ منظر انوکھا بھی تھا اور بے حد قابل تحسین بھی۔

یوں تو میرے شوہر عمران خاں کے گھر کے ہر فرد نے مجھے خصوصی احترام اور محبت سے نوازا، لیکن جس تپاک، گرمجوشی، خلوص و ایثار اور محبت و احترام کا انداز مجھ سے خاں صاحب کی بہنوں نے اپنایا اس کی یاد مجھے مسرتوں سے نہال کردیتی ہے۔ اور

اس طرح کی کوئی مثال یورپین معاشرے میں نہیں ملتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس خاندان کا یہ رویہ اسلام کی برکت سے ہے اس لئے اپنے سسرالی خاندان کے ماحول میں اسلام پر میرا ایمان اور یقین مزید پختہ ہوا اور میری خواہش ہے کہ اس میں مزید استواری اور استحکام پیدا ہو۔

**سابقہ نام**: الکسند رار براؤ **سابقہ مذہب**: عیسائیت

**اسلامی نام**: کریمہ **ملک کا نام**: جرمنی

# جرمن خاتون کا قبول اسلام

''ذیل میں ایک جرمن خاتون الکسند رابراؤ کے قبول اسلام کی ایمان افروز سرگزشت شائع کی جارہی ہے، نومسلمہ جس کا اسلامی نام کریمہ رکھا گیا ہے کہتی ہیں کہ ''قرآن مجید کے مطالعے کے بعد مجھ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوئی جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ نصرانیت صحیح نہیں ہے، اسلام ہی دین حق ہے، فطرت وعقل سے مطابقت رکھتا ہے''۔

مستشرقین ان مغربی عالموں کو کہتے ہیں جو علوم مشرقیہ حاصل کریں، علماء الغرب العلوم الشرق، حقیقتاً مستشرقین کا مقصد علوم شرقیہ کے حصول سے کسب علم نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلام کے نقائص کو ابھارا جائے اور اسلام کو توڑ مروڑ کر غلط انداز میں پیش کیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی غلط تصویر آ جائے۔

چنانچہ یورپ میں عربی زبان کی تعلیم اور دوسری مشرقی زبانوں کی تعلیم پر جو توجہ دی گئی وہ کسب علم کے لئے نہیں تھی بلکہ اس سے کلیسا اور اس کی سرپرستی میں یورپی اداروں کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کو عقیدتاً عیسائی بنا دیا جائے تاکہ یہ مستشرقین عربی زبان سیکھ کر قرآن وحدیث کے نقائص کو بیان کریں اور اسلامی عقائد میں غلط افکار کو شامل کریں۔

استشراق غزوفکری کی قسم سے ہے، غزوفکری کہتے ہیں جنگ کو کہ جب یورپ غزوفکری سے مایوس ہوگیا کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو شکست نہیں دی جاسکتی ہے کیونکہ ان میں ایمانی جوش وجذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اسلام کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر لینے کا عزم کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے مغرب کو شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

چنانچہ اپنی فتح سے مایوس ہو کر مغربی مفکرین، شہنشاہوں اور ارباب کلیسا نے یہ تجویز رکھی کہ مسلمانوں کے افکار کو بدل دیا جائے، اور ان کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا دیا جائے، تبھی ان کو شکست دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ قدیس لویس جو کہ فرانس کا بادشاہ تھا اور قائد "حملة الصليبتي" تھا۔ پہلا یورپی شخص ہے جس نے بار بار شکست کھانے کے بعد غزو فکری کی طرف منتقل ہونے کی وصیت کی تھی، اس نے یہ وصیت کی کہ ہم تجربہ کر چکے ہیں کہ جب ہم حملہ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں جذبہ ایمانی پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ فتح یاب ہوتے ہیں۔ اس نے لکھا کہ ہمیں ان جذبات کے سوتوں کو خشک کرنا پڑے گا، مگر اس وصیت پر عمل نہیں ہوسکا، کہا جاتا ہے کہ یہ ۱۲۵۲ء کا واقعہ ہے، لیکن اس بعد جب پادری کو اس وصیت کی طرف متوجہ کیا گیا تو مستبشیری مدارس قائم کئے گئے جہاں باقاعدہ اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، پھر ان مستشرقین کو اسلامی ملکوں میں بھیجا جاتا تھا، جو غزو فکری کا کام انجام دیتے تھے۔

جہاں تک اندلس میں استشراق کی ابتدا کا تعلق ہے تو وہاں صلیبیوں کا مسلمانوں پر حملہ سخت ہو چکا تھا بادشاہ (میثیل سکوت) نے مسلمانوں کے علوم اور ان کی تہذیب کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ کی دعوت دی اور پھر عیسائیوں کے بعض پادریوں کو جمع کیا۔ اور بعض عربی کتابوں کے انگریزی زبان میں ترجمے کرانے شروع کئے اور دوسری طرف طلیطلہ کے پوپ (ریمون لول) نے ترجمہ کے سلسلہ میں بڑی سرگرمی دکھائی جس کے نتیجے میں یورپ کی یونیورسٹیوں میں متعدد عربی کتابیں پڑھائی جانے لگیں۔

اس کے جو نتائج سامنے آئے وہ مغربی مفکرین کے لئے ہمت افزا تھے، چنانچہ مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ اس کے جو نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے وہ نتائج برآمد ہوئے جو ہمارے آباؤاجداد بڑی جنگوں سے بھی برآمد نہیں کر سکے، ہم نے مسلمانوں کے ایمانی جذبہ کو ختم کر دیا، ان کے اندر سے جہاد کی روح نکال دی، ان کو خرافات کا عادی بنا دیا۔

اگر آج ہم اس کے نتائج پر نظر ڈالیں تو ہمیں پوری دنیا مغربی تہذیب میں مکمل طور پر غرق نظر آئے گی اور یہی مفکرین کا مقصد بھی تھا کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیب اور اپنی خصوصیات سے اور اپنے مذہب سے متوحش ہو جائیں اور ان کے ذہن

ملحدانہ نہ ہو جائیں۔

ان لوگوں نے جو ابتدائی نصاب تیار کیا وہ اس طرح تیار کیا کہ اس کے پڑھنے سے اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو اور اسلام کی غلط تصویر ذہن میں پیدا ہو، مثلاً بچوں کے نصاب میں چوری کرتے ہوئے مسلمان کو دیکھایا اور بھلائی کرتے ہوئے یا چور کو پکڑتے ہوئے عیسائی کو دیکھایا، جیسے زید چور ہے، جوزف نیک ہے، جس کی وجہ سے بچہ کے ذہن و دماغ میں بچپن ہی سے مسلمانوں کی غلط تصویر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مسلمانوں کو قابل نفرت انسان سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود معاشرہ کی اکثریت اپنے بچوں کو انہی مشنری اسکولوں میں تعلیم دلوا رہی ہے، جہاں شرک کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں ہر بچہ پر لازم ہے کہ وہ صلیب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور دوزانو ہو کر بیٹھے اور دعا کرے، کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اور گھر میں ان بچوں کی اسلامی تعلیم کا انتظام بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو اسلامی تاریخ بتائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط تصورات وخیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، جس کا توڑ نہیں ہو پاتا اور بعد میں یہی خیالات وتصورات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتے ہیں اس میں ان بچوں کا قصور کم لیکن ان کے والدین کا قصور زیادہ ہے، جو اسلامی اسکول اور مدارس کے ہوتے ہوئے بھی بچوں کو لادینیت والحاد کے عمیق غاروں میں دھکیل رہے ہیں جوان کے لئے آج بھی موجب سوال ہے، تو کل بھی موجب سوال ہوگا۔

جرمن خاتون الکسندرا برا و بہت کم عمری میں اسلام لائیں، اس وقت تک ان کی کسی مسلمان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ۱۲ سال تھی اور وہ سیکنڈری تعلیم کے مرحلے میں تھیں ان کے اسلام لانے کا قصہ عجیب وغریب ہے وہ اپنے اسلام قبول کرنے کی کہانی اس طرح سناتی ہیں۔

میں ۱۹۵۰ء میں مغربی جرمنی کے اس علاقہ میں پیدا ہوئی جو دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد یورپ سے نکالے گئے ان پناہ گزینوں کے لئے مخصوص تھا، جن کا تعلق اقلیت سے تھا۔ میں بچپن ہی سے خود کو غیر محفوظ سمجھتی تھی، میرا خاندان کہنے کو تو کیتھولک کلیسا کا تابع تھا، لیکن حقیقت میں خاندان والے بے دین تھے۔ اسی وجہ سے مذہب کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا اور تنہا رہنے اور بہت زیادہ غور وفکر کرنے سے

مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ضرور ہے اور وہ ہمارا محاسبہ کرنے والا ہے، چنانچہ ہمارے لئے ایسی زندگی گزارنا لازم ہے جو اخلاقی قدروں کے تابع ہو، اسی احساس نے میرے اندر صحیح دین کی تلاش کی فکر پیدا کی، میں کلیسا جاتی لیکن مجھے سکون نہیں ملتا تھا، اسکول جاتی اور انجیل پڑھتی اور بہت زیادہ کتابیں بھی پڑھتی تھی چنانچہ یہی مطالعہ میرا زادراہ تھا، مختلف تہذیبوں اور ادیان کے سلسلے میں میرا مطالعہ جاری رہتا اس مطالعے سے مجھے مشرقی تہذیبوں، خاص طور سے اسلامی تہذیب سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میں نے اسلامی عقائد کو پڑھا اور کافی حد تک ان سے متاثر بھی ہوئی اور آخر اپنے خاندان والوں سے میں نے مطالبہ کیا کہ مجھے قرآن کا ترجمہ اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فراہم کی جائیں۔

## قرآن کا ترجمہ:

۱۹۶۳ء کی کرسمس کی شام کو مجھے قرآن شریف کا ترجمہ اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نسخہ دستیاب ہوا، جن کا بڑے شغف کے ساتھ میں نے مطالعہ کیا دو گھنٹے تک مسلسل قرآن کے معانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتی رہی اور تقریباً نصف شب کے وقت مجھ پر عجیب وغریب احساس طاری ہوا اور مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ نصرانیت صحیح نہیں ہے اور مجھ کو اسلام قبول کر لینا چاہیئے، صرف اسلام ہی دین حق ہے اور وہی فطرت وعقل سے مطابقت رکھتا ہے، لیکن میرے خاندان والوں نے ان افکار کی تصدیق نہیں کی اور انہوں نے اس کو عشق ومحبت میں مبتلا ہونے کا گمان ہو گیا، میں اسلام کا مطالعہ کرتی رہی لیکن افسوس کہ مجھ کو اکثر وہ کتابیں حاصل ہوئیں جو مستشرقین کی لکھی ہوئی تھیں، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں میرے اندر غلط معلومات کا اضافہ کیا، مثلاً میں نے پڑھا کہ اسلامی حکومت میں پردہ میں ہر وہ کام کیا جاتا ہے جیسا کہ کمال اتاترک نے ترکی میں کیا۔

## لندن اسلامی مرکز:

ان سالوں کے دوران جس میں میرے دل نے تو اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن مجھ کو نیک اور عامل مسلمانوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں ان کے ذریعہ اسلام

کی حقیقت سے آشنا ہوسکوں اور فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان سے معلومات حاصل کروں، میں اس وقت تک نماز پڑھنا نہیں جانتی تھی، لیکن ۱۹۶۸ء میں کچھ طالبات کے ساتھ انگریزی کی تصحیح کے لئے جب لندن کا سفر ہوا تو اس سفر کے دوران مجھے اسلام سے واقفیت کا موقع مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے لندن میں ایک اسلامی مرکز کی طرف میری رہنمائی فرمائی، وہاں جا کر میں نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے عبادات اور مسائل اور اسلامی احکام سیکھنے کے لئے بعض کتابیں مجھ کو دیں، اور ان سب میں سے اچھی بات یہ ہوئی کہ جامعہ ازہر کے شیخ، شیخ حسن الباقوری سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ علاج کی غرض سے لندن آئے ہوئے تھے، انہوں نے مجھے مصر دیکھنے کی دعوت دی اور جامعہ ازہر سے عربی زبان سیکھنے اور قرآن کی تعلیم کے لئے موقع فراہم کیا، اور میں پہلی مرتبہ ۱۹۶۹ء میں قاہرہ پہنچی اور جامعہ ازہر گئی اور ''مدینۃ النصر'' میں کلیۃ البنات میں میرا داخلہ ہوگیا۔ جس نے عربی زبان میں تعلیم حاصل کرنے اور قرآن و اسلامی کتابیں پڑھنے کی صلاحیت پیدا کردی۔

## مستشرقین اسلام کو ناپسند کرتے ہیں:

گیارہ مہینے کے بعد میں اپنے ملک واپس ہوئی اور علوم مشرقیہ کے ادارہ میں داخلہ لیا جہاں میرے اساتذہ اکثر جرمن مستشرق تھے جو اسلام سے بغض و کینہ رکھتے تھے، لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے تھے، اسی وجہ میرے لئے اس وقت تک جب تک میں اپنی تعلیم مکمل کر کے (ایم اے) کی ڈگری حاصل نہ کرلوں اپنے اسلام کو چھپانا ضروری تھا، میں مشرق وسطی اور انڈونیشیا سے آئے ہوئے ان مسلمان طلبہ سے جو جمعہ کے دن نماز کی ادائیگی کیلئے جمع ہوتے تھے ملی اور انہوں نے ہی بعض مصری طالب علموں سے میرا تعارف کرایا اور ان ہی میں ایک مصری جوان تھا جو ڈاکٹریٹ کر رہا تھا، میں اس سے متعارف ہوئی اور اس کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئی اور میرے دل میں مسلمانوں کے بارے میں جو بدگمانی تھی وہ دور ہوئی، آخرکار مصری سفارتخانہ میں ہم نے شادی کرلی اور میں نے اپنا نام الکسندرا سے تبدیل کر کے کریمہ رکھا اور جرمنی میں میرے شوہر کے ڈاکٹریٹ کرلینے کے بعد میں نے اس کے ساتھ ہی مصر میں زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔

اس لئے کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے جہاں اپنے عقیدہ کے اظہار کے لئے مجھے کسی مشکل کا سامنا نہیں تھا۔

۱۹۸۹ء میں اللہ کے فضل سے اپنے شوہر کے ساتھ میں نے عمرہ کی ادائیگی کی اور مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ ۱۹۹۰ء میں حج کی سعادت حاصل کی، اس وقت مصر کی یونیورسٹی میں میرے شوہر پروفیسر ہیں آخر میں قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میرے اوپر اس کا بڑا فضل ہے اور مجھ کو ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ دعا کرتی ہوں کہ اس دین صحیح پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

**سابقہ مذہب**: عیسائیت **اسلامی نام**: یاسمین **ملک کا نام**: فرانس

# یاسمین کفر سے اسلام تک

مغرب کی اضطراب انگیز زندگی کے بھنور سے نکل کر اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے والوں کی تعداد میں بحمداللہ دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ طبقۂ نسواں بطور خاص اسلام میں عورت کے محفوظ و مامون مقام کو رشک و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک لادینی نظام اور نام نہاد آزادی کے ہاتھوں ستائی ہوئی عورت جہاں تحفظ کی ضمانت پالیتی ہے، اپنے آپ کو دین حق کی سپردگی میں دینے میں تامل نہیں کرتی۔ وہ حدود و قیود جو جدیدیت زدہ مسلمان عورت کے حلق کی پھانس بن جاتی ہے، انہیں وہ نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر قبول کرتی ہے اور انہیں اپنے اوپر عائد کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔ فرانس سے آنے والی اپنی نومسلم بہن یاسمین کو دیکھ کر دو یہودی نومسلم بہنیں میری نگاہوں میں گھوم گئیں جنہوں نے اسلام قبول کرتے ہی حجاب کی تمام تر حدود کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلی اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہی اپنی نوکریوں کو خیر باد کہہ کر گھر کے مورچے سنبھال لئے۔ وہ سکون اور طمانیت جوان کے چہروں کو منور کئے دیتے تھیں آج بھی مجھے یاد ہے، گھر کا تحفظ انہیں کس درجہ عزیز تھا اس کا تذکرہ کرتے وہ نہ تھکتی تھیں۔ یاسمین نے ان دو بہنوں کی یاد تازہ کردی۔

یاسمین سے اسلام آباد میں ملاقات ہوئی جہاں وہ اپنے شوہر کے ہمراہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ ملاقات تو اخوت کے تقاضوں کو نبھانے کی غرض سے تھی، تاہم یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ اس گفتگو میں قارئین کی شرکت بھی بصورت انٹرویو ہوجائے نومسلم بہنیں ہمیشہ ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح روح ایمانی کو تازگی عطا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ دین کی حقانیت پر یقین پختہ تر ہوجاتا ہے، بن مانگے بن ترسے کی پائی ہوئی ہدایت پر احساس تشکر کچھ اور گہرا ہوجاتا ہے، احساس ذمہ داری فزوں تر ہونے لگتا ہے، سرد پڑے جذبوں کو مہمیز لگتی ہے، سست پڑتے قدم توانائی پاجاتے ہیں۔

یاسمین کو میں نے رشک کی نگاہ سے دیکھا، اس کی شعوری عمر اس جوانی میں بھی صرف دو سال ہے۔ اس کی گزری ہوئی زندگی کی تاریکی کو ایمان نے منور کر دیا، حساب کتاب کو آسان تر بنا دیا، مجھے اپنے دامن کی سیاہی اور گہری ہوتی دکھائی دی، اپنے کاندھوں پر تین دہائیوں کے حساب کا بوجھ مجھے توڑے ڈال رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ یاسمین کا چہرہ نوزائیدہ بچے کی طرح معصوم دکھائی دے رہا تھا، خیالات کا تانا بانا توڑتے ہوئے مجھے حقائق کی دنیا میں لوٹنا پڑا۔

یاسمین اسلام قبول کرنے کا محرک کیا تھا۔ اس سے پہلے آپ کی زندگی کیسی تھی؟ میں نے سوال کیا۔

یاسمین گویا ہوئیں: دو سال پہلے تک میری زندگی وہی منحوس فرانسیسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ میں نوکری کر رہی تھی، ماں باپ سے الگ تنہا رہتی تھی، مہینے میں ایک مرتبہ والدین سے ملاقات کے لئے چلی جاتی تھی، لیکن میری زندگی بہت بے سکون تھی، میری روح تشنہ تھی، محبت کی پیاسی، تنہائی کی ماری ہوئی، چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش مجھے بے کل کیئے رکھتی تھی۔ لیکن کوئی رشتہ بھی تو ایسا نہ تھا جو میری اس پیاس کو بجھا دیتا، میری سہیلیاں تو تھیں، لیکن خود غرض اور خود پسند۔ دور دور تک خلوص ومحبت کا نام ونشان بھی نہ تھا اور میں دشت تنہائی میں حیران وسرگرداں ماری ماری پھرتی رہی۔ جب کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تو مایوسی اور غصے کی آگ میں جل بھن کر خاک ہوئی جاتی۔ میری طبیعت غصیلی اور چڑ چڑی ہوتی چلی جا رہی تھی، پژمردگی مجھے گھیرے رہتی، ایسی ہی ایک رات میں روتی ہوئی سڑکوں پر نکل گئی، آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں میں نے ایک غریب آدمی کو دیکھا جو کوڑے کے ڈبوں میں سے کھانے کی تلاش میں تھا۔ اس کی بے چارگی پر میرا دل بھر آیا، پرس میں سے اسے پیسے نکال کر دیئے اور میرے دل کی گہرائیوں سے صدا اٹھی ''اے خدا! اگر تو ہے تو میری مدد کر، مجھے راستہ دکھا میری تنہائی کا مداوا ہو جائے کہ میری ہمت جواب دے گئی ہے'' نجانے یہ دعا میں نے بے خودی کے عالم میں کیوں کر ڈالی۔ اس سے پہلے مجھے یقین بھی نہ تھا کہ خدا ہے یا نہیں (استغفر اللہ) کبھی کبھار سوچتی ضرور تھی کہ کائنات میں کتنا حسن ہے، کتنی ترتیب ہے، لیکن اس سے آگے کبھی غور ہی نہ کیا تھا، تاہم اس روز یہ دعا مانگ کر میں پُرسکون ہوگئی اور واپس

گھر لوٹ آئی۔

اسی دوران شمالی فرانس کے شہر للّی میں جہاں میں رہتی تھی مسلمانوں کا ایک تبلیغی اجتماع تھا۔ جس دوکان پر میں کام کرتی تھی وہیں تیونس کا ایک مسلمان بھی کام کرتا تھا، موصوف سے ملنے ایک فرنسیسی مسلمان آیا تو اس نے بطور خاص مجھے اس سے متعارف کروایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں فرنچ مسلمان کو دیکھ کر حیران رہ جاؤں گی کیونکہ میں یہی سمجھتی تھی کہ اسلام تو عربوں کے لئے آیا ہے، ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ بہر حال میں اس فرانسیسی مسلمان سے ملی، اس سے پہلے میں نے کبھی اسلام کے بارے میں زیادہ سنا یا غور نہ کیا تھا۔ لوگ باتیں بھی کرتے تو میں قابل اعتبار نہ سمجھتی تھی۔

اس ملاقات کے چند ہی روز بعد فرانسیسی مسلمان نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی جہاں اس کی فرانسیسی بیوی بھی مسلمان تھی۔ میں نے اس سے ملاقات کو محض گپ شپ لڑانے کا بہانہ سمجھا اور پہلے ہی کہہ دیا کہ مجھے مسلمان ہونے کو نہ کہنا۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بہر طور میں ان کے گھر گئی، باتیں ہوتی رہیں، تیونسی مسلمان کے ساتھ کام کرتے ہوئے مجھے بھی الحمدللہ، ماشاءاللہ، السلام علیکم کی عادت ہو چکی تھی، فرنچ مسلمان خاتون نے گفتگو کے دوران جب یہ الفاظ سنے تو مجھے یہ کہنے لگی کہ تم اتنی روانی سے یہ الفاظ استعمال کرتی ہو، مسلمان ہونے کے بارے میں کیوں نہیں سوچتی؟ اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتی؟ میں نے کہا کہ یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ وہ چند لمحوں میں مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ اندر لے گئی مجھے غسل کرنے کو کہا، سر پر اوڑھنے کو اسکارف دیا، میں بعد از غسل اسکارف اوڑھ کر سب کے سامنے گئی اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ میں سکون کی متلاشی تھی چاہت کی پیاسی تھی۔

یاسمین نے بات یہاں تک کی۔ ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، سبحان اللہ! حیرت انگیز طور پر خدا۔ نے اس کی اس قدر جلد دعا قبول فرمائی، لمحے کی بھی دیر نہ ہوئی۔ سوال و جواب بھی نہ ہوئے، کچھ پوچھا بھی نہیں، کچھ سوچا بھی نہیں اور مسلمان ہو گئیں۔ میں اور شریک گفتگو بہنیں سراپا سوال تھیں، یاسمین کہنے لگیں، سچ تو یہ ہے کہ میں نہیں بتا سکتی کہ میں نے اسلام کیونکر قبول کیا، یکدم بس میں پراگندہ سوچوں سے نجات چاہتی تھی، بے سکونی سے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی، میرے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا،

بے مقصدیت مجھے مار ڈالتی تھی۔ میں ایک عورت ہوں، گھر اور گھر کا سکون چاہنے والی، لیکن معاشرے کی قدریں ہمیں سوشل لائف میں، نوکریوں میں خوب سے خوب تر ہونے کی تعلیم دیتی ہیں، وہاں گھر اور بچوں کی، شوہر کی نگہداشت اور چاہت کا تصور دقیانوسیت ہے۔ فطرت پر پہرے بٹھا دیئے گئے، عورت ایک غیر فطری زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اور شاید یہی اس کی بے سکونی اور بے اطمینانی کی جڑ ہے۔ جہاں اور جب میں نے اسلام قبول کیا وہیں مجھے طریقہ بتا دیا گیا اور میں نے فوراً نماز شروع کر دی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا فرانسیسی ترجمہ قرآن اور چند ایک کتابیں لے کر میں نے مطالعہ کا آغاز کر دیا۔

اسی دوران تیونسی دوست (استغفر اللہ، قبل اسلام کی ہر بات پر یاسمین نہایت پیارے انداز میں نظر جھکا کر استغفر اللہ کہتی تھیں) نے مجھے تیونس کے ایک گاؤں میں اپنی بھابھی کے گھر جا کر رہنے کی دعوت دی جسے میں نے قبول کر لیا۔ وہاں میں پانچ ماہ مقیم رہی اور یوں میں نے اسلام کتابوں سے بڑھ کر عملاً دیکھ کر اخذ کیا، میں نے اس سادہ سے دیہات میں فطرت کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا۔ وہاں کی پرسکون زندگی مجھے اللہ کے قریب تر لانے میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ وہاں دور سے جا کر پانی لانا پڑتا تھا۔ وہاں بجلی بھی نہیں تھی۔ پانچ ماہ کے بعد میں فرانس واپس لوٹی، یہاں ایک فرانسیسی بہن ''ایمان'' نے مجھے اس راہ پر آگے بڑھنے میں مدد دی، کبھی کبھار میں سیکھنے کے ان ابتدائی مراحل میں پریشان ہو جاتی تھی تو وہ مجھے دلاسہ دیتی اور راستہ دکھاتی۔ اس جگہ میں ایک سال مقیم رہی۔

یاسمن اب تک آپ نے والدین کا تذکرہ نہیں کیا، آپ کے مسلمان ہونے پر ان کا کیا ردعمل تھا؟ میں نے پوچھا۔

دراصل ڈیڑھ سال کے بعد اب مجھے ذاتی وجوہ کی بنا پر جا کر اپنے والدین کے پاس رہنا پڑا جو اس قصبے سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر رہتے تھے، ابتداً جب انہیں میرے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے خالص مغربی انداز میں یہی کہا کہ تم بچی نہیں، اکیس سال کی ہو، اپنی زندگی کی آپ مالک ہو، جس طرح چاہو رہو، تاہم جب ان کے پاس رہتی تو والد صاحب کو میرے حجاب پر اعتراض ہوتا تھا، وہ اس حلیے میں مجھے اپنے ساتھ باہر لے جانا پسند نہیں کرتے تھے، میری والدہ کا رویہ ہمیشہ کی طرح اب بھی

میرے حق میں نرم تھا اوران کی یہی کوشش رہتی تھی کہ وہ والد صاحب سے میرے تعلق پر آنچ نہ آنے دیں۔ میری نماز روزے یا دیگر مراسم عبودیت پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا البتہ وہ اسلام پر بات کرنے کے روادار نہ تھے، نہ ہی خدا کا ذکر سننا گوارا کرتے تھے، اگر چہ میری والدہ نام کی عیسائی تھیں، لیکن ان کی سوچ الجھی ہوئی تھی اور والد نہ جانے وہ خدا پر یقین بھی رکھتے تھا یا نہیں۔ میں پانچ ماہ یہاں مقیم رہی، آگے رمضان آ رہا تھا اور میں نہ چاہتی تھی کہ یہ مقدس مہینہ اس اجنبی ماحول میں گزاروں، چنانچہ میں نے مختلف اسلامی تنظیموں کو خطوط لکھے تقریباً پندرہ کی تعداد میں کہ میں ایک ایسی نوکری کی تلاش میں ہو جو کہ مجھے معاشی تفکر سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ میرے اسلامی تشخص پر اثر انداز نہ ہو۔ ایسا ہی ایک خط میں نے ایک مسلمان بہن کو لکھا جوانہوں نے پیرس کے ہیومن سائنس انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر کو دے دیا۔ یہ صاحب ایسے افراد کی تلاش میں تھے جو انگریزی کتب کا فرانسیسی میں ترجمہ کرسکیں، انہوں نے مجھے فون پر پیرس آ کر کام کرنے کی دعوت دی، میرے کام کو تسلی بخش قرار دیتے ہوئے مجھے یہ ذمہ داری سونپ دی۔ رمضان گزارنے کے لئے اسی دفتر کی ایک یمنی فیملی کے ساتھ میری رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۸۷ء میں میں انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئی ڈاکٹر حمید اللہ نے نکاح پڑھوایا جسے میں اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کرتی ہوں۔

میرا اگلا سوال تھا یاسمین، اسلام کا کوئی ایسا جزو جس پر عمل کرنے میں آپ کو دشواری محسوس ہوئی ہو؟ پردہ، نماز، روزہ سبھی کچھ تو آپ کے لئے نیا تھا؟

بہن اسلام دین فطرت ہے تو پھر مشکل کیسی؟ جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے بتایا گیا کہ تمہیں دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنی ہے اور میں نے فوراً ہی شروع کر دی، مجھے بتایا گیا کہ اسلام میں عورت کو اللہ نے پردے کا حکم دیا ہے، میں نے قبول کرلیا کہ جب اللہ کا حکم ہے تو پس و پیش کیسی؟ اور پھر یہ بھی تو ہے ناں کہ جب اخلاص سے انسان اللہ کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو اللہ بڑھ کر اسے تھام لیتا ہے، اس کی مدد کرتا ہے۔

یہاں یاسمین نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا جو اللہ کی طرف قدم اٹھانے والے فرد کے ساتھ اللہ کی مدد کو بیان کرتی ہے۔ یاسمین نے سمعنا و اطعنا کی قرون اولیٰ

کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔ جہاں اطاعت غیر مشروط رہی، بلا پس و پیش ہوئی۔

اچھا بہن یہ تو بتائیں کہ اسلام کے کس پہلو نے اولاً سب سے زیادہ متاثر کیا؟ میں نے جاننا چاہا۔

اسلام میں معاشرتی زندگی کے حسن نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ فرد کا فرد سے تعلق، اسلامی اخوت کا رشتہ جو مجھے آپ سے جوڑ دیتا ہے۔ یہی میری زندگی کی تشنگی تھی جسے میں نے اسلام میں پایا۔ ایک دوسرے کے لئے درد، اخلاص اور محبت کے جذبات جن کے اعتبار سے ہمارا معاشرہ بنجر ہے اور پھر میں نے مقصدیت کو بھی پایا جس نے میری زندگی کے خلا کو پر کر دیا۔ یہاں گفتگو صرف خطوں، بازاروں اور رنگ و خوشبو کے گرد نہیں گھومتی بلکہ مثبت، صحت مندانہ رویوں کو پروان چڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ اور میں چپ سی ہوگئی یہ سوچ کر کہ شکر ہے یاسمین نے تحریکی دائرے سے باہر کی عام مسلمان عورت کو رنگ و خوشبو میں ڈوب کر زندگی بسر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ایک آزاد معاشرے سے یکسر مختلف اسلام کے تصورات حیات کو آپ نے کیسا پایا؟ میں نے دریافت کیا۔

حیا کا وصف مرد وزن کا محافظ ہے۔ یہی تصور جب عمل میں آتا ہے تو معاشرے کو پاک وصاف رکھنے کا سبب بنتا ہے، یوں مرد وزن کے اختلاط اور اس سے پھوٹ نکلنے والی برائیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ صرف عورتوں کی محفل میں بیٹھنے کا لطف ہی کچھ اور ہے، میں اپنے آپ کو خواتین کے درمیان اتنا ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں، کوئی بناوٹ نہیں، تصنع نہیں جو مخلوط محفلوں کا خاصا ہوتا ہے۔

یاسمین آپ اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہیں، اس ضمن میں آپ کے احساسات؟ آپ کی سوچ اور تجربہ کیا کہتا ہے۔ مغرب میں تو اسلام کی ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہی پر کڑی تنقید ہوتی ہے؟

پاکستان آنے پر میں شوہر کی پہلی بیوی سے ملی، ہمارا آپس کا تعلق خوشگوار رہا۔ بچے بھی میرے ساتھ خوش ہیں، پہلے ان کی ایک ماں تھی اب دو ہیں۔ وہ کم کم انگریزی بول سکتی ہیں لہٰذا ترجمانی میرے (استغفر اللہ) ہمارے شوہر کرتے رہے اور یوں ہماری خوب دوستی ہوگئی۔ رہا یہ سوال کہ اہل مغرب کی اس ضمن میں تنقید، تو میرا

ذہن تو یہ کہتا ہے کہ اس کی اجازت اللہ نے دی ہے۔ اسی خالق نے حدود واضح کر دی ہیں۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کامل نمونہ ہیں آپ نے ایک سے زائد شادیاں کیں اور آج یہ دروازہ ہمارے لئے بھی کھلا ہے فرانس میں بھی اور پوری مغربی تہذیب میں مرد و عورت کو محض ایک کھلونے کے طور پر لطف اندوزی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ذمہ داری سے آزاد رہتے ہوئے نتیجتاً وہاں کی عورت تنہا ہے کوئی اس کی ذمہ داری اٹھانے والا نہیں، ناجائز بچوں کی بہتات ہے، وہ کیونکر خوش رہ سکتی ہے، دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا یہ کہ مرد کی ایک بیوی اور کئی داشتائیں ہوں یا وہ زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھتے ہوئے ہر ایک ذمہ داری نبھائے۔ حرام سے بچتے ہوئے اللہ کی رضا کو بھی پا سکے۔

میرے خیال میں یہ سوال مشکل تو نہیں ہے۔ مقصد تو اللہ کی اطاعت کی راہ اختیار کرنا اور اس راہ کی ذمہ داریوں کو نبھانا ہے۔ مریم جمیلہ اس ضمن میں بہترین مثال ہیں۔ فی الحال تو میں حسد کا کوئی جذبہ اپنی دوسری بہن کے لئے محسوس نہیں کرتی۔ اگرچہ یہ ہو بھی سکتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں بھی کبھی کبھار ابھر آیا، تاہم اسے کنٹرول کر لینا چاہیئے، میرے خیال میں تو زیادہ لوگوں کا یکجا رہنا بہت ہی خوشگوار ہے کہ جہاں آپ ایک دوسرے سے محبت کریں، تعاون کریں، اللہ کی خاطر۔

پاکستان کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ میں نے سوال کیا۔

(ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے) ہاں سب سے زیادہ دکھ اور حیرت اس بات پر ہوئی کہ ایک مسلمان ملک میں خواتین پردے کے بغیر کھلے عام گھومتی ہیں۔ فرانس میں تو ہمیں پردے میں دقت پیش آتی ہے، لیکن پاکستان میں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسلام پر عمل نہ کیا جائے، کاش کہ یہ خواتین مغربی تہذیب کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں، پھر یہ کبھی اس کی تقلید کی خواہش اپنے دل میں نہ لائیں۔ بے حجابی درحقیقت عورت کو بے وقعت بنا دیتی ہے اور یوں عورت لاشعوری طور پر معاشرے میں بے راہ روی کا سبب بنتی ہے۔ اسلام نے عورت کو بے حساب عظمت عطا کی ہے، پردہ عورت کے درجے بلند کرتا ہے جبکہ مغربی تہذیب عورت کا تشخص بحیثیت بیوی بیٹی اور ماں کے بے حد گرا دیتی ہے۔

اس پہلو سے ہٹ کر بات کریں تو پاکستان ایک خوبصورت ملک ہے اور مجھے

بہت پسند آیا۔

کیا آپ اسلام میں عورت کے مقام پر مطمئن ہیں؟ میرا آخری سوال تھا۔

میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں، میں یہی کہوں گی کہ اسلام میں عورت ایک ہیرے کی مانند ہے جبکہ مغرب میں محض ایک پتھر جو ادھر ادھر لڑھکا دیا جاتا ہے۔ مسلمان عورت خوش قسمت ہے، اس پر مشکل وقت بھی آئے تو وہ تنہا نہیں کہ اس کا تعلق جو اللہ سے جڑا ہوا ہے۔ جب تک میں مسلمان نہیں ہوئی تھی میرے احساسات و جذبات کے بہہ نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ میں تنہا تھی، اب میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

پاکستانی بہنوں کے لئے کوئی پیغام؟

خدارا مغربی تہذیب کی چکاچوند پر مت جائیے۔ دور کے ڈھول سہانے ہیں، ایک قدم اللہ کی طرف اٹھایئے، اللہ بڑھ کر آپ کو تھام لے گا۔ یورپ میں مکمل آزادی وہاں کی عورت کے لئے عذاب بن گئی ہے۔ اس آزادی پر اللہ کی غلامی کو ترجیح دیجئے۔

# غیر مسلم عورتوں کے قبول اسلام کے مختصر واقعات

''اسلام کے مداح صرف ہم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں سمیٹنے کے لئے ایک الگ کتاب چاہیئے۔ میں یہاں صرف چند اسماء پر اکتفاء کروں گا، اور زیادہ توجہ ان نومسلموں پہ دوں گا جو اسلام کے کسی پہلو سے متاثر ہونے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اور اسلام پر طویل بیان دیئے تھے۔''

## مریم جمیلہ:

یہ امریکہ کی یہودی لڑکی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئی، بڑی ہو کر اسلام لے آئی اور مولانا مودودی صاحب سے خط وکتابت شروع کر دی۔ جب اعلان اسلام کے بعد امریکہ میں اس کا جینا دوبھر ہو گیا، تو مولانا کے کہنے پر لاہور آ گئی اور آپ کے گھر میں بیٹی بن کر رہنے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد لاہور کے ایک آسودہ حال تاجر سے اس کا نکاح ہو گیا، اور آجکل لاہور میں ہی آباد ہے۔

مریم جمیلہ بلند پایہ اسلامی مفکرہ ہے، اس کا انداز بیان محققانہ ہے اس کی دو تصانیف بڑی شہرت حاصل کر چکی ہیں، یعنی ''اسلام اینڈ ماڈرن ازم'' اور ''اسلام اینڈ ویسٹ'' قبول اسلام کے اسباب پہ روشنی ڈالتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

''میں نے اس لئے اسلام قبول نہیں کیا کہ مجھے آبائی مذہب سے نفرت تھی۔ بلکہ اس لئے کہ مجھے کمال سے محبت تھی، یہودیت ایک محدود اور تنگ معاشرہ ہے اور اسلام ایک ہمہ گیر آفاقی مذہب ہے میں نے لامحدود کو محدود پر ترجیح دی۔''

## مس سٹینمن:

اسلام لانے کے بعد انگلستان کی اس لڑکی نے اپنا نام مسعودہ رکھا۔ یہ ایک بیان میں کہتی ہے:

''انسان کائنات کا ایک جزو ہے، یہ زندگی کو اسی صورت میں بامقصد بنا سکتا ہے، کہ یہ کُل نیز دیگر تمام اجزاء سے صحیح و مناسب روابط قائم کرے۔ اسی سے وہ کمال اور مسرت حاصل کر سکتا ہے کُل کا دوسرا نام خدا ہے اور اسلام کا پہلا سبق اس کُل کی معرفت ہے۔

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو مذاہب سابقہ کی بیان کردہ صداقتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جو جسمانی و روحانی، نیز داخلی و خارجی قوئے میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، جو عقل جذبہ ہر دو سے کام لیتا ہے، کسی فلسفی نے کیا خوب کہا ہے کہ مذہب دُختر امید وبیم ہے جس کا کام جہل کو حقیقت علم سمجھانا ہے۔''

## مینوس بی جالی:

انگلستان کی یہ عیسائی لڑکی تین خداؤں سے متنفر ہو کر پہلے لادین بنی پھر مذاہب عالم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور ۱۹۵۴ء میں مسلمان ہوگئی اس نے ایک بیان میں کہا کہ:

میں اسلام کی چند باتوں سے بہت متاثر ہوئی ہوں:

اول: ایک خدا کا تصور۔

دوم: تعدد ازواج، پچھلی دو جنگوں میں کروڑوں مرد ہلاک ہو گئے تھے، اور کروڑوں لڑکیاں بے نکاح رہ گئی تھیں، چونکہ عیسائیت میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں اس لئے سارا یورپ جنسی بے راہ روی کی گرفت میں آ گیا، اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو ایسے حالات میں کثرت ازواج کی اجازت دیتا ہے۔

سوم: قرآن نے ایک ایسا نظام حیات پیش کیا ہے جس سے بہتر کا تصور ہی

نہیں کیا جا سکتا، اگر آپ کو کسی اور نظام میں کوئی خوبی نظر آتی ہے تو یقین کیجئے کہ اس کا ماخذ اسلام ہی ہے۔''

## ایون لی زینب:

انگلستان کی یہ لڑکی لکھتی ہے کہ:

''میں کیسے اور کب اسلام لائی مجھے یاد نہیں رہا۔ میرا احساس یہ ہے کہ میں شروع سے مسلمان تھی، اسلام ایک ایسا فطری مذہب ہے کہ اگر کسی بچے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ مسلمان ہی بنے گا۔ میں اپنے وسیع مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ عصر رواں کے پیچیدہ مسائل کا حل صرف اسلام کے پاس ہے، اور یہی وہ نظام ہے جو انسانیت کو سکون و مسرت دے سکتا ہے، اسلام کی بنیادی صداقتیں دو ہیں:

اول: توحید۔

دوم: اخوتِ انسانی۔

اور یہی امن عالم کی بنیادیں ہیں، حج بھی ایک نہایت ایمان افروز فرض ہے۔ لاکھوں انسان ہر سال دنیا کے ہر گوشے سے بیت اللہ میں جمع ہوتے، اور ان گلیوں میں چلتے پھرتے ہیں، جہاں سے ایک یتیم نے انسانیت کو امن وسلام کی طرف بلایا تھا۔ وہاں پہنچ کر گزشتہ چودہ صدیوں کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور انسان عہد رسولؐ میں جا پہنچتا ہے۔''

## مس فاطمہ کاظوئی:

جاپان کی یہ لڑکی کہتی ہے:

ہم جاپانی، امریکی انداز حیات اختیار کر رہے تھے، اور ہمارے مذہبی تصورات دھندلا چلے تھے، میرا یہ احساس، کہ ہم کوئی نہایت قیمتی متاع کھو چکے ہیں ہر روز تیز تر ہو رہا تھا، اس دوران میں ایک مسلمان سے مراسم پیدا ہو گئے میں اس کی مطمئن زندگی اور طریقہ عبادت کو بڑی [illegible]ت سے دیکھتی تھی، آخر [illegible] مذہبی بحث شروع کر دی۔

اس کے جوابات اس قدر اطمینان بخش تھے کہ میں اسلام لے آئی، اسلام ایک نہایت سادہ، خالص، سچا اور سکون بخش مذہب ہے، یہ فرد اور جماعت سب کو دولت امن سے ہمکنار کرتا ہے، الحمدللہ کہ اب میں بھی اس دولت میں شریک ہوں۔''

## مسز ماسلر امینہ:

جرمن کی یہ خاتون اپنی داستان یوں سناتی ہیں کہ:

''۱۹۲۸ء میں ایک دن میرا ایک بیٹا باہر سے گھر آیا تو اس کا پہلا جملہ یہ تھا: امی! میرے لئے عیسائیت نا قابل برداشت ہو چکی ہے، میں اسلام لانا چاہتا ہوں، تم بھی میرا ساتھ دو یہ پہلا بم تھا جو میرے عقائد کے حصار پر گرا اس کے بعد میں نے مسجد برلن کے امام سے رابطہ کیا، اور مجھے جلد یقین آ گیا کہ انسانیت کا سچا مذہب اسلام ہی ہے، چنانچہ میں نے یہ مذہب قبول کرلیا اور مجھے تثلیث، کفارہ، اقرار گناہ کے طلسم اور پوپ کی بالادستی سے نجات مل گئی۔''

## ایف آر فیزوی، خدیجہ:

انگلستان کی یہ خاتون اسلام قبول کرنے کے بعد لکھتی ہیں:

''میرے احباب واقارب مجھے بار بار کہتے ہیں کہ، محمد (نعوذ باللہ) جھوٹا تھا۔ لیکن میں یہ پوچھتی ہوں کہ جس شخص نے شرک کو مٹایا، عدل وانصاف قائم کیا، غرباء کی پرورش کا درس دیا، معاشرے میں عورت کو موزوں مقام عطا کیا، علوم کی ترقی دی انبیائے سابقہ کی تصدیق کی وسعت نظر اور مساواتِ انسانی کا سبق دیا۔ غلاموں کو آزاد کرایا، چوری قتل اور زنا کے خلاف جہاد کیا، وہ جھوٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر یورپ اسلام لے آئے تو اس سے نیکی کے فروغ میں بہت مدد ملے گی۔''

## ہرین فاطمہ:

مغربی جرمنی کی یہ لڑکی اسلام لانے کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ پاکستان میں آ گئی تھی، اور آجکل یہیں ہے، کہاں؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا، یہ ایک بیان میں کہتی ہیں:

''مجھے میرے والدین، بھائی، اقارب اور احباب بہت یاد آتے ہیں۔ اور یہ نقصان کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا، لیکن پھر بھی میں خوش ہوں، کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے سکون قلب کی دولت مل گئی ہے جو یورپ میں کہیں موجود نہیں۔''

## برجٹ ہنی، عائشہ:

انگلستان کی یہ لڑکی ابتداء سے مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا کرتی تھی۔ جب اس نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کیا اور سورۂ آل عمران تک پہنچی، تو مسلمان ہو گئی۔ اس نے اپنے ایک بیان میں کہا:

''اسلام کو جومیٹری کی ایک ایسی شکل سمجھئے جس کے تمام اضلاع ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد اخلاقی قدروں پہ ڈالی گئی ہو۔ اسلام، جسم اور روح ہر دو کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ آج یورپ صرف مادی لذتوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اگر اس نے روح کی طرف دھیان نہ دیا تو ایک ایسے اضطراب کا شکار ہو جائے گا جس کا کوئی علاج کہیں موجود نہیں ہے۔''

# حق کی دریافت

بیکی ہاکمپنس ایک امریکی خاتون ہیں، وہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد انہوں قرآن کا مطالعہ کیا اور اتنا متاثر ہوئیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کا ایک مفصل خط ایک امریکی میگزین میں چھپا ہے اس کا کچھ حصہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

''جن سوالوں کا جواب میں اپنی پوری زندگی میں تلاش کرتی رہی ہوں، ان کا

جواب پانا میرے لئے کتنا زیادہ تسکین کا باعث ہے، اس کو لفظوں میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی اندھا ہو اور پھر اچانک وہ سچائی کو دیکھنے لگے اور ایسی روشنی کو پالے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو، میں اس خوشی کو کیوں کر بیان کر سکتی ہوں جو صرف سچائی کو پانے سے حاصل ہوتی ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ میں نے جو چیز پائی ہے اس کو میں ساری دنیا کے سامنے گاؤں، میں چاہتی ہوں کہ ہر شخص جس کو میں نے کبھی جانا ہو وہ اس میرا حصہ دار بنے اور جو دروازہ میرے لئے کھلا ہے اس پر جشن منانے میں وہ میرا شریک ہو۔ اور سب سے بڑی اور سب سے زیادہ عجیب چیز جو مجھے دکھائی گئی وہ قرآن تھا۔

کتنا زیادہ میں اپنے قرآن سے محبت کرتی ہوں، جب بھی مجھے موقع ملتا ہے تو میں اس کو پڑھتی ہوں۔ میں اس کو اپنے سے الگ نہیں رکھ سکتی۔ حتیٰ کہ انگریزی ترجمہ میں بھی اس کے الفاظ میرے دل کو مسرت دیتے ہیں اور میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ کتنی ہی بار ایسا لمحہ آیا ہے جب کہ میں نے خدا کی کتاب کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور اس کے بارے میں سوچ کر میں روئی ہوں۔ اس کے بغیر میری ساری زندگی کتنی احمقانہ زندگی ہوتی، اسلام کے بغیر میری زندگی کیسی ہوتی، اس کو سوچ کر میں کانپ اٹھتی ہوں۔ اگر میں سب سے زیادہ اونچے پہاڑ پر چڑھ سکتی اور میرے آواز ہر اس آدمی تک پہنچ سکتی جو اسلام سے بے خبر ہے تو میں چلا کر ان کو وہ بتاتی جو مجھے بتایا گیا ہے۔ میرے سوالات کا جواب مجھے مل گیا، اب میں جانتی ہوں کہ سچائی کیا ہے ہر آدمی جو دنیا میں ہے وہ سچائی ملنے پر اگر اللہ کا شکر ادا کرے، اور وہ ایک سو سال تک ہر روز ایک سو بار ایسا ہی کرتا رہے تب بھی اس احسان پر شکر کا حق ادا نہیں ہوگا۔ (بیسکی ہاکمپنس)

# عالم اسلام ایک نظر میں

لطف الرحمٰن فاروقی

| نمبر شمار | نام ملک | دارالحکومت | رقبہ (کلومیٹر میں) | آبادی (۱۹۹۶ء) میں | سرکاری زبانیں |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | آذربائیجان | باکو | 86,600 | 7570,000 | آزری |
| ۲ | آئیوری کوسٹ | عابد جان | 322,463 | 1476,0000 | فرانسیسی |
| ۳ | اپر وولٹا | اواگاڈوگو | 2,74,000 | 10,615,000 | فرانسیسی |
| ۴ | اردن | عمان | 91860 | 4,333,000 | عربی |
| ۵ | اریٹیریا | اسمارا | 93,679 | 3,627,000 | عربی، فرانسیسی |
| ۶ | ازبکستان | تاشقند | 447,400 | 23,500,000 | ازبک |
| ۷ | افغانستان | کابل | 652,225 | 22,264,000 | پشتو، دری (فارسی) |
| ۸ | البانیہ | ترانہ | 28,748 | 3,500,000 | البانوی |
| ۹ | الجزائر | الجزائر | 2,381,741 | 28,556,000 | عربی |
| ۱۰ | انڈونیشیا | جکارتہ | 1,919,443 | 198,189,000 | انڈونیشی بھاشا |
| ۱۱ | ایران | تہران | 1,648,000 | 60,100,000 | فارسی |
| ۱۲ | بحرین | مناما | 706,6 | 598,000 | عربی |
| ۱۳ | برونائی | بندرسری بیگاوان | 5,765 | 300,000 | مالے |
| ۱۴ | بنگلہ دیش | ڈھاکہ | 148,393 | 125,430,000 | بنگلہ |
| ۱۵ | بنین (دہومے) | پورٹونوو | 112,680 | 5,710,000 | فرانسیسی |
| ۱۶ | بوسنیا | سراجیوو | 51,129 | 4,370,000 | بوسن (سربو، کروئٹ) |
| ۱۷ | پاکستان | اسلام آباد | 796,096 | 137,386,000 | اردو، انگریزی |
| ۱۸ | تاجکستان | دوشنبہ | 143,100 | 5945,903 | تاجک |

| ۱۹ | ترکمانستان | عاشق آباد | 488,100 | 4,574,000 | ترکمان |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲۰ | ترکی | انقرہ | 77,9,452 | 63,528,225 | ترکی |
| ۲۱ | تنزانیہ | دارالسلام | 945,037 | 28,838,000 | سواحلی، انگریزی |
| ۲۲ | تیونس | تیونس | 154,530 | 9,092,000 | عربی |
| ۲۳ | جبوتی | جبوتی | 23,200 | 428,000 | عربی، فرانسیسی |
| ۲۴ | جزائر قمر | مورونی | 1862 | 569237 | قمراوی، فرانسیسی، عربی |
| ۲۵ | چاڈ | نجمینہ | 1,284,000 | 6,980,000 | عربی، فرانسیسی |
| ۲۶ | چیچنیا | گروزنی | 19,3000 | 904,000 | چیچن، شیشانی |
| ۲۷ | سعودی عرب | ریاض | 2,240,000 | 18,426,000 | عربی |
| ۲۸ | سوڈان | خرطوم | 2,505,813 | 32,594,000 | عربی |
| ۲۹ | سیرالیون | فری ٹاؤن | 73,326 | 4,617,000 | انگریزی |
| ۳۰ | سینیگال | ڈاکر | 196,190 | 9,090,000 | فرانسیسی |
| ۳۱ | شام | دمشق | 185,180 | 16,137,899 | عربی |
| ۳۲ | صومالیہ | موغادیشو | 637,657 | 6,802,000 | صومالی، عربی |
| ۳۳ | عراق | بغداد | 438,317 | 22,220,000 | عربی |
| ۳۴ | عمان | مسقط | 309,500 | 2,251,000 | عربی |
| ۳۵ | قازقستان | الماتے | 2,717,3000 | 16,677,000 | قازق |
| ۳۶ | قبرص | نکوسیا | 3355 | 177,120 | ترکی |
| ۳۷ | قرغیستان | بشکیے | 198,500 | 4,512,809 | قرغیز روسی |
| ۳۸ | قطر | دوحا | 11,437 | 590,000 | عربی |
| ۳۹ | کویت | کویت شہر | 17,818 | 2,070,000 | عربی |

| ۴۰ | کیمرون | یاؤنڈے | 475,440 | 14,261,557 | فرانسیسی، انگریزی |
|---|---|---|---|---|---|
| ۴۱ | گنی | کوناکری | 245,857 | 7,403,375 | فرانسیسی |
| ۴۲ | گنی بساؤ | بساؤ | 36,125 | 1,178,584 | پرتگیزی |
| ۴۳ | گیبون | لبرے ول | 267,667 | 1,173,000 | فرانسیسی |
| ۴۴ | گیمبیا | بنجول | 10,689 | 1,148,000 | انگریزی |
| ۴۵ | لبنان | بیروت | 10,452 | 3,776,000 | عربی |
| ۴۶ | لیبیا | طرابلس | 1,759,540 | 5,590,000 | عربی |
| ۴۷ | ماریطانیہ | نواکشوت | 1,030,700 | 2,333,000 | عربی |
| ۴۸ | مالاگاسی | تنانا ریو | 587,041 | 14,062,000 | فرانسیسی، مالاگاسی |
| ۴۹ | مالدیپ | مالے | 298 | 2,66,000 | دیوی |
| ۵۰ | مالی | بماکو | 1,248,574 | 9,789,000 | فرانسیسی |
| ۵۱ | متحدہ عرب امارات | ابوظہبی | 83,657 | 2,262,309 | عربی |
| ۵۲ | مراکش | رباط | 458,730 | 28,300,000 | عربی |
| ۵۳ | مصر | قاہرہ | 997,739 | 61,404,000 | عربی |
| ۵۴ | ملاوی | للونگ وے | 118,484 | 11,000,000 | چچوا |
| ۵۵ | ملائیشیا | کوالا مپور | 330,442 | 21,700,000 | مالے |
| ۵۶ | موزمبیق | میپوتو | 799,380 | 17,878,000 | پرتگیزی |
| ۵۷ | نائجر | نیامی | 1,186,408 | 9,465,000 | فرانسیسی |
| ۵۸ | نائجیریا | ابوجا | 923,773 | 107,115,000 | انگریزی |
| ۵۸ | یمن | صنعاء | 555,000 | 16,600,000 | عربی |
| ۶۰ | یوگنڈا | کمپالہ | 241,040 | 20,158,000 | انگریزی |

# چند اہم باتیں قارئین کے فائدے کیلئے

☆ جن احباب کے دل میں اس کتاب کو پڑھ کر محبت الٰہی کی شمع روشن ہو چکی ہو اور وہ سالکین اس شمع کو مزید روشن کرنا چاہیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب " ولایت اور حصول محبت الٰہی کے ذرائع " کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب اللہ سے محبت کرنے کی وجوہات جاننا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب "بندے کی اللہ سے محبت کی وجوہات" کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب اس بات کو جاننا چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کن بندوں سے محبت کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب " اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت کی علامات" کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب اللہ کے دوست بننا چاہتے ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ احقر کی کتاب "اللہ کے دوستوں کی صفات" کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب اس بات کو جاننا چاہیں کہ اللہ کے محبوب بندے اللہ سے کتنی محبت کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب "اللہ کے عاشقوں کی عاشقی کا منظر" ملاحظہ فرمائیں۔

☆ جو احباب اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب " گناہوں کا سمندر اور رحمت الٰہی کی وسعت " کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب " گناہوں سے بچئے اور اللہ کے محبوب بنئے " کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب معرفت الٰہی کے مشتاق ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ بندے کی کتاب

"مخلوقات خداوندی پر غور وفکر" کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب ہر وقت پریشان رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی پریشانی دور ہو جائے انہیں چاہئے کہ وہ بندے کی کتاب "سکون قلب حاصل کرنیکے طریقے" کا مطالعہ فرمائیں۔

☆ جو احباب نماز میں اللہ اکبر کہنے سے لے کر سلام پھیرنے تک اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور نماز میں اللہ کے دھیان کے مشتاق ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ بندے کی کتاب "نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنیکے طریقے" کا مطالعہ فرمائیں۔

**نوٹ** : یہ فوائد اسی وقت حاصل ہوں گے جب ان کتابوں کو عمل کرنے کی نیت سے پڑھا جائے گا۔